معاد

جلد سوم

تالیف

حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی

مترجم

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا ذوالفقار علی سعیدی قمی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	معاد
تصنیف	حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی
مترجم	حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا ذوالفقار علی سعیدی قمی
کمپوزنگ	قائم گرافکس۔جامعہ علمیہ۔ڈیفنس کراچی 0345-2401125
ناشر	مصباح القرآن ٹرسٹ۔لاہور۔ پاکستان
تعداد	ایک ہزار(۱۰۰۰)
طبع	اوّل
قیمت	

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاءاللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''معاد'' حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی کی تصنیف ہے جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے سینکڑوں سوالوں کے جوابات موجود ہیں کتاب کا نام اگرچہ معاد ہے لیکن اس کے مطالعہ کے بعد انشاءاللہ آپ کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاءاللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش گفتار مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّکِیْنَ بِوِلَایَۃِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الْاَئِمَّۃِ الْمَعْصُوْمِیْنَ○ اَمَّا بَعْدُ!

تمام تعریفیں عالمین کے رب کے لئے ہیں جو سارے جہان کا خالق و مالک ہے اور درود و سلام ہو اس کی عظیم اور افضل مخلوقات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی پاک و پاکیزہ عترت پر جنہوں نے مصائب و آلام کے باوجود بشریت کی رہنمائی فرمائی اور انسانوں کو گمراہی و ضلالت سے نکال کر وہ راستہ دکھایا جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب راستہ ہے۔

پالنے والے کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا کہ جس نے اس بابرکت کتاب کے ترجمے کو حقیر کے ہاتھوں انجام تک پہنچایا۔

قیامت کا شمار اسلام کے بنیادی اصولوں میں ہوتا ہے جس پر ایمان ہر مسلمان کا شرعی وظیفہ ہے اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں انسان کی زندگی، موت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں فرماتا ہے:

''آخر تم لوگ کس طرح کفر اختیار کرتے ہو جب کہ تم بے جان تھے اور خدا نے تمھیں زندگی دی اور پھر موت بھی دے گا اور پھر دوبارہ زندہ بھی کرے گا اور پھر اس کی بارگاہ میں پلٹا کر لے جائے جاؤں گے۔''[1]

دنیا میں اچھے اور برے تمام لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں لیکن قیامت وہ دن ہے جس میں اچھے اور برے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائینگے اسی وجہ سے اس دن کو 'یوم الفصل'، یعنی فاصلے اور جدائی کا دن بھی کہا جاتا ہے۔

اس دن انسانوں کے تمام اعمال کی چھان بین ہوگی جنہیں انہوں نے دنیا میں انجام دیا جس کے نتیجہ میں اچھے لوگوں کو بہشت اور اس کی نعمتیں بطور انعام دی جائیں گی اور برے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

قیامت کب آئے گی؟

قیامت میں کونسی چیز میزان اعمال ہوگی؟

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۸

قیامت میں اچھے لوگ برے لوگوں سے کس طرح جدا ہوں گے؟

قیامت میں کس کے پاس شفاعت کا حق ہوگا؟

پل صراط کی حقیقت کیا ہے؟

قیامت کے بارے میں اس طرح کے کئی سوالات انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب کی انہیں تلاش رہتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں قیامت سے متعلق بہت سے سوالات کے جواب موجود ہیں جنہیں اسلامی جمہوریہ ایران کے ممتاز عالم دین حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی (مرحوم) نے قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا ہے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی سعادت بندہ کو حاصل ہوئی۔

ترجمہ میں آسان، عام فہم اور سلیس اردو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ثقیل اور غیر مانوس کلمات سے حدالامکان پرہیز کیا گیا ہے البتہ اس بات کا فیصلہ تو قارئیں کرام ہی کریں گے کہ بندہ مفاہیم اور مطالب کو منتقل کرنے میں کس حد تک کامیاب رہا۔

آخر میں اپنے والدین، اساتذہ اور دیگر احباب کا بے حد مشکور ہوں جن کی شفقت اور تربیت نے مجھے مکتب اہلبیت علیہم السلام کا خدمت گذار بنایا نیز جناب مولانا مجاہد حسین حُر صاحب کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں حدالامکان تعاون کیا۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

العبد

ذوالفقار علی سعیدی قمی

پرنسپل

جامعۃ المہدیؑ۔ سادات محلہ ڈھاڈر ضلع بولان

بلوچستان

انتساب

ملت جعفریہ پاکستان کے

ان شہیدوں کے نام

جن کا جرم صرف اور صرف

محبت محمد و آل محمد علیہم السلام تھا۔

ذوالفقار علی سعیدی قمی

فہرست

پہلی فصل 19

محسوسات و معنویات 19

سب سے پہلا غیب 20

بنی اسرائیل کا محسوسات کی طرف مائل ہونا 20

بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ سے خدا کو دیکھنے کا تقاضا 21

بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی 22

حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا محسوسات کی جانب مائل ہونا 23

ملائکہ کا وجود 25

علوم عقلی اور علوم تجربی 26

علوم عقلی اور علوم تجربی علامہ طباطبائی کی نظر میں 27

قیامت غیبی خبروں سے پردوں کے برطرف ہونے کا دن 30

قیامت میں بعض لوگوں کی دشمنیاں 32

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ دوستی 33

ناپاک دوستی 34

عبادت میں شرک کی اقسام 36

مکتب اسلام میں، عبادت میں شرک کی دو قسمیں ہیں 36

۱۔عبادت میں شرک 36

۲۔عبادت بمعنی اطاعت میں شرک 36

اطاعت میں شرک 37

خواہشات نفسانی کی پیروی 39

حبّ دنیا 41

دنیاو آخرت میں نقصان اٹھانے والے 42

سچی دوستی 43

دوسری فصل 45

اسلام کا تربیتی پروگرام 45

کلمۂ توحید کی فضیلت 47

سوال اور اس کا جواب 48

مطلب کی مزید وضاحت 48

نفاق 49

صالح اعمال کا نتیجہ 51

اللہ تعالیٰ کو صرف نظریہ کی حد تک ماننا 54

دین کی اشاعت میں انبیاء کرام کی مسئولیت 55

اللہ کی نظر میں انسان کی قدر و قیمت 56

عشق رسولؐ 56

کلمۂ توحید کا عملی اثر 58

اصحاب اعراف 59

دنیا سے محبت کرنے والے مومن 61

محبت اہلبیتؑ 62

قیامت میں لوگوں کی ایک دوسرے سے جدائی 65

اہل کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار 67

تہران میں یہودی عالم کا قبولِ اسلام 67

اہلبیت علیہم السلام کی محبت 68

تیسری فصل

تیسری فصل 71
قیامت کا حساب 71
جسم کے اعداد وشمار 71
نور کے ذرات کی تعداد 72
تخلیق کائنات میں اعداد کا عمل ودخل 72
انسان کے مادی ومعنوی پہلو 73
یوم الحساب 75
نیت 75
ثواب کی نیت 75
گناہ کی نیت 76
اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ 78
قیامت میں انبیاء کرام سے سوال 82
مشرکین اور کفر وضلالت کے اماموں کا انجام 83
گمراہی کے امام کی آرزو 85
حساب کے بغیر بہشت میں جانا 86
مقبولیت عمل کی شرائط 87
محاسبۂ نفس 88
ائمہ اہلبیتؑ کے تحریری تذکرات 91
مومنوں کے حساب میں سختی 94
قیامت میں ظالموں کا حساب وکتاب 96
سب سے بڑا ظلم 96
بے گناہ کو قتل کرنے کا انجام 98
خودکشی 99

چوتھی فصل

چوتھی فصل	101
میزان عمل	101
نظام کائنات میں عدل کا کردار	101
میزان کا معنی	101
کائنات کی عجیب خلقت	102
نظام شمسی کے عادلانہ موازین	103
مہم ترین اجتماعی مسائل	104
قرآنی آیات میں میزان	105
میزان سے الہام مراد ہے	106
الٰہی الہام کے چند نمونے	106
قیامت میں میزان اعمال کے فوائد	109
اچھے کاموں کے سخت اور برے کاموں کے آسان ہونے کا سبب	111
قیامت میں میزان عمل سے کیا مراد ہے؟	112
میزان کے بارے میں صدر المتالھین کا نظریہ	113
میزان سے متعلق تتمہ	114
میزان کے بارے میں محمد عبدہ کا نظریہ	115
دنیا میں میزان اعمال	116
قیامت میں انبیاء کرام اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام میزان عدل ہوں گے	117
امیر المومنین علیہ السلام کے حضور امام سجاد علیہ السلام کا مخصوص سلام	118
۱۔ یعسوب	118
۲۔ میزان عمل	118
۳۔ رب ذوالجلال کی تلوار	119
میزان کے بارے میں مرحوم محدث فیض کاشانی کا نظریہ	119

قرآن مجید میں میزان کے جمع کا استعمال 120
موازین اعمال میں مؤثر چیزیں 121
(الف)۔خلوص 121
آزاد بندوں کی عبادت 121
حضرت علی علیہ السلام کا اخلاص 123
(ب)۔عقل 126
(ج)۔علم 127
عالم اور مجاہد 128
پانچویں فصل 130
حساب قیامت 130
قیامت میں نیک اور متقی لوگوں کا استقبال 130
قیامت میں نور کی تقسیم 132
حساب قیامت 135
قیامت میں رحمت الٰہی کی وسعت 136
قابل بخشش اور نا قابل بخشش گناہ 138
مشرکوں کے دو عظیم گناہ 139
گناہوں کی اقسام 140
حقوق العباد 140
اعمال کا ایک دوسرے کے ساتھ مقائسہ 141
گناہوں کی قسمیں 141
بیماری، گناہوں کا کفارہ 143
ایک گناہ پر دو سزائیں 144
بندوں کے حقوق 145

قیامت میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوگا	146
قیامت میں حقوق العباد کے حل وفصل کا طریقہ	146
مفلس کون؟	148
قیامت میں قرض کی ادائیگی	148
قیامت میں حبطِ اعمال	149
قیامت میں حقوق العباد کی معافی	150
مشیت الٰہی کے بغیر کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا	152
خدا کو فراموش کرنے کی سزا	154
چھٹی فصل	156
پل صراط	156
صراط سے کیا مراد ہے اور اس سے کس طرح گزریں گے؟	156
صراط اور سبیل میں فرق	157
انسانی زندگی کے دو مختلف پہلو	158
انسان کا حیوانی پہلو	160
صراط دنیا اور صراط آخرت	160
صراط دنیا اور صراط آخرت کے درمیان مقائسہ سے پیدا ہونے والے سوالات اور ان کے جواب	161
میانہ روی	162
کیا دنیا میں بھی صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے	164
اچھی زندگی کے دو اصول	165
قوۂ نظریہ اور قوۂ عملیہ	165
قوۂ نظریہ اور عملیہ کا رہنما	167
تم اپنی نماز پوری پڑھو	169
مومنوں کے تکامل اور معنویات میں فرق کی وجہ	170

پل صراط سے کس طرح گزریں گے؟ 171
انسانی صورت 173
قیامت میں انسانوں کا حقیقی چہرہ 175
صراط دنیا اور صراط آخرت کے درمیان مؤثر رابطہ 177
وضو کے وقت حضرت علی علیہ السلام کی دعا 178
عظیم اعمال اور گناہان کبیرہ 179
اہل بہشت کا جہنم میں جانا 180
اہل جہنم کی آگ کے ساتھ جنسیت 182
ساتویں فصل 186
شافع اور شفاعت 186
مسئلہ شفاعت پر ہونے والے اعتراضات 186
ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوھاب کے اعتراضات 187
مشروع اور غیر مشروع شفاعت 188
شافع 189
شفاعت 189
شفاعت کی اقسام 190
شفاعت تکوینی اور شفاعت تشریعی 191
شفاعت تکوینی اور تشریعی آیات کی نظر میں 192
نظام خلقت میں وسیلہ کا کردار 192
وسائل واسباب 193
شفاعت کا حقیقی اختیار 193
شفاعت کے لئے خدا کا اذن 194
حصول رزق کے لیئے کھیتی باڑی وسیلہ ہے 194

رزاق	194
ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے اعتراض کا جواب	195
غیر خدا سے کھانا طلب کرنا	196
ابن تیمیہ کی نظر میں کسی کو مدد کے لئے وسیلہ بنانا	197
ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب	198
صبر اور نماز سے مدد طلب کرنا	199
مریض کیلئے طبیب کا وسیلہ ہونا	201
مسئلہ ہدایت	203
ہدایت تکوینی	203
ہدایت تشریعی	203
کیا واقعاً انبیاء خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہیں؟	205
عقل	206
اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر دو عظیم حجتیں	207
کیا قیامت میں شفاعت کے لئے راضائے الٰہی بھی ضروری ہے؟	207
آخرت میں گناہوں سے مغفرت	209
علماء کرام کی شفاعت	210
قرآن مجید ایک عظیم شفیع	211
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گناہگاروں کی شفاعت کرنا	212
گروہ اول	212
گروہ دوم	212
قیامت میں اولیاء، شہداء اور صالح مومنین کی شفاعت	215
قیامت میں قتل حسین علیہ السلام پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گریہ	215

آٹھویں فصل 218
جنت اور جہنم 218
قیامت پر ہونے والے اعتراضات 218
حشر جسمانی کے بارے میں صدر المتالھین کا نظریہ 219
صدر المتالھین کے نظریہ پر اعتراضات 222
جنت اور جہنم کے بارے میں اسلام کا نظریہ 223
پہلا سوال 224
دوسرا سوال 224
پہلے سوال کا جواب 224
جنت اعمال کا نتیجہ 226
بہشت کی وسعت 227
بہشت کہاں ہے؟ 228
سدرۃ المنتہیٰ کہاں ہے؟ 228
فضا 229
بہشت اور جہنم کی کیفیت 230
دنیا کی تباہی 230
دنیا کی تخلیق سے پہلے کیا تھا؟ 231
جنت اور جہنم کے اوصاف 232
الف بہشت کی وسعت 233
ب۔ جہنم کی وسعت 234
فضل الٰہی اور عذاب الٰہی 235
اہل بہشت اور فضل الٰہی 236
اہل جہنم اور عذاب الٰہی 237

آیت میں موجود ''واؤ'' کا راز 238
نعمات بہشت اور عذاب جہنم کی کمیت اور کیفیت 240
اہل بہشت کے چہروں کی تبدیلی 241
اہل دنیا کی جہنم کے عذاب سے بے خبری 242
جہنم کی آگ کا رنگ 243
عالم آخرت میں جنت اور جہنم کا شعور 243
اہل بہشت کا جہنم کو اور اہل جہنم کا بہشت کو دیکھنا 245
نویں فصل 247
اہل بہشت اور اہل جہنم کے حالات 247
عالم دنیا اور عالم آخرت میں فرق 248
انسان کی ظاہری اور باطنی جنگ 249
نظام تکوینی اور تشریعی میں مشکلات اور پریشانیاں 250
نظام تکوینی اور تشریعی میں مشکلات اور سختیوں کے فائدے 251
بہشت میں پریشانیوں کا نہ ہونا 253
جہنم میں عذاب کا کم نہ ہونا 254
جہنم سے چھٹکارا 254
محبت اہلبیت علیہم السلام 255
جہنمیوں کی نجات 256
بغیر آگ کی سزا 257
آخرت میں اعمال کا کردار 258
بہشت متقی لوگوں کی قیام گاہ 260
جہنم بدکردار لوگوں کی قیام گاہ 260
اہل جہنم کا جہنم کے ساتھ تناسب 260

جہنم کا ایندھن 262
اہل بہشت اور اہل جہنم کے درجات 264
الف اہل بہشت کے درجات 264
ب اہل جہنم کے عذاب میں فرق 265
تکبر 266
اہل بہشت اور اہل جہنم کا ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہونا 267
بہشت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب 269
جہنم کا سخت عذاب 271
بہشت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کا دنیا کے ساتھ مقائسہ 271
بہشت کی ایک خاص نعمت اور جہنم کا ایک خاص عذاب 273
دنیاوی جنت اور دنیاوی جہنم 275
دسویں فصل 277
خدا پرست اور مادہ پرست 277
مادہ پرستوں کا نظریہ 277
مکتب انبیاء کا نظریہ 277
دنیا اور مادہ پرست 278
دنیا الٰہی مکتب کی نظر میں 278
دنیا اور آخرت کے درمیان رابطہ 279
1۔ دانا اور باتقویٰ فقیہ 280
2۔ خیر خواہ حکمران 280
3۔ بینا اور مورد اعتماد طبیب 280
مادہ پرست اور مکتب انبیاء کے پیروکاروں میں فرق 280
مکتب انبیاء کے دنیا پرست پیروکار 281

آخرت کے سفر کا زادراہ	284
دنیاوی سفر اور اُخروی سفر میں فرق	285
اسلام کی نظر میں آخرت کا زادراہ	286
تقویٰ کے علاوہ اور زادراہ	287
مادہ پرستوں کے اعتراض اور ان کا جواب	291
موجودہ منزل میں آئندہ پیش آنے والی منازل کے لئے زادراہ	294
بااختیار انسان	295
انسان کا حشر	297
دنیا آخرت کی کھیتی	298
صالح اعمال کی حفاظت	301

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

پہلی فصل

محسوسات و معنویات

وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ۝ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ.[1]

''قیامت میں ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہونگے، ایک اسے میدان محشر کی طرف لے جا رہا ہوگا اور دوسرا اس کے اعمال کی گواہی دے گا اے انسان! تو اس عظیم دن سے غافل تھا اور تمہیں اس دن کے حالات اور کیفیت کی خبر نہ تھی۔ اب ہم نے تم سے پردے ہٹا دیئے ہیں اور تمہاری نگاہ بہت تیز ہوگئی ہے۔''

انسان اس مادی اور محدود طبیعی جہان میں محسوسات کی جانب زیادہ مائل نظر آتا ہے اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نظر آنے والی اور لمس ہونے والی اشیاء کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام چیزوں کو لمس کرے اور ظاہری طور پر ان کا مشاہدہ کر سکے۔ اسی وجہ سے اس کے لئے محسوس نہ ہونے والے امور اور لمس نہ ہونے والی موجودات کو قبول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، گویا عام لوگوں کی نظر میں واقعی اور سچی چیزیں فقط وہ ہیں جو محسوس ہو سکیں اور محسوس نہ ہونے والی چیزوں کو قبول کرنا ان کے لئے بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔

طبیعی طور پر محسوسات کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے انسان انبیاء کرام علیہم السلام کے آسمانی مکتب سے غافل رہا۔ یہ چیز آسمانی مکتب کی پیشرفت میں مانع رہی اور لوگ سریع طور پر راہ نجات تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ انبیاء الٰہی لوگوں کو ماورائے طبیعیت (جن چیزوں کا تعلق ظاہر سے نہ ہو) کی جانب متوجہ کرنا چاہتے تھے اور محسوس نہ ہونے والی اشیاء پر عقیدہ رکھنا الٰہی آئین کی بنیاد ہے۔ لیکن چونکہ انسان محسوس ہونے والے امور کا خواہاں تھا لہٰذا وہ ان چیزوں کو طلب کرتا تھا جو دیکھی، سنی یا لمس کی جاتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ.[2]

---

[1] سورہ ق آیت ۲۱، ۲۲

[2] سورہ بقرہ آیت ۱، ۲

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک وہ شبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ صاحبان تقویٰ اور پرہیز گار لوگوں کے لئے مجسم ہدایت ہے۔''

سب سے پہلا غیب

سب سے پہلا اور بنیادی غیب جس کی طرف انبیاء الٰہی لوگوں کو دعوت دیتے تھے نظر نہ آنے والے خدا پر ایمان رکھنا ہے۔ وہ خدا جس کا جسم نہیں، جو وزن کا حامل نہیں اور جو مادی صفات اور مادی موجودات سے پاک و منزہ ہے۔ انبیاء کرام لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ عقل سے کام لیں۔ خلقت کی حکیمانہ نشانیوں پر غور کریں حکیم اور دانا خالق پر ایمان لائیں، اپنے آپ کو اس خالق کا بندہ اور مخلوق سمجھیں، صرف اسی کی عبادت کریں، ان تمام معبودوں اور خداؤں کا انکار کریں جنہیں خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ لیکن چونکہ انسان محسوسات کا اسیر تھا اس لئے اس نے اپنے لئے لمس ہونے والے خدا بنا لئے۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ ایسی چیز کی عبادت کرے جو اس کے سامنے ہو اور وہ اسے دیکھ سکے اور جب اس کا جی چاہے اسے مسخ بھی کر سکتا ہو۔

بنی اسرائیل کا محسوسات کی طرف مائل ہونا

بنی اسرائیل مصر میں کئی سال تک فرعون اور فرعونیوں کے اسیر بن کر ذلت وخواری کی زندگی بسر کرتے رہے نہ ان کا مال وملکیت محفوظ تھا اور نہ ہی جان کو امن حاصل تھا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمرانؑ کو مبعوث رسالت فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے جو کہ خود ربوبیت کا مدعی تھا آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دی، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت تو قبول نہ کی البتہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر بہت زیادہ وحشت زدہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً اس نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا اور انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکل جانے کی اجازت دے دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی مدد اور قوت سے ان سب کو دریائے نیل سے عبور کرایا لیکن فرعون جو انہیں مصر سے نکل جانے کی اجازت دینے پر پشیمان ہوا تھا اپنے لشکر کے ہمراہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے دوڑا تاکہ دوبارہ بنی اسرائیل کو مصر میں واپس لاسکے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت نہ دی اور فرعون اور اس کا سارا لشکر دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔

بنی اسرائیل جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعون سے نجات پائی تھی، ان کو چاہئے تھا کہ خداوند کے شکر گزار ہوتے اور اپنے عظیم پیغمبر کا احترام کرتے لیکن جلد ہی اس کی بجائے انہوں نے نظر نہ آنے والے پروردگار کو بھلا دیا اور اس کی نعمتوں کا انکار کرنے لگے جب انہوں نے ایک بت پرست گروہ کو دیکھا تو وہ بھی محسوس اور لمس ہونے والے خدا کے بارے میں سوچنے لگے ایک دن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ ہمارے لئے بھی ان کی

طرح کا معبود مقرر کردیں۔

اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ.[1]

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار پہنچا دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کے گرد مجمع لگائے بیٹھی تھی۔ ان لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسا ہی خدا بنادو جیسا کہ ان کا خدا ہے۔ انہوں (حضرت موسیٰؑ) نے کہا کہ تم لوگ بالکل جاہل ہو۔''

بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ سے خدا کو دیکھنے کا تقاضا

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس خدا کی عبادت کرنے کے بارے میں کہا کرتے تھے جو پوری دنیا کو خلق کرنے والا ہے۔ لیکن لوگ بتوں اور بت پرستی کے بارے میں سوچتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عدم شناخت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بنی اسرائیل کا بے ادبی سے پیش آنا فقط اس ایک مقام پر بیان نہیں ہوا۔ بلکہ دیگر کئی موارد ہیں جن میں ان کی نادانی اور ناسمجھی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جو امام رضا علیہ السلام نے بیان فرمائی آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تو

رَجَعَ اِلٰی قَوْمِهٖ فَاَخْبَرَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَلَّمَهٗ وَ قَرَّبَهٗ وَ نَاجَاهُ فَقَالُوْا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَسْمَعُ کَلَامَهٗ سَمِعْتَهٗ.[2]

''موسیٰ اپنی قوم کی طرف گئے اور کہنے لگے کہ خداوند عالم نے ان سے کلام کیا ہے، یہ سن کر بنی اسرائیل بولے ہم اس وقت تک آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے جب تک ہم بھی آپ کی طرح خدا کا کلام سن لیں۔''

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا.[3]

''موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر افراد کو میقات پر لے جانے اور اللہ کا کلام سننے کے لئے منتخب کیا۔''

عَنِ الرِّضَا علیہ السلام اِنَّهٗ قَالَ: وَکَانَ الْقَوْمُ سَبْعَ مِأَةِ اَلْفٍ فَاخْتَارَ مِنْهُمْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا ثُمَّ اخْتَارَ

---

[1] سورہ اعراف۔ آیت ۱۳۸

[2] تفسیر صافی صفحہ ۲۰۳

[3] سورۂ اعراف آیت: ۱۵۵

مِنْهُمْ سَبْعَ مِأَةٍ ثُمَّ اخْتَارَ مِنْهُمْ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِمِيْقَاتِ رَبِّهٖ فَخَرَجَ بِهِمْ اِلٰى طُوْرٍ فَاَقَامَهُمْ فِيْ سَفْحِ الْجَبَلِ وَ صَعِدَ مُوْسٰى اِلَى الطُّوْرِ وَسَئَلَ اللّٰهَ اَنْ يُكَلِّمَهٗ وَ يُسْمِعَهُمْ كَلَامَهٗ فَكَلَّمَهُ اللّٰهُ وَ سَمِعُوْا كَلَامَهٗ مِنْ فَوْقٍ وَ مِنْ اَسْفَلَ وَ يَمِيْنٍ وَ شِمَالٍ وَ وَرَاءٍ وَ اَمَامٍ لِاَنَّ اللّٰهَ اَحْدَثَهٗ فِي الشَّجَرَةِ ثُمَّ جَعَلَهٗ مُنْبَعِثًا مِنْهَا حَتّٰى سَمِعُوْهُ مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ فَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِاَنَّ هٰذَا الَّذِيْ سَمِعْنَا كَلَامُ اللّٰهِ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ [1]

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ستر لاکھ افراد پر مشتمل تھی، آپؑ نے ان میں سے ستر ہزار افراد کو منتخب کیا، پھر ان میں سے سات ہزار افراد کو منتخب کیا اور پھر ان میں سے سات سو افراد کو اور پھر آپؑ نے ایسے ستر افراد کو منتخب کیا جو ان میں سب سے زیادہ مناسب تھے۔ آپ انہیں طور سینا پر لے جا کر ان سب کو پہاڑی کے نیچے ٹھہرایا اور خود پہاڑ کے اوپر چلے گئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے: کہ (اے پروردگار) اس طرح کلام فرمائیں کہ پہاڑی کے نیچے موجود تمام افراد اسے سن سکیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تو وہاں موجود سب لوگ اللہ کے کلام کو اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، سامنے اور پیٹھ کی طرف سے سننے لگے، انسان کی آواز منہ سے خارج ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی آواز درخت کے ذریعے سے ظاہر کی، اس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بغیر فرق کے چھ (۶) مختلف جہات سے اللہ کے کلام کو سنا۔''

لیکن کلام سننے کے بعد کہنے لگے: ہم اسے خدا کا کلام نہیں سمجھتے اور ہم اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ اس مقام پر بھی بنی اسرائیل نے بتا دیا کہ وہ محسوس اور لمس کی طرف زیادہ مائل ہیں اسی وجہ سے انہوں نے خداوند عالم کو دیکھنے کے بارے میں بات کی تھی۔

بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی

بنی اسرائیل کا فکری انحراف اور نادانی، ان کی گوسالہ کی عبادت سے بھی معلوم ہوتا ہے موسیٰ ابن عمران علیہ السلام الواح تورات لینے کے لئے میقات کی طرف گئے اور خدا کے معاہدہ کے مطابق آپ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا: میں ایک ماہ کے بعد واپس آؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس راتوں میں مکمل فرمایا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۝ [2]

''ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ لیا اور اسے دس مزید راتوں سے مکمل کر دیا کہ اس طرح ان کے رب کا وعدہ

---

[1] تفسیر صافی، صفحہ ۲۰۳

[2] سورہ اعراف آیت ۱۴۲

چالیس راتوں کا وعدہ ہو گیا۔''

جب ایک مہینہ گزر گیا اور موسیٰ نہ آئے تو بنی اسرائیل کے درمیان مختلف باتیں ہونا شروع ہو گئیں اور انہوں نے موسیٰ کے نہ آنے کی گمراہ کر دینے والی تفسیریں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح جن لوگوں کا ایمان ضعیف تھا وہ شک میں پڑ گئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر سامری نے خیانت کی اور اس نے بنی اسرائیل کے سونے کے زیورات اور دیگر سونے کی بنی ہوئی اشیاء سے ایک گوسالہ بنایا جو گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ گوسالہ کے اس طرح کی آواز نکالنے کے متعلق بہت سی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ اس کی یہ آواز اس لئے نکلتی تھی کہ سامری نے اسے اس طرح بنایا تھا کہ جب یہ ہوا کے سامنے ہوتا یا اس میں ہوا پھونکی جاتی تو اس سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔ یہ احتمال تفسیر صافی میں مرحوم فیض اور دیگر مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

سامری کے گوسالہ کی آواز نے بہت سے لوگوں پر اس قدر اثر کیا کہ وہ اسے اپنا معبود سمجھنے اور اس کے سامنے راز و نیاز کرنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گویا انہیں اس میں اپنی گم شدہ چیز مل گئی ہو اور وہ محسوس اور ظاہر کے ذریعے اپنی دلی آرزو تک پہنچ گئے ہوں۔

جناب ہارون علیہ السلام اپنے دینی فریضہ اور جانشینی کی وجہ سے انہیں اس مشرکانہ عمل سے روکنے لگے آپ علیہ السلام نے ان کے گوسالہ پرستی کو ترک کرنے کے لئے بہت کوشش کی اور ان پر اعتراض کیا لیکن جاہل لوگوں نے نہ صرف ان کی باتوں پر توجہ نہ دی بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ اگر ہارون علیہ السلام زیادہ اصرار کرتے تو وہ انہیں قتل کر دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس پلٹ کر آنے کے بعد یہ بات جناب ہارون علیہ السلام نے ان کے سامنے بیان کی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا ہے:

قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي [1]

''(ہارون نے) کہا: اے بھائی یہ لوگ گوسالہ پرستی کے وقت مجھے حقارت اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے تھے، میری باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے اور نزدیک تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا محسوسات کی جانب مائل ہونا

قرآن مجید کی بعض آیات میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار یعنی حواری

---

[1] سورہ اعراف، آیت ۱۰۰

بھی محسوسات اور ملموسات (محسوس اور لمس ہونے والی اشیاء) سے متاثر تھے، اس سلسلے میں ان کے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان ایسی باتیں ہوئیں جو آپ علیہ السلام کے پیروکاروں کو نہیں کرنی چاہیئے تھیں حواری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد آپؑ کی نبوت پر ایمان لائے انہوں نے نہ صرف ظاہری طور پر معجزات کو دیکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر نہ آنے والا الہام بھی کیا جس کی وجہ سے دوبارہ وہ اپنے ایمان کو زبان پر لائے اللہ تعالیٰ نے اس نظر نہ آنے والے الہام کے بارے میں قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ [1]

''جس وقت میں نے حوریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور ہمارے مسلمان ہونے پر گواہ رہنا''۔

ظاہری معجزات کے دیکھنے اور اندرونی الہام کے بعد حواریوں نے معنوی مراحل کو طے کیا اور وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان کو ظاہر کرنے لگے، اتنے مراحل طے کرنے کے بعد بھی انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے محسوسات اور ملموسات کے بارے میں بات کی اور کہنے لگے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [2]

''حواریوں نے عیسیٰ سے کہا: کیا تمہارے رب میں یہ طاقت بھی ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کردے؟ (حضرت عیسیٰؑ جو کہ حواریوں کے اس سوال سے رنجیدہ ہوئے تھے) کہنے لگے خدا کے عذاب سے ڈرو اور اگر اس کی قدرت پر ایمان رکھتے ہو (تو اس طرح کے سوالات سے پرہیز کرو)۔''

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ [3]

''ان لوگوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور اطمینان قلب پیدا کریں اور یہ جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم خود بھی اس کے گواہوں میں شامل ہو جائیں۔''

---

[1] سورہ مائدہ آیت: ۱۱۱

[2] سورہ مائدہ آیت ۱۱۲

[3] سورہ مائدہ آیت ۱۱۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مائدہ نازل کرنے کے میں عرض کیا تو آواز قدرت آئی میں مائدہ نازل کروں گا لیکن اگر کسی نے مائدہ نازل ہونے اور اس عظیم آیت کا مشاہدہ کرنے کے بعد کفر اختیار کیا تو اس پر ایسا عذاب نازل کروں گا جو دنیا میں کسی پر نازل نہیں کیا ہے۔

خلاصہ

سب سے پہلا غیب جس کے بارے میں انبیاء کرام نے بیان کیا اور اسے دنیا والوں تک پہنچانے کے لئے بہت سی قربانیاں دیں نظر نہ آنے والے خدا پر ایمان اور اس کی عبادت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرنا تمام آسمانی ادیان کی بنیاد اور الٰہی تعلیمات کی اصل ہے۔لیکن انسانوں کی نادانی اور محسوس گرائی، دکھائی نہ دینے والے خالق پر ایمان نہ لانے اور اس پروردگار کی عبادت نہ کرنے کا باعث بنی۔اسی وجہ سے انسان آسمانی اور ارضی موجودات جمادات، نباتات اور حیوانات کی عبادت کرنے لگا۔

لیکن افسوس ہے کہ یہ فکری انحراف پوری دنیا کے گوشہ و کنار میں کم وبیش پایا جاتا ہے اور لوگ ان خداؤں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے

ملائکہ کا وجود

ایک اور غیب جس کی خبر ہمیں انبیاء کرام نے دی اور ادیان الٰہی کے سچے پیروکار اس پر ایمان رکھتے ہیں ملائکہ کا وجود ہے آیات اور روایات کے مطابق ملائکہ عقلمند اور سمجھدار موجودات ہیں، خداوند عالم کے مطیع اور فرمانبردار اور دنیا کے مختلف نظاموں کے مدیر ہیں۔نظر نہ آنے والے ملائکہ پر، ان لوگوں کا ایمان لانا بہت ہی مشکل ہے جو محسوسات کے قائل ہیں۔

دین کے غیبوں میں سے ایک اور غیب جس کی خبر انبیاء کرام نے لوگوں کو دی، نزول وحی اور فرشتوں کے ذریعہ دین خدا کو حاصل کرنا ہے، لیکن عام لوگ جو نہ فرشتہ کو دیکھتے تھے، نہ اس کی آواز کو سن پاتے تھے اور نہ ہی وحی کی کیفیت سے خبردار تھے۔وہ اس نظر نہ آنے والے امر کا انکار کرتے اور انبیاء کرام کے معجزات کو جو کہ ان کی صداقت کی دلیل تھی سحر و جادو کا نام دیتے تھے، اس کے برعکس وہ لوگ جو پاک دل اور منصف ہوتے وہ ان غیر عادی امور کو دیکھ کر اور انبیاء کرام کی مستدل باتیں سن کر اطمینان حاصل کر لیتے اور وحی الٰہی اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مذکورہ غیبوں پر ایمان لانے کے بارے میں فرماتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ [1]

''رسولؐ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اس کی طرف نازل کی گئی ہیں اور مومنین بھی سب اللہ اور ملائکہ اور مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں۔۔۔۔''

قیامت اور اس دن تمام مخلوقات کا دوبارہ زندہ ہونا بھی غیبی خبر ہے جس کے بارے میں انبیاء کرام نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا انہوں نے لوگوں سے کہا کہ موت سے فقط جسم کی زندگی ختم ہوجاتی ہے لیکن بدن کی موت کے باوجود عالم برزخ میں روح باقی رہتا ہے۔ برزخ میں نیک لوگ نعمتوں سے استفادہ کریں گے اور وہاں گناہ گاروں کو عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا اور جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ تمام انسانون کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان سے حساب وکتاب لے گا جس کی وجہ سے دنیا میں کئے گئے اعمال کے مطابق انہیں سزا یا انعام دیا جائے گا۔

ملائکہ اور عالم برزخ کی غیبت بہت جلد ظاہر ہوجائے گی کیونکہ ہر انسان موت کے وقت فرشتے کو دیکھے گا وہ عالم برزخ کا بھی مشاہدہ کرے گا اس طرح اس کی موت سے یہ دو پوشیدہ حقائق اس پر ظاہر ہوجائیں گے اور جب قیامت کا دن آئے گا تو عالم آخرت بھی غیب کے پردے سے ظاہر ہوگا۔ اس دن وعدہ الٰہی حقیقی صورت اختیار کرے گا اور تمام اولین و آخرین مخلوقات خاک سے باہر نکلے گی اس دن اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلنے اور اس کی جانب سے بھیجے گئے انبیاء وآئمہ کی اطاعت و پیروی کی وجہ سے مومنین خوش ہوں گے اور بے ایمان لوگ اوامر الٰہی اور انبیاء کرام کی مخالفت کی وجہ سے بہت ہی غمگین نظر آئیں گے لیکن انہیں اس دن کا غم اور افسوس کوئی فائدہ نہیں پہنچادے گا۔

علوم عقلی اور علوم تجربی

آج کل کے دور میں لوگ صرف علوم تجربی اور امور حسی پر توجہ دیتے ہیں ان کی نظر میں عقلی مسائل کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ عقلی مسائل نہ محسوس کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی ان کا تجربہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ گذشتہ زمانے کے دانشمند اور مفکر مدرکات عقلی اور مدرکات حسی دونوں کو اہمیت دیتے تھے اور ان دونوں کو علم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن آج کل کی دنیا میں علم محسوسات کا پلڑا علم معقولات سے زیادہ سنگین نظر آتا ہے۔ مغربی دنیا سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ علم فقط اس چیز کا نام ہے جسے حس اور تجربہ کے ذریعے سے ثابت کرنا ممکن ہو اور خالص عقل سے وابستہ علم جس میں حس اور تجربہ ممکن نہیں ہوتا اسے علم نہیں کہا جاسکتا۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۸۵

علوم عقلی اور علوم تجربی علامہ طباطبائی کی نظر میں

عظیم فلسفی علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر "المیزان" جلد اول میں آیت الذین یومنون بالغیب (سورہ بقرہ آیت ۴) کے ذیل میں اس مطلب کو مورد بحث قرار دیا ہے انہوں نے واضح کیا ہے کہ مختلف آزمائشیں اور تجربے خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہوں صرف شخصی (ایک شخص سے وابستہ) خبریں ہیں اور اگر ہم اپنے تجربات کو علمی رنگ دینا چاہیں تو ہمیں حتماً خالص عقلی مقدمات سے گزرنا پڑے گا جن میں تجربات اور محسوسات کا کوئی عمل، دخل نہیں ہوتا۔ اس طرح اس تجربے کو ''اساسی'' اور ''کلی اصل'' کا نام دیا جاسکے گا۔

ہم قارئین کرام کی مزید آگاہی کے لئے تفسیر المیزان میں سے اس حصہ کا ترجمہ پیش کررہے ہیں:

کیا مدرکات عقلی کے بغیر فقط مدرکات حسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

اس مطلب کے بارے میں مغرب سے وابستہ موجودہ دور کے دانشمندوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ گذشتہ زمانے میں بیشتر اسلامی فلسفیوں اور حکماء کا عقیدہ تھا کہ محسوسات اور معقولات دونوں کو ایک ساتھ ملانا ممکن ہے اس کے ضمن میں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ محسوسات کے ساتھ اس کے محسوس ہونے کی بنا پر علمی برہان (دلیل) قائم نہیں کیا جاسکتا لیکن مغرب سے وابستہ دانشور حس وعقل کو آپس میں ملانے کے بارے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر بالخصوص وہ دانشمند حضرات جن کا تعلق طبیعی علوم سے ہے، ان کا نظریہ ہے کہ غیر محسوس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس سلسلے میں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ خالص عقلیات میں خطا اور اشتباہ کا امکان ہے اور حس اور تجربہ (جس کے ذریعے غلط کو صحیح سے جدا کیا جاتا ہے) میں اشتباہ اور غلطی کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جس وقت ہم کسی چیز کو کسی حواس کے ذریعے سے درک کرتے ہیں، مختلف مقامات پر اس کا تجربہ بھی کرتے ہیں تو نتیجہ میں ہمارے لئے اس کی صفت اور واقفیت کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

اس کے بعد علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

یہ دلیل جسے علما طبیعی نے بیان کیا ہے مختلف جہات سے باطل ہے۔

اول: تمام مقدمات جواس میں استعمال ہوئے ہیں سب عقلی اور نامحسوس ہیں۔ کیا عقلی مقدمات کو عقلی استدلال کے بطلان کے لئے دلیل بنایا جاسکتا ہے؟

دوم: حواس میں غلطیاں اور اشباہ، عقلیات میں غلطیوں سے کم نہیں ہیں، ان غلطیوں کے نمونے وہ ابحاث ہیں جو کہ دیکھنے اور دیگر حواس کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر خطا و اشتباہ استدلال کی اہمیت کے کم ہوجانے کا باعث ہے تو عقلی دلائل سے پہلے حسی دلائل کی اہمیت بھی کم ہوجانی

چاہئے۔

سوم: غلط اور صحیح کے درمیان فرق کرنا تمام مدرکات کے لئے ضروری ہے لیکن بار بار حسی تجربے اس تمیز کے لئے وسیلہ نہیں بن سکتے بلکہ تجربات والی خبریں خود قیاسی مقدمات میں سے ہیں، جس سے مورد نظر نتیجہ کے بارے میں استدلال ہوتا ہے۔

لہٰذا جب ہم نے تجربہ کے ذریعے موجودات کی خاصیتوں میں سے کسی خاصیت کے بارے میں جان لیا اور اسی تجربے کو ہم نے اس طرح کی دوسری اشیاء میں تکرار کیا تو ہمارے سامنے ایک اور بات آجائے گی کہ آیا یہ خاصیت اس موجود میں ہمیشہ کے لئے ہے یا اس کے اکثر موارد میں پائی جاتی ہے اور اگر یہی خاصیت اس موضوع کے علاوہ کسی اور کے لئے ہوتی تو پہلے والے موضوع کے لئے ہمیشہ یا اس کے اکثر موارد میں نہ پائی جاتی اور یہ قاعدہ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں نہ حسی ہے اور نہ ہی اس کا تجربے سے کوئی تعلق ہے۔

چہارم: علوم حسی کے تمام بندھن، علمی تجربہ کی تائید کرتے ہیں لیکن خود تجربہ جس کا ثبوت ایک اور تجربہ اور دوسرے تجربہ کا ثبوت ایک اور تجربہ کے ذریعے سے ہو رہا ہے دراصل تجربے کے صحیح ہونے کا علم غیر حسی طریقے سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حس اور تجربے پر اعتماد علم عقلی اور غیر محسوس کی وجہ سے ہے۔

پنجم: ہمارا حس صرف جزئی اور تبدیل ہونے والی اشیاء کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے حالانکہ علوم فقط کلی قضایا کے ذریعے سے نتیجہ بخش ہوتے ہیں اور کلی قضایا نہ محسوس ہیں اور نہ ہی تجربہ کے قابل ہیں۔ مثلاً: بعض انسانوں کے بدن کو کاٹنے سے خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسان کے اندر دل اور جگر موجود ہے اگر ہم یہی کام متعدد اشخاص کے ساتھ کریں تب بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام انسانوں کے پاس دل اور جگر ہے۔ اسی طرح اگر ہم علمی مسائل میں صرف محسوسات اور تجربات پر قناعت کریں اور عقلیات سے استفادہ نہ کریں تو ہرگز ہم ایک کلی نتیجہ یا علمی بحث تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ لہٰذا جس طرح ممکن یا بعض موارد میں لازم ہے کہ ہم حس اور تجربے سے استفادہ کریں بالکل اسی طرح ضروری ہے کہ بعض مقامات پر عقل کی قدرت پر اعتماد رکھیں، عقل سے ہماری مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے کلیات کی تصدیق اور عمومی احکامات کو درک کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے پاس ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے وہ کلیات کا ادراک کر سکتا ہے۔

خلاصہ:

مختلف علوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلی مسائل جو کہ نہ محسوس کئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا تجربہ کرنا ممکن ہے اور طبعی مسائل جو قابل محسوس اور قابل تجربہ ہوتے ہیں، دونوں واقعی اور حقیقی امور ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دینی امور میں غیبی مسائل جیسے روح کی بقا، عالم آخرت اور جنت وجہنم اسی طرح محسوس ہونے والے دنیاوی مسائل اور مادی زندگی کے مسائل یہ واقعی اور غیر قابل انکار امور ہیں۔

وہ لوگ جو فقط محسوسات کو سب کچھ سمجھتے ہیں انہوں نے علم کو صرف تجرباتی علوم میں قید کر رکھا ہے وہ عقلی مسائل اور نظری علوم سے بے خبر ہیں، دنیا پرست بھی مادی امور اور دنیاوی طور طریقوں کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور عالم آخرت اور قیامت کی مسئولیت کے بارے میں خبر نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ [1]

"یہ لوگ صرف زندگانئ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں"

پنبہ وسواس بیرون کن ز گوش — تابہ گوشت آید از گردن خروش
پس محل و حی گردو گوش جان — وحی چبود گفتن از حس نہان
گر تو بگشائی زباطن دیدہ ای — زود یابی سرمہ بگزیدہ ای
غیب را ابری و آبی دیگر است — آسمان و آفتابی دیگر است
و آنکہ جامد بود خود واقف نشد — وای آن جانی کہ او عارف نشد

ترجمہ:

اپنے کان سے وسواس کی روئی کو نکال دو تا کہ تمہارے کانوں میں ماورائے طبیعت کی رعب دار آواز پہنچے اس طرح تمہارے کان وحی کا مرکز بن جائیں گے وحی مخفی فضا سے آواز دینے کا نام ہے۔

اگر تمہاری باطنی آنکھ کھل جائے تو تمہیں پسندیدہ سرمہ مل جائے گا۔

غیب کے بادل اور پانی اور ہیں، آسمان اور سورج اور ہیں۔

لیکن جو سمجھنا ہی نہ چاہتا ہوں، افسوس ہے اس آدمی پر جو عارف نہ بن سکے۔

---

[1] سورہ روم، آیت ۷

قیامت غیبی خبروں سے پردوں کے برطرف ہونے کا دن

عالم آخرت اور قیام قیامت ادیان الٰہی کی ان غیبی خبروں میں سے ہیں جن کے بارے میں انبیاء کرام نے مختلف ادوار میں بیان فرمایا ہے انہوں نے لوگوں کو اس وحشت ناک اور حیرت انگیز دن کے بارے میں آگاہ کیا آخرت، تکامل اور رشد کی آخری منزل ہے۔ اس وقت تمام صلاحیتیں فعال ہوجائیں گی، تمام استعدادات حقیقی صورت اختیار کریں گے اور ہر موجود جو کچھ اس کے اندر پایا جاتا ہے اس تک پہنچ جائے گی۔

آخرت، وہ عالم ہے جس میں تمام پوشیدہ حقائق ظاہر ہوں گے، غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے اور انسان کی تیز آنکھیں ایسی چیزوں کو دیکھیں گی جنہیں انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ[1]

”قیامت میں ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے، ایک اسے میدان محشر کی طرف لے جا رہا ہوگا اور دوسرا اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔ اے انسان تو اس عظیم دن سے غافل تھا اور تمہیں اس دن کے حالات اور کیفیت کی خبر نہ تھی، اب ہم نے تم سے پردے ہٹا دیئے ہیں اور تمہاری نگاہ بہت تیز ہوگئی ہے۔“

جلیل القدر حکیم، مرحوم صدر المتالهین شیرازی، کتاب نفس اسفار کی قیامت صغریٰ و کبریٰ کی فصل میں کہتے ہیں:

ولاشك ان الآخرة انما يحصل بارتفاع الحجب و زوال الملابس و ظهور الخلائق۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ آخرت پردوں کے برطرف ہونے، حجابوں کے رفع ہونے اور حقائق کے ظاہر ہونے سے واقع ہوگی۔“

سب سے پہلے پوشیدہ حقیقت قیامت کے دن مخفی اور پوشیدہ پردوں سے ظاہر ہوگی اور ہر مومن اور کافر اسے دیکھیں گے اور وہ حقیقت آخرت کے غیب کا ظاہر ہونا ہے۔ آخرت وہ دن ہے جس کے بارے میں انبیاء کرام دنیا میں خبر دیا کرتے تھے اور بے ایمان لوگ اسے جھٹلاتے اور اس کی تکذیب کرتے تھے۔

آخرت، اولین و آخرین تمام مخلوقات پر ظاہر ہوگی اور تمام مخلوقات اس کی شرائط اور خصوصیات میں جمع ہوں گے۔

قیامت کے منکر پہلے ہی لحظہ میں اپنی ہار تسلیم کرلیں گے اور اپنی آئندہ آنے والی تاریکیوں اور ظلمتوں کی وجہ سے وحشت اور پریشانی کا شکار ہوجائیں گے۔

---

[1] سورہ ق، آیت ۲۱، ۲۲

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ[۱]

''اورکاش آپ دیکھتے کہ یہ گھبرائے ہوئے ہوں گے اور بچ نہ سکیں گے اور بہت قریب سے پکڑ لئے جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ اتنی دور دراز جگہ سے ایمان تک دسترس کہاں ممکن ہے اور یہ پہلے انکار کر چکے ہیں اور ازغیب باتیں بہت دور تک چلاتے رہے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد قدرت ہے:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ[۲]

''یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، بہت بڑی خبر کے بارے میں، جس کے بارے میں ان میں اختلاف ہے، کچھ نہیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا اور خوب معلوم ہو جائے گا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کو''نباعظیم''یعنی عظیم خبر کا نام دیا ہے، سورۂ ص میں بھی نباء عظیم کے بارے میں بات ہوئی ہے اس کی دوسری آیت میں نباء عظیم کی عظمت و بزرگی کو بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین کا کہنا ہے ممکن ہے نباعظیم سے مراد قرآن مجید ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ اس سے روز قیامت مراد ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ[۳]

''اے میرے رسول! ان سے کہہ دو کہ قیامت بہت بڑی خبر ہے تم اس سے اعراض کئے ہوئے ہو۔''

لوگ خواہ قیامت پر ایمان لائیں یا نہ لائیں، اس پر یقین رکھیں یا نہ رکھیں، اس پر توجہ دیں یا نہ دیں، اس دن کی فکر میں ہوں یا نہ ہوں، ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ وہ دن آئے، جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور اپنا نامہ اعمال لیں گے بالآخر اچھے لوگوں کو انعام اور برے لوگوں کو سزا دی جائے گی۔

---

[۱] سورہ سبا آیت ۵۱، ۵۲، ۵۳

[۲] سورہ نبا آیت ۱، ۲، ۳، ۴، ۵

[۳] سورہ ص، آیت ۶۷، ۶۸

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ [1]

''اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، اور اللہ قبروں سے مردوں کو اٹھانے والا ہے۔''

اس دن ہر شخص اپنے اعمال سے باخبر ہوگا، انہیں ان کے ان اعمال کے بارے میں بتایا جائے گا جن کی وجہ سے وہ بدبختی اور مصیبت میں مبتلا ہوئے ہونگے، بعض روایات کے مطابق لوگ دنیا میں اپنی غفلت کی وجہ سے بہت افسوس کریں گے، گریہ وزاری کریں گے نادم ہوں گے اور اپنے آپ پر غصہ ہوں گے۔

قیامت میں بعض لوگوں کی دشمنیاں

اس دن بعض لوگوں کی دشمنیاں بھی ظاہر ہوں گی جن کی دنیا میں شرک آلود یا گناہ آلود دوستی ہوگی۔ بعض اوقات یہ دشمنیاں اس قدر شدید ہو جائیں گی کہ لوگ ایک دوسرے پر لعن اور ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار کرتے نظر آئیں گے۔

قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۔ [2]

''آج کے دن صاحبان تقویٰ کے علاوہ تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔''

اَلْخِلَّةُ بالضمِّ الصداقةِ ولمحبّة التی تخللت القلب فصارتْ خلاله ای فی باطنه۔

عربی زبان میں ''خلت'' اس دوستی اور محبت کو کہتے ہیں جو دل کے اندر نفوذ کر چکی ہو، اور اس کے عمق میں جاگزین ہو۔ اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ''خلت'' اس دوستی اور محبت کو کہتے ہیں جو انسان کے ضمیر کو اپنی گرفت میں لے لے اور اس کی جڑیں دل کے تمام حصوں میں پھیل چکی ہوں۔

یقیناً اس طرح کی دوستی اگر پاک و مقدس ہو تو خیر و برکت کا باعث بن کر اپنے مالک کو رشد اور کمال تک پہنچا سکتی ہے اور اگر یہ دوستی گناہوں سے آلودہ اور ناپاک ہو تو بدبختی کا موجب ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان گمراہی اور بدبختی کا شکار ہو جاتا ہے۔

---

[1] سورہ حج آیت ۷

[2] سورہ زخرف آیت ۶۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ دوستی

مقدس اور سعادت بخش دوستی کا ایک نمونہ حضرت ابراہیم کی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ عمیق محبت ہے، اس پاک محبت کی نورانی موجوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کے تمام وجود کو گھیر لیا تھا۔ انہیں اس قدر بزرگی اور عظمت عطا ہوئی کہ آپؑ ''خلیل اللہ'' (اللہ کا دوست) کے لقب کے حقدار ٹھہرے۔

اِنَّما قالَ ذالِكَ لِاَنَّ خُلَّتَهُ كَانَتْ مَقْصُوْرَةً عَلٰى حُبِّ اللهِ تَعالٰى فَلَيْسَ فِيْهَا لِغَيْرِهِ مُتَّسَعٌ۔

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ لقب اس وجہ سے عطا ہوا کہ آپ نے اپنی دوستی اور محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں منحصر کر دیا تھا اور آپ کے دل میں غیر خدا کی محبت کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی''۔

جالب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خالص محبت اور صداقت کی وجہ سے انہیں اپنا دوست منتخب فرمایا۔ اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاتَّخَذَ اللهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا [۱]

''اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور دوست بنایا''۔

عَنْ اَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا عليه السلام قَالَ:

سَمِعْتُ اَبِيْ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عليه السلام اَنَّهُ قَالَ: اِنَّمَا اتَّخَذَ اللهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا لِاَنَّهُ لَمْ يَرِدْ اَحَدًا وَ لَمْ يَسْئَلْ اَحَدًا قَطُّ غَيْرَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے اپنے والد گرامی سے سنا اور انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیمؑ کو اپنی دوستی کے لئے اس وجہ سے منتخب فرمایا کہ آپؑ کی قلبی توجہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ تھی اور آپ نے ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی سے بھی کوئی درخواست نہ کی۔ [۲]

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل کو محبت الٰہی کا مرکز بنالیا تھا آپ نے اپنے ارادے کو اس کے سامنے تسلیم کر لیا آپ نے اپنے تمام وجود کو بغیر قید و شرط کے اس کا مطیع و فرمانبردار بنا لیا اور توحید کے عظیم ترین مقام تک رسائی حاصل کر لی۔

اس مقدس اور پاک دوستی نے حضرت ابراہیمؑ کے مقام کو بلند کر دیا اور انہیں کمال انسانی کے تمام اوصاف

---

[۱] سورہ نساء آیت ۱۲۵

[۲] تفسیر برہان۔ جلد اول ص ۴۱۸

عطا فرمائے۔جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کا رہبر و رہنما مقرر کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا[1]

''ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں۔''

ناپاک دوستی

اگر کوئی بدبخت انسان جاہ طلبی اور برتری کے حصول کے لئے اپنے دل کو کسی متکبر اور شیطان صفت انسان کی محبت کا مرکز بنا لے، اپنے ہر ارادے کو اس کے ارادے کے سامنے تسلیم کر لے اور تمام وجود سے بغیر قید و بند کے اس کا مطیع و فرمانبردار رہے تو اس کی یہ گناہوں سے آلودہ اور ناپاک دوستی اسے شرک، جرائم کے ارتکاب اور اعمال و اخلاق کی ناپاکی میں مبتلا کر دے گی۔جس کی وجہ سے قیامت کے دن یہ گناہوں سے آلودہ اور ناپاک دوستی دشمنی میں تبدیل ہو کر اطاعت کرنے والے اور جس کی اطاعت کی گئی ہوگی دونوں کو واصل جہنم کر دے گی۔

وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِـہَۃً لِّیَکُوۡنُوۡا لَہُمۡ عِزًّا ﴿۸۱﴾ کَلَّا ؕ سَیَکۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِہِمۡ وَ یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

''اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے خدا اختیار کر لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزّت بنیں ہرگز نہیں عنقریب یہ معبود خود ہی ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔''[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

اَیۡ یَکُوۡنُوۡنَ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡھُمۡ اٰلِـہَۃً مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ضِدًّا یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ یَتَبَرَّؤُوۡنَ مِنۡہُمۡ وَ مِنۡ عِبَادَتِہِمۡ.

ثُمَّ قَالَ: لَیۡسَ الۡعِبَادَۃُ ھِیَ السُّجُوۡدُ وَ لَا الرُّکُوۡعُ وَ اِنَّمَا ھِیَ طَاعَۃُ الرِّجَالِ مَنۡ اَطَاعَ مَخۡلُوۡقًا فِیۡ مَعۡصِیَۃِ اللّٰہِ فَقَدۡ عَبَدَہٗ.

''جنہوں نے خدا کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنا لیا قیامت کے دن وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور خود ان کی عبادت سے بیزاری کریں گے۔

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴

[2] سورۂ مریم آیات ۸۱، ۸۲

عبادت سے مراد رکوع اور سجود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ جو بھی خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت کرے گویا اس نے اس کی عبادت کی۔''[۱]

افسوس! ہمارے آج کے دور میں بعض اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے حکمران اس آیت کریمہ کے حقیقی مصادیق ہیں وہ چندروزہ حکومت اور اقتدار کی خاطر بڑی حکومتوں کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہیں راسل نے ان متکبر اور شیطان صفت افراد کو اس طرح پہچنوایا ہے:

حکمران جس کے اختیار میں پوری حکومت ہوتی ہے اگر اسے بااختیار چھوڑ دیا جائے اور اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے گا۔ انسان گذشتہ صدیوں میں خود کو شیطان کے آگے تسلیم کر لیتا تھا تا کہ ساحرانہ اقتدار اس کے ہاتھ آ سکے لیکن آج کی دنیا میں جادوئی طاقت کو علم اور میڈیا کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے نتیجہ میں انسان کے اندر شیطان ہونے کا احساس بہت جلد نشوونما حاصل کر لیتا ہے۔[۲]

وہ دوستی جو قیامت میں دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی جس کی وجہ سے دوست ایک دوسرے کی مخالفت اور ایک دوسرے پر لعن کریں گے عقائد، ایمان، اخلاق اور اعمال میں خراب اثرات مرتب کرنے والی دوستی ہے جو انسان کو کفر اور شرک میں مبتلا کر دے جو دنیا میں فتنہ وفساد اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہونے کا باعث بنتی ہے اسی وجہ سے روایات میں اچھے دوست کے انتخاب پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِمْرَؤٌمَنْ یُخَالِلُ.

''یعنی انسان اس کے دین پر ہوتا ہے جس کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے لہٰذا ہر شخص کو توجہ رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے دل میں کس کی محبت کو جگہ دے رہا ہے۔''[۳]

آخرت میں بعض دوست ایک دوسرے سے اس قدر نفرت کریں گے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے بلکہ دنیا میں ان کے ساتھ دوستی یا اپنے دنیاوی رہبروں کی پیروی کی وجہ سے جو عذاب ابدی کا شکار ہوئے ہوں گے وہ ایک دوسرے پر لعنت کر بھیجیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ان پر عذاب کی سختی کی درخواست کریں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[۱] تفسیر صافی صفحہ ۳۴۱

[۲] کتاب قدرت صفحہ ۶۸

[۳] النہایہ۔ جلد ۲ صفحہ ۷۲

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا

"جس دن ان کے چہرے جہنّم کی طرف موڑ دیئے جائیں گے اور یہ کہیں گے کہ اے کاش ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے راستہ سے بہکا دیا پروردگار اب ان پر دوہرا عذاب نازل کر اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔"[1]

نفرت کرنے والے "اطعنا" کے لفظ کے ذریعے قیامت میں اپنی بدبختی اور عذاب میں مبتلا ہونے کے سبب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔حقیقت میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج ہم جس عذاب میں مبتلا ہیں، اپنی بے جا اور نامناسب اطاعتوں کی وجہ سے ہے۔کیونکہ ہم جب دنیا میں تھے، ہمارے حاکم، ہمیں حکم دیتے اور ہم بغیر اس پر توجہ اور غور وفکر کے، ان کے حکم کی اطاعت کیا کرتے تھے، ان کے ایسے احکامات کی پیروی کرتے تھے جو امرالٰہی کے واضح طور پر خلاف ہوتے، اور اب ہم غیر شرعی اوامر کی اطاعت کے سبب جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں

عبادت میں شرک کی اقسام

مکتب اسلام میں، عبادت میں شرک کی دو قسمیں ہیں:

ایک خود عبادت میں شرک سے اور دوسرا اطاعت میں شرک۔قرآن مجید میں دونوں اقسام کے لیے مادہ "عبد" استعمال ہوا ہے۔

ا۔عبادت میں شرک:

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ.[2]

ان لوگوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کی مجاوری کرتے ہیں۔

۲۔عبادت بمعنی اطاعت میں شرک

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ.[3]

---

[1] سورۂ احزاب آیات: ٦٦ تا ٦٨

[2] سورۂ شعراء آیت ۷۱

[3] سورۂ یٰسین آیت ٦٠

''اولاد آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبردار شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔''

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام: فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ قَالَ: یُطِیْعُ الشَّیْطَانِ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُ فَیُشْرِکُ

اوران میں بھی اکثریت خدا پرایمان لاتی بھی ہے تو شرک کے ساتھ۔[۱]

اس آیت کریمہ کی وضاحت بیان کرتے ہوئے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انسان نہ جانتے ہوئے شیطان کی پیروی کرتا ہے اور مشرک بن جاتا ہے۔[۲]

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَ جَلَّ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ قَالَ شِرْکُ طَاعَۃٍ وَلَیْسَ شِرْکُ عِبَادَۃٍ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اسی آیت کریمہ کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ایک اور حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''یہ اطاعت میں شرک ہے عبادت میں شرک مراد نہیں''[۳]

اطاعت میں شرک

ایسے شخص کے حکم کی اطاعت اور پیروی کرنا جس کا حکم خدا کے حکم کے خلاف ہو ممنوع اور ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا حکم دے وہ نہ صرف گناہ کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ وہ مخلوق کے حکم، کو خالق کے حکم پر مقدم کرنے کی وجہ سے اطاعت میں شرک کرتا ہے یہ مطلب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اقوال میں بھی ہے اسی فصل میں پہلے بھی امام صادق علیہ السلام کی ایک روایت بیان ہوئی ہے جو کہ تفسیر صافی سے نقل کی گئی تھی، ہم یہاں اختصار کی وجہ سے ایک اور روایت بھی ذکر کررہے ہیں:

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ اَطَاعَ مَخْلُوْقًا فِیْ غَیْرِ طَاعَۃِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَقَدْ کَفَرَ وَ اِتَّخَذَ اِلٰھًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ.

---

[۱] سورۂ یوسف آیت ۱۰۶

[۲] اصول کافی جلد ۲ ص ۳۹۸ حدیث ۲۔۳

[۳] تحف العقول، صہ ۴۲۰

حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

اگر کوئی شخص کسی مخلوق کو اللہ کی مخالفت میں کوئی حکم دے اس عمل کے ذریعے وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے اور اس نے واحد خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنالیا ہے۔[1]

اطاعت میں شرک ایک ایسا مہم مسئلہ ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن اطاعت کرنے والے اور جن کی اطاعت کی گئی ہوگی دونوں گرفتار ہونگے اور دونوں کو عذاب خدا میں مبتلا ہونا پڑے گا یعنی اس دن وہ لوگ جنہوں نے حکم خدا کے خلاف حکم دیا ہوگا اور ناحق حکم کو نافذ کرنے والے اطاعت میں شرک کے جرم میں خدا کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ یہ مطلب قرآن مجید کی متعدد آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

إِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ. وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ.

''اس وقت جبکہ پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور سب کے سامنے عذاب ہوگا اور تمام وسائل منقطع ہو چکے ہوں گے اور مرید بھی یہ کہیں گے کہ اے کاش ہم نے ان سے اسی طرح بیزاری اختیار کی ہوتی جس طرح یہ آج ہم سے نفرت کر رہے ہیں۔ خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کر پیش کرے گا اور ان میں سے کوئی جہنّم سے نکلنے والا نہیں ہے۔''[2]

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ.

''حالت یہ ہوگی کہ ہر داخل ہونے والی جماعت دوسری پر لعنت کرے گی اور جب سب اکٹھا ہو جائیں گے تو بعد والے پہلے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ پروردگار ان ہی نے ہمیں گمراہ کیا ہے لہٰذا ان کے عذاب کو دوگنا کر دے۔ ارشاد ہوگا کہ سب کا عذاب دوگنا ہے صرف تمہیں معلوم نہیں ہے۔''[3]

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ

---

[1] تحفہ العقول صفحہ ۴۲۰

[2] سورۂ بقرہ آیات ۱۶۶، ۱۶۷

[3] سورۂ اعراف آیت ۳۸

اِلَیۡکَ ۫ مَا کَانُوۡۤا اِیَّانَا یَعۡبُدُوۡنَ.

''تو جن شرکاء پر عذاب ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ پروردگار یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا ہے اور اسی طرح گمراہ کیا ہے جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے لیکن اب ان سے برائت چاہتے ہیں یہ ہماری عبادت تو نہیں کر رہے تھے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں اطاعت میں شرک کے بارے میں بیان فرمایا ہے اور اس کے اُخروی خطرات سے بھی باخبر کر دیا ہے رب العالمیں نے یہ کام خود کو بیچنے والے غلام صفت انسانوں پر اتمام حجت کے لئے انجام دیا شاید خواب غفلت سے بیدار ہو کر قیامت کے دن اپنی عظیم مسئولیت پر توجہ دیں اور مرنے سے پہلے اس غلط راستے سے اپنا منہ پھیر لیں اور خود کو بغیر غور وفکر کی اطاعت کے قید وبند سے نجات دلائیں اور فکری آزادی کے ساتھ شرک سے آزاد ہو جائیں۔

خواہشات نفسانی کی پیروی

سب سے بڑا عامل جس کی وجہ سے انسان دانستہ یا نادانستہ طور پر غلط اور غیر شرعی کاموں کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور لوگ شرک کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی اور اطاعت کرنا ہے جو لوگ مال و دولت، نام و شہوت جاہ و مقام اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ وہ قدرت اور طاقت رکھنے والے افراد کے ساتھ دوستی کر لیتے ہیں اور ان کے مطیع بن کر بغیر اعتراض کے ان کے ہر جائز و ناجائز حکم پر عمل کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اس طرح اپنی تمناؤں اور آرزوں تک پہنچ کر اپنی نفسانی خواہشات پوری کر سکیں۔ قیامت کے دن بغیر اعتراض کے حکم کو نافذ کرنے والے بدبخت لوگ مشرکوں کے ساتھ محشور ہونگے اور ان حکمرانوں کو دشمنی اور عداوت سے دیکھیں گے جو ان کی بدبختی اور شقاوت کا باعث بنے قیامت کے دن یہ لوگ ان سے بیزار نظر آئیں گے اسی طرح حکمران بھی اپنے مطیع لوگوں سے بیزار نظر آئیں گے افراط جو انسان کو اطاعت میں شرک کی طرف لے جاتا ہے اور دنیا اور آخرت میں ذلّت اور خواری کا باعث بنتا ہے اسے اولیاء کرام کی زبان میں ہوائے نفس یا حبّ دنیا کا نام دیا گیا ہے ہم یہاں بعض روایات کے ذریعے مختصر وضاحت بیان کرتے ہیں:

ھویٰ: لغت میں ''ھویٰ'' مطلقاً ''خواہشات نفسانی'' کو کہا جاتا ہے چاہے وہ پسندیدہ اور جائز خواہش ہو یا ناپسند اور ناجائز خواہش بھوکا کھانا چاہتا ہے، پیاسا، پانی کا طلبگار رہتا ہے اور تھکے ہوئے شخص کو آرام وسکون کی ضرورت ہوتی ہے یہ

---

[1] سورہ قصص آیت ۶۳

اور دیگر تمام خواہشات جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے ''ھویٰ'' کہلاتی ہیں۔

طبیعی طور پر ہر زندہ انسان ''ھویٰ'' اور خواہشات رکھتا ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے، دراصل بغیر قید و بند کے نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا غلط اور ناجائز ہے، اور اسے اس وجہ سے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان خدا کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس بات کی طرف متوجہ فرمایا ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا.

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنا لیا ہے کیا آپ اس کی بھی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں۔''[۱]

إِنَّمَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ اثْنَتَيْنِ اِتِّبَاعَ الْهَوٰى وَطُوْلَ الْأَمَلِ أَمَّا اِتِّبَاعُ الْهَوٰى فَإِنَّهٗ يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُوْلُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہارے بارے میں ہر چیز سے زیادہ دو چیزوں سے ڈرتا ہوں۔ ایک نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا اور دوسرا طویل آرزوئیں رکھنا۔ خواہشات نفسانی کی پیروی تمہارے راستے کو حق سے دور کر دے گی اور یکتا پرستی میں مانع ہوگی۔ اور بڑی بڑی آرزوئیں، تمہارے دماغ سے آخرت کی فکر کو زائل کر کے اسے بھلا دیں گی۔[۲]

جو بھی چاہے کہ نفسانی خواہشات سے محفوظ رہے اور شرک آلود اطاعت میں مبتلا نہ ہو اسے چاہیے کہ اپنی خواہشات کو حکم خدا کے مطابق انجام دے اور غیر شرعی خواہشات کو ترک کر کے شریعت مقدس پر عمل پیرا ہو یہی اولیاء اللہ کا طریقہ ہے۔

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ ....وَلٰكِنَّ الرَّجُلَ كُلَّ الرَّجُلِ نِعْمَ الرَّجُلُ الَّذِيْ جَعَلَ هَوَاهُ تَبَعًا لِأَمْرِ اللهِ.

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مرد، مکمل اور بہترین مرد، وہ انسان ہے جو اپنی نفسانی خواہشات اور آرزوں کو حکم خدا کے تابع قرار دے''۔[۳]

---

[۱] سورۂ فرقان آیت ۴۳
[۲] نہج البلاغہ خطبہ ۴۲
[۳] مجموعہ ورام جلد ۲ ص ۱۰۰

حبّ دنیا

بے جا خواہشات کے بارے میں دوسری تعبیر جو اسلامی روایات میں بیان ہوئی ہے، حب دنیا (دنیا کی محبت) ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ.

رسول خدا نے فرمایا: دنیا کی محبت تمام خطاؤں اور انحرافات کی جڑ ہے۔[1]

وَفِیْ کِتَابِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ :اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِهٖ فَارْفُضِ الدُّنْیَا فَاِنَّ حُبَّ الدُّنْیَا یُعْمِیْ وَیُصِمُّ وَیُبْکِمُ وَیُذِلُّ الرِّقَابَ

حضرت علی علیہ السلام نے جو خط اپنے اصحاب کو لکھا اس میں آپ نے فرمایا:

دنیا کو ترک کر دو کیونکہ دنیا کی محبت دل کے اندھے اور ضمیر کے گونگے اور بہرے ہونے کا باعث ہے اور انسان کو ذلت و خواری میں مبتلا کر دیتی ہے۔[2]

ہر انسان طبعی طور پر گھر، سامان، دوکان، سرمایہ، پانی، مٹی اور دوسری چیزوں سے محبت رکھتا ہے، جس دنیا کی محبت کو برا ب کہا گیا ہے اس سے یہ طبعی محبت مراد نہیں ہے یعنی انسان دنیاوی زندگی کی طرف اس قدر مائل ہو کہ خدا کو بھی فراموش کر دے، دین کو بھول جائے اور صرف دنیاوی امور کے حصول کے لیے، خدا کے حکم سے منہ پھیر کر گناہ اور غیر شرعی اعمال انجام دینے لگے۔

چیست دنیا ازخدا غافل شدن — نسی قماش و نقرہ و فرزند و زن
مال را کز بہر دین باشی حمول — نعم مال صالح گفت آن رسول
آب درکشتی هلاک کشتی است — آب دربیرون کشتی پستی است

ترجمہ:

"دنیا سے مراد کیا ہے خدا سے غافل ہونا، ساز و سامان، سونا، چاندی، اولاد اور بیوی مراد نہیں ہے اگر آپ کے پاس دین کے لیے مال ہو تو یہ اچھا مال ہے، یہ بات رسول گرامی ﷺ نے کہی ہے پانی کا کشتی کے اندر ہونا کشتی کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے پانی کا کشتی سے باہر ہونا، کشتی کے لیے ڈھال ہے۔"

---

[1] مجموعہ ورام جلد ۱ ص ۱۲۸

[2] سفینۃ البحار جلد اول ص ۴۶۵

دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے

غور طلب اور جالب بات یہ ہے کہ بعض لوگ جو دنیا کے اسیر ہوتے ہیں وہ اپنے محبوب کو ترک دنیا کی راہ میں ڈھونڈتے ہیں وہ محبوبیت یعنی لوگوں کی دلوں پر حاکمیت کو پسند کرتے ہیں اس مقصد تک رسائی کے لیے وہ دنیاوی لذتوں اور دیگر دنیاوی امور سے منہ پھیر کر خود کو زاہد اور پرہیز گار ظاہر کرتے ہیں، وہ اس ریاکاری کی وجہ سے جو کہ خود شرک کی ایک شاخ ہے، مال و دولت، گھر و زندگی، اچھی غذاؤں اور خوبصورت لباس سے پرہیز کرتے ہیں تا کہ وہ اس طرح سے اپنی اس دنیا تک پہنچ جائیں جسے وہ چاہتے ہیں یعنی دوسروں کی نظروں میں محبوب نظر آنا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اس گروہ کو دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والا کہا ہے آپ نے فرمایا:

فَاِنَّ فِی النَّاسِ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ وَیَتْرُكُ الدُّنْیَا وَیَرٰی اَنَّ لَذَّۃَ الرِّیَاسَۃِ الْبَاطِلَۃِ اَفْضَلُ مِنْ رِیَاسَۃِ الْاَمْوَالِ وَالنِّعَمِ الْمُبَاحَۃِ الْمُحَلَّلَۃِ وَیَتْرُكُ ذَالِكَ اَجْمَعَ طَلَبًا لِلرِّیَاسَۃِ.

”لوگوں میں ایک ایسا گروہ ملتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کو دنیا کے لیے ترک کرتے ہیں، ان کے نظر میں باطل سرداری حلال اور مباح نعمتوں سے بہتر ہے، اسی وجہ سے وہ اس سرداری تک پہنچنے کیلئے تمام اموال اور مباح نعمتوں سے دور رہتے ہیں۔“[1]

خلاصہ

خواہشات نفسانی کے پیروکار اور دنیا پرست لوگ اپنی غیر شرعی آرزوں اور تمناؤں کو پانے کے لئے متکبر، گنہگار اور طاقتور لوگوں کے ساتھ دوستانہ روابط برقرار رکھتے ہیں ان کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں اور ان احکامات کو جو کہ حکم خدا کے خلاف اور اطاعت میں شرک کا موجب ہیں بغیر ان پر اعتراض کے انجام دیتے ہیں تا کہ وہ ان کے حمایت سے اپنے اہداف تک رسائی حاصل کر سکیں۔

مذکورہ شرح کے مطابق، قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن اس طرح کی نقصان پہنچانے والی دوستی، دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے بہت سے مصائب اور پریشانیوں کا شکار ہونا پڑے گا اس دن اطاعت کرنے والا اور جس کی اطاعت کی گئی ہوگی دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور دونوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

---

[1] مجموعہ ورام جلد ۲ ص ۹۹

سچی دوستی

سچی اور بغیر لالچ والی دوستیاں اس کے برخلاف ہیں جو ایماندار اور متقی افراد میں اسلامی تعلیمات کے مطابق رضائے الٰہی کی خاطر ہوا کرتی ہیں یہ دوستی دنیا میں خیر وسعادت اور دینی بھائی چارے کا موجب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اسی طرح باقی اور پائیدار رہے گی یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کی پاک و پاکیزہ دوستی کو، ناپاک، شرک آلودہ اور گنہگاروں کی دوستی سے جدا کیا ہے اور ان کے بارے میں إِلَّا الْمُتَّقِينَ (سوئے متقین کے) فرمایا ہے۔[1]

ذرہ ذرہ کاندرین ارض و سماست
جنس خود را همچو کاه و کهرباست
ناریان مرناریان را جاذبند
نوریان مرنوریان را طالبند
طیّبات از بهره که؟ للطیبین
خوب خوبی راکند جذب از یقین
قسم باطل باطلان را می کشد
باقیان رامی کشد اهل رشد
زنگ را هم زنگیان باشند یار
روم را بارومیان افتاد کار

ترجمہ اشعار:

ذرہ ذرہ جو بھی اس زمین و آسمان میں ہے اپنی جنس کے لئے مقناطیس کی طرح ہے آگ کی مخلوقات آگ والوں کو جذب کرتی ہے اور نوری، نوری کو طلب کرتے ہیں، پاک خواتین کس کے لئے ہیں؟ پاک مردوں کے لئے۔ اچھا، اچھائی کو یقین سے جذب کرتا ہے، باطل باطل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس کے علاوہ ہدایت یافتہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں زنگ کے زنگی ہی دوست ہوتے ہیں رومیوں کو اہل روم کے ساتھ کام ہوتا ہے۔

متأسفانہ اس دور میں بعض اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے اپنی حکومت کی چندروزہ کرسی کو بچانے اور مظلوم اور

---

[1] سورۂ زخرف آیت ۶۷

محروم لوگوں پر حکومت کرنے کیلئے مغرب ومشرق کی حکومتوں سے ملکران کی بندگی اور غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال دیا ہے۔

اس طرح وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی ذلت اور خواری کا سبب بنے ہیں وہ اپنے غلط اور شرمناک اعمال کے ذریعے خدائے واحد کی عبادت کو ترک کر کے اطاعت میں شرک کے مرتکب ہوئے ہیں، ان لوگوں نے بدنام زمانہ متکبر حکومتوں کے ان احکامات پر عمل کیا ہے جو حکم خدا کے خلاف اور اسلام اور مسلمانوں کے نقصان میں ہیں، ہمیں ان حکمرانوں پر تعجب نہیں ہے جو اپنے ختم ہوجانے والے اقتدار کی حفاظت کے لئے طاقتور حکومتوں کا ساتھ دیتے ہیں اور اطاعت میں شرک [جو کہ ایک عظیم ظلم ہے] کو قبول کرتے ہیں بلکہ تعجب تو مسلمانوں کے عمل پر ہے وہ کس طرح اس ظلم کے سامنے خاموش، تماشائی بنے بیٹھے ہیں وہ ان غلط اعمال سے لا پرواہ ہوکران کی غلط کاریوں پر پردہ ڈالتے ہیں حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق عدل وانصاف کی مدح اور تعریف کرنا اور ظلم کی مذمت اور اسے برا کہنا وظیفہ شناس اور نیک مسلمانوں کے وظائف میں سے ہے۔

عَنْ مُغَيْرَةَ ابْنِ نَوْفَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ قَالَ: مَنْ لَمْ يَحْمَدْ عَدْلًا وَلَمْ يَذُمَّ جَوْرًا فَقَدْ بَارَزَ اللهُ تَعَالَى بِالْمُحَارَبَةِ.

مغیرہ بن نوفل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''جو بھی عدل کی تعریف اور ظلم وستم کی مذمت نہ کرے بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کے لئے کھڑا ہوا ہے۔''[۱]

****

[۱] اسد الغابہ جلد ۴ مغیرہ بن نوفل

دوسری فصل

اسلام کا تربیتی پروگرام

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے گا جس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کا حساب پروردگار کے پاس ہے اور کافروں کے لئے نجات بہر حال نہیں ہے۔[1]

ماضی میں انسانوں کے مربیوں نے مختلف مکاتب اور نظریات کے مطابق انسانوں کی تربیت کے طریقے بیان کئے ہیں انہوں نے اپنے مختلف پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو پسندیدہ صفات اور اوصاف حمیدہ سے مزین کیا اور جہاں تک ان سے ہو سکا انہوں نے لوگوں کے ضمیر کو غلط افکار اور ناپسندیدہ اخلاق سے پاک کیا لیکن پوری دنیا کے تربیتی پروگراموں میں سے کسی نے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے انسان ساز پروگراموں کی طرح انسان کی تربیت میں اثر نہ کیا کیونکہ وہ لوگوں کو دنیا کے خالق و پروردگار کی جانب دعوت دیتے تھے اور انہوں نے اپنے پروگرام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کے حضور احساس مسئولیت پر رکھی اس طرح وہ ایک طرف کمال مطلق کے عشق کو اس کے پیروکاروں کے دلوں میں پیدا کرتے تھے اور انہیں اخلاق اور ملکوت اعلیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے تو دوسری طرف ان کے دلوں میں عذاب خدا کا خوف ڈال کر مومنوں کو گناہوں سے دور رکھتے تھے خدا پر ایمان رکھنا انسان کی فطرت کی آواز ہے اور انبیاء کرام اپنی رسالت کے ایام میں لوگوں کو فطرت کی صدا پر لبیک کہنے کی دعوت دیا کرتے تا کہ ان کی زیادہ توجہ اپنے پروردگار کی جانب ہو جائے دنیا میں کوئی بھی طاقت انسانوں کو ہمہ جانبہ سعادت حاصل کرنے کے لئے خدا پر ایمان اور شرک سے دوری سے زیادہ مؤثر نہیں ہے اسی طرح کوئی بھی عامل انسان کو بے ایمانی اور خدا کے ساتھ شرک جتنا پستی اور ضلالت کی جانب نہیں لے جاتا۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ایک خدا کی عبادت، اور خدا پر ایمان لانے کے بارے ارشاد ہوا

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

''اب جو شخص بھی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے وہ اس کی مضبوط رسی سے متمسک ہو گیا جس کے

---

[1] سورہ مومنون آیت ۱۱۷

ٹوٹنے کا امکان نہیں ہے اور خدا سمیع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔'' [۱]

شرک سے پیدا ہونے والی بدبختی کے بارے میں فرمایا:

وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ.

''جو کسی کو اس کا شریک بناتا ہے وہ گویا آسمان سے گر پڑتا ہے اور اسے پرندہ اُچک لیتا ہے یا ہوا کسی دور دراز جگہ پرلے جاکر پھینک دیتی ہے۔'' [۲]

عالم آخرت میں بھی قرآن مجید کی آیات اور روایات معصومین علیہم السلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان سے زیادہ کوئی بھی چیز انسان کی نجات اور سعادت مندی کے کیے موثر نہیں ہوگی اور اس کے علاوہ کوئی بھی چیز انسان کی نجات کا باعث نہیں بن سکتی، نہ ہی کوئی اور چیز اسے بہشت تک لے جاسکتی ہے

اسی طرح قیامت والے دن انسان کو بدبخت بنانے والی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے انکار اور شرک سے زیادہ اسے بدبخت اور شقی نہیں بناسکتی اور یہی اسے واصل جہنم کرنے کے لئے کافی ہے

تمام ادوار میں انبیاء کرام علیہم السلام کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ عقلی دلائل کے ذریعے شرک کے ساتھ لڑتے تھے، بت اور بت پرستی خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہو اس کی مخالفت کرتے اور جو خود اللہ ہونے کے دعویدار ہوتے انہیں نیست ونابود کردیا کرتے تھے ہمیشہ ان کی کوشش ہوتی کہ لوگوں کو باایمان بنائیں اور انہیں غیر خدا کی عبادت سے روکیں۔

لیکن ہر دور میں اکثر لوگ انبیاء کرام کے حیات بخش پیغام کی مخالفت کرتے اور ان میں سے جو زیادہ طاقتور ہوتا اس کی حمایت کیا کرتے تھے، بتوں اور بت خانوں کی حفاظت کے لئے کوششیں کرتے اور باطل رسومات پر عمل کرتے نظر آتے تھے یہ لوگ اپنی طرف سے بغیر دلیل ومنطق کے باتیں بناتے اور فضول اعمال انجام دے کر خود کو بتوں کی عبادت میں مصروف رکھتے تھے، وہ ان مشرکانہ اعمال کے ذریعے اپنی سعادت اور نیک بختی کے تمام دروازوں کو بند کرلیا کرتے اور اپنے لئے قیامت کے عذاب کی زمینہ سازی کرتے تھے

وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے گا جس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کا حساب پروردگار کے پاس ہے اور کافروں کے لئے نجات بہر حال نہیں ہے۔'' [۳]

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۵۶

[۲] سورہ حج آیت ۳۱

[۳] سورہ مومنون، آیت ۱۱۵

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں مشرکوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس دور کے جاہل لوگوں نے اپنے بتوں کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کی، آنحضرتؐ کے ساتھ مختلف صورتوں میں جنگیں لڑیں، اور ہر جگہ آنحضرتؐ کی انقلابی فکر پر غم اور غصہ کرتے نظر آتے تھے وہ اپنے اعتراض کو چند جملوں میں ہر جگہ بیان کیا کرتے تھے:

سَفَّهَ اَحلَامَنَا وَ سَبَّ آلِهَتَنَا وَ اَفسَدَ شُبَّانَنَا وَ فَرَّقَ جَمَاعَتَنَا.

محمد نے ہمیں بے عقل اور نادان کہا ہے، ہمارے بتوں کے بارے میں غلط الفاظ کہے ہیں ہمارے جوانوں کی فکر کو خراب کر دیا ہے اور ہماری جماعت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔

لیکن محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جاہلانہ باتوں اور فضول کاموں پر کوئی توجہ نہ دی، آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس لئے آپ نے صبر و اطمینان سے اپنی فعالیت کو جاری رکھا اور کامیاب ہونے تک استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے کامیاب ہونے کے بعد آپؐ نے ان تمام بتوں کو توڑ دیا جنہیں مشرکوں نے کعبہ میں نصب کیا تھا۔ اس طرح آپ نے بت پرستی کی غلط رسم کو ختم کر کے اس علاقہ کے لوگوں کو مشرکانہ طریقے اور عقل کے خلاف اعمال سے آزادی عطا کی۔

کلمۂ توحید کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت کے شروع میں لوگوں سے فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفلِحُوا.

''اے لوگو! کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کہو تا کہ فلاح حاصل کر سکو۔''[1]

''الٰہ'' کے معنی ''معبود'' کے ہیں اور ''اللہ'' باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اس شرح کے مطابق جس کی وضاحت گذشتہ فصل میں بیان ہوئی ہے قرآن مجید میں عبودیت کی دو معانی بیان ہوئی ہیں ایک معنی عبادت اور دوسری معنی اطاعت ہے۔ اس لحاظ سے کلمہ توحید یعنی ''لا الہ الا اللہ'' کا معنی یہ ہوگا کہ پورے جہاں میں خدا کے علاوہ کوئی اور برحق معبود نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی انسان اور کوئی بھی چیز نہ عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی بغیر قید و شرط کے اس کی اطاعت کی جا سکتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ یہ سعادت بخش کلمہ، بہترین اور عالی ترین کلمہ ہے جو روحانی رہنماؤں اور انبیاء کرام کی زبان سے جاری ہوا۔

عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ. مَا قُلتُ وَلَا قَالَ القَائِلُونَ قَبلِی مِثلَ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد اول ۵۶

''نہ میں نے اور نہ ہی مجھ سے پہلے کسی نبی نے کلمہ توحید کی قدر و منزلت کے برابر کوئی بات کی ہے۔''[1]
یہ بات بھی واضح ہے کہ کلمہ توحید کی قدر و منزلت اس کی مخصوص ترکیب کے ساتھ صرف ادائیگی کی وجہ نہیں ہے بلکہ اس کلمہ میں جو حقیقت پوشیدہ ہے اس حقیقت کی وجہ سے اس کلمہ کی اہمیت ہے جو بھی حقیقت کی بنا پر توحید کی گواہی دیتا ہے اور جس پر یہ کلمہ دلالت کر رہا ہے اس پر ایمان رکھے درحقیقت وہ اس شہادت کے ذریعے سے اعلان کرتا ہے کہ وہ فقط ایک خدا کی عبادت کرے گا اور انسان کے بنائے ہوئے کسی بھی معبود کے سامنے وہ اپنا سر نہیں جھکائیگا اس طرح وہ یہ عہد بھی کرتا ہے کہ صرف خدا کے حکم کو بغیر کسی شرط کے قبول کریگا۔ اور ہر اس فرمان کی اطاعت سے دور رہے گا جو خدا کے حکم کے خلاف ہو۔ درحقیقت اس طرح کا وظیفہ شناس انسان خدا کے عظیم انعام کا حقدار ہے۔

عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ الثُّمَالِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ: مَامِنْ شَیْءٍ اَعْظَمُ ثَوَابًا مِنْ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لِاَنَّ تَعَالٰی لَا یَعْدِلُهُ شَیْءٌ.

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے سنا آپؑ نے فرمایا:
''کسی بھی نیک عمل کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دینے سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی برابری نہیں کر سکتی''۔

سوال اور اس کا جواب

ممکن ہے کہ کوئی پوچھے کہ ''لا الہ الا اللہ'' اور انسان کی نجات کے درمیان کس طرح رابطہ پایا جاتا ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور کلمۂ توحید کہنے والے کیوں نجات اور کامیابی حاصل کریں گے؟
اس سوال کے جواب میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسان کی کامیابی دو چیزوں پر منحصر ہے۔
ایک صحیح سوچنا اور دوسرا صحیح عمل انجام دینا وہ انسان صحیح سوچ سکتا ہے جس کا عقل آزاد ہو اور وہ انسان صحیح عمل انجام دے سکتا ہے جو دوسروں کا غلام اور اندھے اور بہرے کی طرح بغیر کچھ کہے اطاعت کرنے والا نہ ہو اور یہ دونوں چیزیں حقیقی مؤحدوں کو صرف کلمۂ توحید کے ذریعے مل سکتی ہیں اس طرح وہ نجات حاصل کر سکیں گے۔

مطلب کی مزید وضاحت

کلمۂ توحید پڑھنے والا جو عقل کی ہدایت سے پورے جہاں کے خالق پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے آپ پر لازم قرار

---

[1] ثواب الاعمال ۱۷

دیتا ہے کہ وہ عبادت میں موحد ہوگا یعنی اپنی فطری رغبت اور خضوع وخشوع کو صرف عظیم اور قدرتمند پروردگار کے سامنے ظاہر کرے گا صرف اسی ایک کی عبادت کرے گا اور اسی کے سامنے سر تعظیم خم کرے گا یہ بھی عقلی تقاضے اور عقل کی اسی جانب رغبت کی وجہ سے ہے۔لیکن مشرک لوگ عقل ومنطق کے برخلاف اپنے خاندانی آداب ورسومات کی وجہ سے سورج اور چاند، پہاڑوں اور دریاؤں، معدنیات اور پتھر سے بنائے گئے بتوں، لکڑیوں اور درختوں، گائے اور سانپ، اور اسی طرح کی دیگر مخلوقات کے سامنے سربسجود ہو کر ان کی عبادت کرتے ہیں حتی کہ یہ لوگ بعض اوقات اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے گئے معبودوں کے سامنے اپنی اولاد کو قربان کر دیتے ہیں وہ لوگ جو اپنی عقل سے کام نہیں لیتے اور اپنی عقلی طاقت کو پس پشت کر دیا ہے ایسے افراد کے پاس فکری آزادی نہیں ہوتی اور وہ صحیح طرح سے سوچ بھی نہیں سکتے تا کہ اپنے لئے صحیح اور سعادت مند راستے کا انتخاب کرسکیں

توحید کا کلمہ پڑھنے والوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق چاہیے کہ اطاعت میں مؤحد ہوں یعنی صرف حکیم و دانا خدا کے اوامر کو بغیر اعتراض کے قبول کریں اور فقط اس کے احکامات کو بغیر، شرط کے عملی جامہ پہنائیں خدا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے وہ حکم کسی متکبر انسان نے دیا ہو یا خود اس کی خواہشات نفسانی کا حکم ہو ہر حالت میں موحد انسان، ان اعمال کو انجام نہیں دیتا جو خدا کے خلاف ہوں اور نہ ہی ان اوامر کو عملی جامہ پہنا تا ہے۔

اس کے برعکس وہ لوگ جو اطاعت میں موحد نہیں ہیں وہ ہمیشہ فضول اور راہ سعادت کے خلاف دستورات کو انجام دیتے نظر آتے ہیں یہ لوگ بعض اوقات متکبر اور گنہگار حکمرانوں کے حکم کو حقیقت کا جامہ پہناتے ہیں اور کبھی اپنی خواہشات نفسانی سے حکم لیتے ہیں دونوں صورتوں میں وہ سعادتمند اور صحیح العمل لوگ نہیں بن سکتے اور نہ ہی وہ اپنے کاموں کو سعادت اور خوش بختی کے اصولوں پر منطبق کرسکتے ہیں

نفاق

کلمہ توحید اگر حقیقت کے رو سے ادا ہو تو نیکی اور خوش بختی کا باعث بنتا ہے کیونکہ یہ کلمہ انسان کو فکری انحراف سے دور رکھتا ہے اطاعت کے مقام پر عملی انحراف میں مانع ہوتا ہے اس کے برعکس اگر یہ کلمہ حقیقت کی بنا پر نہ کہا جائے تو انسان کی سعادت اور خوشبختی میں تھوڑا اثر بھی نہیں رکھتا نہ عبادت میں کلمہ گو کو فکری انحراف سے بچا سکتا ہے اور نہ ہی مقام عمل میں گناہ اور ناپاکی کو روک سکتا ہے منافق لوگ جو سچے دل سے کلمہ توحید نہیں پڑھتے بلکہ دوکھے اور فریب کی بنا پر سے ''لا الہ الا اللہ'' کو زبان پر جاری کرتے ہیں انہیں نہ صرف یہ مقدس کلمہ فائدہ نہیں پہنچائے گا بلکہ اس کا پڑھنے والا فریب اور جھوٹ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا اور قیامت میں خدا کے حضور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا اوائل اسلام میں مسلمانوں کے

درمیان بہت سے منافق تھے جو عمومی مجمع میں آتے مسلمانوں کے ساتھ آمدورفت رکھتے اوران کی صفوں میں شامل ہوتے تھےلیکن ان کا ہدف ہمیشہ خیانت ہوتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ موقع ملتے ہی اسلام کونقصان پہنچائیں مسلمانوں کے درمیان اختلافات پھیلا کراس نئے آئین پر کاری ضرب لگائیں قرآن مجید میں بہت سے مقامات پرمنافقین کے ناپاک عزائم کا ذکر موجود ہےبعض مقامات پرمنافقین کے گفتاروکردار سے پیدا ہونے والے نقصانات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ہُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہے کہ ہم خدااور آخرت پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ صاحب ایمان نہیں ہیں یہ خدااورصاحبان ایمان کودھوکہ دینا چاہتے ہیں، حالانکہ اپنے ہی کودھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں ہیں۔[۱]

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ.

جب یہ صاحبان ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیاطین کی خلوتوں میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہاری ہی پارٹی میں ہیں ہم توصرف صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہے۔[۲]

امام رضا علیہ السلام نے اپنے ایک خط کے ضمن میں جو آپ نے محمد ابن فضیل کے جواب میں لکھا تھا؛ فرمایا:

لَیۡسُو مِنَ الۡکَافِرِیۡنَ وَ لَیۡسُو مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لَیۡسُو مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ یُظۡهِرُوۡنَ الۡاِیۡمَانَ وَ یُصِیۡرُوۡنَ اِلَی الۡکُفۡرِ وَالتَّکۡذِیۡبِ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ.

''منافق'' کفار میں سے نہیں ہیں کیونکہ وہ ظاہری طور پر شہادتیں پڑھتے ہیں مومنوں اور مسلمانوں میں سے بھی نہیں ہیں کیونکہ وہ توحید،نبوت اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے یہ لوگ ظاہری طور پر ایمان کے بارے میں باتیں کرتے ہیں لیکن عملاً کفراور جھوٹ کے راستے پر چلتے ہیں،ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔[۳]

اللہ تعالیٰ عالم آخرت میں اس گروہ پر عذاب کے بارے میں فرماتا ہے:

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ نَصِیۡرًا.

---

[۱] سورہ بقرہ آیات ۸،۹

[۲] سورہ بقرہ آیت ۱۴

[۳] کافی جلد ۲ صفحہ ۳۹۵

بیشک منافقین جہنّم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور آپ ان کے لئے کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔[۱]

صالح اعمال کا نتیجہ

دنیا انسانوں کے لئے عمل کی جگہ ہے اور آخرت اعمال کے انعام کا مقام ہے۔انسان کی آخرت اس کے دنیاوی اعمال کا نام ہے۔ جو لوگ اس دنیا میں پاک اور توحیدی فکر کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں خدا کے حکم پر چلتے اور اچھی طرح سے سوچ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ایسے لوگ قیامت میں پاک اور نیک لوگوں کی ساتھ محشور ہونگے، اور نیک لوگوں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور جو لوگ اس دنیا میں خراب اور مشرکانہ فکر کے حامل ہیں اپنے وظائف سے کنارہ کشی اختیار کر کے گناہوں کی زندگی بسر کرتے ہیں ایسے لوگ عالم آخرت میں ناپاک اور مجرم لوگوں کے ساتھ محشور ہو کر انہیں کی صف میں ہوں گے۔

قَالَ اَبُو جَعْفَرٍ علیہ السلام اَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا اَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ وَ اَهْلُ الْمُنْكَرِ فِي الدُّنْيَا اَهْلُ الْمُنْكَرِ فِي الْآخِرَةِ.

راغب کہتا ہے:

اَلْمَعْرُوفُ اِسْمٌ لِكُلِّ فِعْلٍ يُعْرَفُ بِالْعَقْلِ وَ الشَّرْعِ حَسَنَهُ وَالْمَنْكَرُ مَا يُنْكِرُ بِهِمَا مُفْرَدَاتٌ(عرف)

''لغت میں معروف۔ ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی اچھائی عقل اور شرع کی تائید کے مطابق ہو اور منکر اس عمل کا نام ہے جسے عقل اور شریعت برا کہے۔''

حدیث کا ترجمہ

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں جو لوگ دنیا میں اہل معروف ہیں اور ان کے اعمال عقل وشرع کے مطابق ہیں وہ قیامت میں بھی اہل معروف ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں اہل منکر ہیں اور وہ عقل وشرع کے برخلاف اعمال انجام دیتے ہیں، وہ قیامت میں بھی اہل منکر ہوں گے۔[۲]

ہر انسان کو قیامت میں وہی ملے گا جو اس نے دنیا میں انجام دیا ہوگا، جن لوگوں نے حقیقی طور پر ''لا الہ الا اللہ'' کا کلمہ پڑھا ہوگا اور ایک پروردگار پر ایمان رکھتے ہوں گے وہ جس طرح دنیا میں نجات یافتہ تھے اسی طرح آخرت میں بھی خوشبخت

---

[۱] النساء۔آیت ۱۴۵

[۲] امالی صدوق ۱۵۳

اورسعید ہوں گے اور نیک لوگوں کے ساتھ محشور ہوں گے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے اس کے برعکس بے ایمان اور مشرک لوگ ہیں جو دنیا میں انسانی سعادت اور معنویات سے محروم تھے آخرت میں انہیں خوش بختی اور سعادت نصیب نہیں ہوگی وہ بے ایمان اور مشرک لوگوں کے ساتھ محشور ہوکر واصل جہنم ہوں گے اور بہشت برین سے محروم رہیں گے۔

یہ دونوں اقسام قران مجید اور سنت میں بیان ہوئی ہیں ہم اس موضوع پر بعض آیات اور روایات کو بیان کر رہے ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

”پیغمبر آپ ایمان اور عمل صالح والوں کو بشارت دے دیں کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔“[1]

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَوْلُ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَمَنُ الْجَنَّةِ.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کلمہ توحید کہنا بہشت کی قیمت ہے۔[2]

یعنی دنیا میں جس نے بھی کلمہ توحید کو حقیقت اور واقعیت کی بنا پر خلوص کے ساتھ کہا اور اس کے مدلول پر حقیقی طور پر ایمان رکھا وہ اطاعت اور عبادت میں مؤحد ہوگا ایسے شخص نے حقیقت میں اپنی دنیاوی زندگی میں جنت کی قیمت ادا کر دی اور قیامت میں اسے بہشت برین اور اس کی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔

عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا لَا یُعَذِّبُ اللّٰهُ بِالنَّارِ مُوَحِّدًا اَبَدًا وَ اِنَّ اَهْلَ التَّوْحِیْدِ لَیَشْفَعُوْنَ فَیُشَفَّعُوْنَ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس نے مجھے بشارت کے لئے برحق مبعوث فرمایا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ موحد کو آگ سے عذاب نہیں دیگا اور پھر فرمایا محشر میں اہل توحید گناہگاروں کی شفاعت کریں گے اور خدا کے حضور ان کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔“[3]

---

[1] سورہ بقرہ ۲۵
[2] ثواب الاعمال ۱۷
[3] علم الیقین ۹۵۳

قیامت کے دن انسانوں کی سعادت اور نیک بختی کی بنیاد دنیا کے خالق کے ایمان پر رکھی گئے ہے اولیاء اسلام کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان اور حقیقی معنوں میں توحید کا دوزخ کے عذاب کے ساتھ ملنا ناممکن ہے یہ مطلب بہت سی عامہ اور خاصہ کی روایات میں ملتا ہے حضرت علی علیہ السلام نے اس حقیقت کو اپنی دعاؤں اور مناجات میں اس طرح بیان فرمایا

وَلَيْتَ شِعْرِیْ يَا سَيِّدِیْ وَاِلٰهِیْ وَ مَوْلَایَ اَتُسَلِّطُ النَّارَ عَلٰی وُجُوْهٍ خَرَّتْ لِعَظَمَتِكَ سَاجِدَةً وَ عَلٰی اَلْسُنٍ نَطَقَتْ بِتَوْحِيْدِكَ صَادِقَةً وَ بِشُكْرِكَ مَادِحَةً وَعَلٰی قُلُوْبٍ اِعْتَرَفَتْ بِاِلٰهِيَّتِكَ مُحَقِّقَةً مَا هٰكَذَا الظَّنُّ بِكَ وَلَا اُخْبِرْنَا بِفَضْلِكَ عَنْكَ يَا كَرِيْمُ

اے میرے آقا، میرے معبود، میرے پروردگار! کیا ان چہروں پر عذاب مسلط فرماؤ گے جو تیری عظمت اور بزرگی کے لئے تیرے سامنے سجدہ ریز ہوئے ؟ کیا اس زبان پر عذاب نازل فرماؤ گے جو حق وصداقت کے ساتھ تیری توحید کے بارے میں باتیں کرتی رہی اور شکر کی ادائیگی کے لئے تیری مدح وثنا کرتی رہی، اور وہ دلیں جو آگاہانہ تیری الٰہیت کا اعتراف کرتی رہیں کیا ان پر عذاب مسلط کر کے ان پر دوزخ کی آگ کو مسلط کرو گے؟

خداوندا! یہ گمان جو کہ عفو ودرگذر کے منافی ہے ہم تیری ذات بابرکات کے بارے میں نہیں رکھتے اور ہم سے تیرے فضل وکرم کی وجہ سے ایسی باتیں نہیں کہی گئ ہیں اے کریم پروردگار!۔[۱]

خدا اور توحید پر ایمان اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جلب کر کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنتا ہے اسی طرح بے ایمانی اور خدا کے ساتھ شرک اللہ تعالی کے عفو ومغفرت سے دوری اور ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلنے کا باعث بنتا ہے مشرک لوگ کبھی بھی بہشت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ شرک کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے یہ بات تمام انبیاء کرام نے اپنے نبوت کے ایام میں بیان کی اور اپنی قوم کو اس نہ بخشے جانے والے گناہ کے بارے میں بتایا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بات بھی واضح طور پر بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے انہیں کے کلام کو قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے:

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ.[۲]

”مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل اپنے اور میرے پروردگار کی عبادت کرو۔ جو کوئی اس کا شریک قرار دے گا اس

---

[۱] دعا کمیل

[۲] سورہ مائدہ آیت ۷۲

پر خدا نے جنّت حرام کردی ہے اور اس کا انجام جہنّم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔‘‘

یہاں پر قارئین کرام کی معلومات کے لئے ایک نقطہ کو بیان کیا جارہا ہے اور وہ یہ کہ اگر انسان کلمہ توحید کے ذریعے سے نجات چاہتا ہے تو اسے ان شرائط پر عمل کرنا ہوگا جو معصومین علیہم السلام کی روایات میں بیان ہوئی ہیں اگر کوئی باایمان اس کلمہ کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کلمہ کے ذریعے فلاح یافتہ ہوسکے تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ ان شرائط پر توجہ رکھے ان پر عمل کرے اور اس کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے ان شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کلمہ توحید اس پر اثر کرے یعنی اسے صحیح عمل کی طرف مائل کرے اور اسے غلط اور غیر شرعی کاموں سے دور رکھے۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِخْلَاصُهٗ بِهَا اَنْ تَحْجُزَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، عَمَّا حَرَّمَ اللهُ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو بھی خلوص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھے، وہ بہشت میں جائیگا اور اس کے خلوص کی نشانی یہ ہے کہ اسے ’’لا الہ الا اللہ‘‘ گناہوں اور محرمات سے دور رکھے۔[1]

اللہ تعالیٰ کو صرف نظریہ کی حد تک ماننا

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو صرف نظریہ کی حد تک دانا اور حکیم پروردگار کے عنوان سے جانا اور مادہ پرست لوگوں کے نظریہ کو باطل اور غیر قابل قبول سمجھا ایسے لوگ قیامت میں یکتا پرست اور انبیاء کے مکتب کے پیروکاروں کے ساتھ محشور نہیں ہوں گے؛ اور ان لوگوں میں یہ شامل نہیں ہوں گے جن کے پاس کلمہ توحید کے ساتھ ساتھ دوسری شرائط بھی ہوں؛ کیونکہ اللہ والوں کے نظریہ کو قبول کرنا اور مادہ پرست افراد کے نظریہ کو باطل سمجھنا، اسے وظیفہ شناس نہیں بناتا، یہ چیز انسان کے ضمیر میں مسئولیت کے احساس کو بیدار نہیں کرتی یہ چیز اسے عبادت اور اطاعت میں موحد نہیں بناتی، اور کمال اور خودسازی کا باعث نہیں بنتی۔

دور جاہلیت کے بت پرست مادی مکتب کی پیروی نہیں کرتے تھے اور وہ دنیا کو اتفاقاً پیدا ہونے والا عالم نہیں سمجھتے تھے بلکہ حکیم و دانا خدا پر عقیدہ رکھتے تھے اور اسے پوری دنیا کا خالق سمجھتے تھے لیکن وہ موحد نہیں تھے بلکہ عبادت اور اطاعت میں مشرکوں کی طرف مائل تھے، وہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے دور کے طاغوت اور متکبر حکمرانوں کے اس حکم کی اطاعت کرتے تھے جو حکم، خدا کے حکم کے خلاف ہوتے، قیامت کے دن ان لوگوں کو عبادت اور

---

[1] ثواب الاعمال ۲۰

اطاعت میں شرک کی وجہ سے سخت سزا دی جائیگی اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے۔

دین کی اشاعت میں انبیاء کرام کی مسئولیت

تبلیغ دین اور تعلیمات دین کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں انبیاء کرام کی مسئولیت صرف یہ نہ تھی کہ وہ انسانوں کو پوری دنیا کے خالق کی طرف متوجہ کریں، خدا کی تلاش کو ان کے اندر بیدار کریں، انہیں فطری معرفت کی طرف متوجہ کریں جوان کے اندر پائی جاتی ہے اور جب انہوں نے خالق پر یقین کیا اور جہاں کے خالق پر ایمان لائے تو ان کی ماموریت اور مسئولیت ختم ہوگئی ہرگز ایسا نہیں ہے۔اس طرح بھی نہیں ہے کہ انبیاء کرام انہیں عمل کی دعوت نہ دیں اوران کے گفتار و کردار کو صحیح راستے پر گامزن کرنے کے بغیر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں، یقیناً اس طرح کا ایمان جس کا نتیجہ صرف خالق کو قبول کرنا ہو اور انسان کے اندر کسی طرح کی مسئولیت کا احساس ظاہر نہ کرے ایسے ایمان کا معاشرے کی اصلاح میں اثر نہیں ہوگا ایسا ایمان، کسی کو انسان نہیں بنا سکتا اور نہ ہی یہ نفسانی خواہشات کو روک کر گناہوں کے لئے سد باب بن سکتا ہے بلکہ انبیاء کرام کا وظیفہ تھا کہ وہ ایک مہربان باپ اور متوجہ و آگاہ استاد کی طرح، قدم بہ قدم لوگوں کے پیچھے جائیں ان کے اعمال کی حفاظت کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ حکیم پروردگار نے انہیں بیکار اور فضول خلق نہیں فرمایا، اسے عقل اور آزادی کی نعمت بیہودہ نہیں دی ہے اور حکیمانہ ہدف کے بغیر ارضی و سماوی اشیاء کو اس کے سپرد نہیں کیا ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل سے جو اس کے اندر اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے استفادہ کرے، اسے چاہئے کہ دنیا اور حکیمانہ آیات پر غور و فکر کرے تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ خدا کی معرفت حاصل ہو اور وہ اچھی طرح سے خدا کو پہچان سکے اس طرح وہ اللہ تعالی پر اپنے ایمان کو قوی اور مضبوط کرے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر کا مطالعہ کر کے اپنے وجود کے تمام ابعاد پر غور کرے اپنے حیوانی اور انسانی ابعاد کو ایک دوسرے سے جدا کرے اس طرح وہ اپنی حقیقت کو پہچان پائے گا اور وہ اپنی ان صلاحیتوں سے باخبر ہوگا جو اللہ تعالی نے اس کے اندر رکھی ہیں اسے چاہئے کہ وہ ان صلاحیتوں کو فعال بنائے تا کہ کمال کے راستے پر گامزن ہو کر اپنے آپ کو حقیقی انسان بنا کر پے در پے کمال کے مدارج طے کر سکے۔

انبیاء کرام پر یہ ماموریت تھی کہ وہ انسان کو سعادت اور نیک بختی کا راستہ دکھائیں انہیں انسانیت کی راہ پر گامزن کریں اور ان کے تکامل اور رشد کے تمام اسباب کو ہر جہت سے بیان کریں اس ماموریت کو انجام دینے کے لئے سب سے پہلے خرافات اور باطل عقائد کو ان کے ذہن سے مٹا دیں جو کہ ان کے تکامل تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں، اس طرح اشخاص اور اشیاء کی عبودیت کے قید و بند کو مٹا دیں جو مختلف زمانوں میں جہل و نادانی کی وجہ سے اس کے شامل حال ہوئے ہوں۔ ان کے اندر انسانی عزت نفس اور شرف کو بیدار کریں اور انہیں استقلال اور شخصیت کی نعمت سے آگاہ کریں انسان کو یہ تمام کام

صرف اور صرف ایک اللہ کی بندگی اور عبادت اور اطاعت میں توحید کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں اس طرح انبیاء کرام اپنی انقلابی دعوت کا آغاز کلمہ توحید سے کیا کرتے تھے۔

انبیاء کرام اس پر بھی مامور تھے کہ وہ لوگوں کو عالم آخرت اور وہاں ہمیشہ کی زندگی کے بارے میں بتائیں، قیامت پر ایمان کے ذریعے اللہ کے حضور مسئولیت کی حس کو ان کے اندر بیدار کریں انبیاء اس بات پر بھی مامور تھے کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انسان بقا کے لئے خلق ہوا ہے فنا کے لئے خلق نہیں ہوا۔ اس دنیا کی وقتی زندگی موت سے ختم ہوجائے گی اور قیامت کے آنے سے ابدی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ اولین و آخرین تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر کے ان کو اپنے پاس حاضر کرے گا اور پھر ان سے حساب لے گا۔ جس کے ذریعے نیک لوگوں کو انعام دیا جائے گا اور بدکردار لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اللہ کی نظر میں انسان کی قدر و قیمت

مکتب انبیاء میں انسان کی قدر و قیمت اور فضیلت پروردگار کے ساتھ اس کے معنوی روابط پر منحصر ہے۔ اگر کوئی پروردگار کے حضور اپنی قدر و منزلت دیکھنا چاہے تو اپنے اندر جھانکے اور دیکھے کہ خدا کے احکامات کی اس کی نظر میں کیا اہمیت ہے اور وہ ان پر کتنا عمل کرتا ہے۔ خدا کے احکام جس قدر اس کے نزدیک محترم ہوں گے اسی مقدار میں وہ بھی پروردگار کے حضور محترم ہوگا۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَعْلَمَ مَالَهُ عِنْدَ اللهِ فَلْيَعْلَمْ مَا اللهِ عِنْدَهُ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا مقام و منزلت دیکھنا چاہیے وہ اپنی روح کی طرف رجوع کرے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت اس کے نزدیک کتنی ہے، وہ کتنا اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرتا ہے اور عملی طور پر کس قدر اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو محترم سمجھتا ہے۔'' [1]

عشق رسولؐ

بعض لوگ خدا کے بارے میں بہت سی باتیں کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حریم الٰہی کو اتنا محترم سمجھتے ہیں جتنا محترم ہونا چاہیے، ان کے خیال میں حریم الٰہی کی قدرت و منزلت کی بہت رعایت کرتے ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ مدعی گروہ بعض

---

[1] مشکوۃ الانوار ۱۱

اوقات ذات باری تعالیٰ کے سلسلے میں جسارت کر کے ربوبیت کے عظیم مقام کا احترام نہیں کرتے حتیٰ کہ بعض مقامات پر ناچیز شی کے لئے خدا کے مقدس نام کی جھوٹی قسم کھاتے نظر آتے ہیں اس کے برعکس بعض مخلص اور سادہ دل لوگ ہیں جو واقعاً اسلام کے پیروکار اور حقیقت میں خدا سے محبت کرنے والے ہیں یہ لوگ نہ صرف اپنے مسلمان ہونے کے بڑے دعویدار نہیں ہوتے بلکہ اپنے ضمیر میں بہت خضوع وخشوع رکھتے ہیں اور اپنے اعمال اور عبادات کے کم ہونے پر شرمندگی کا احساس کرتے ہیں۔ایسے گروہ کا سرمایہ ان کے ضمیر کی صفائی اور پاکیزگی ہے اسی عظیم سرمایہ کی وجہ سے ان لوگوں پر خدا اور رسول کی عنایات ہوتی رہتی ہیں اور قیامت میں یہ لوگ آسانی سے قیامت کے مواقف کو طے کر کے رحمت خداوندی میں شامل ہو کر ابدی سعادت تک پہنچ جاتے ہیں

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ وَ كَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَاتِيَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ يَسْئَلُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ؟ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ؟

قَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ.

قَالَ اَعْدَدْتَ لَهَا؟

قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ عَمَلِ صَلٰوةٍ وَلَا صَوْمٍ۔ اِلَّا اَنِّىْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بَعْدَ الْاِسْلَامِ بِشَيْءٍ اَشَدَّ مِنْ فَرَحِهِمْ بِهٰذَا.

انس کہتے ہیں ایک دن ایک صحرانشین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، ہمارے لئے ایسے افراد کا آنا بہت ہی تعجب خیز اور جالب تھا، وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگا قیامت کب واقع ہوگی؟

جب وہ سوال کر رہا تھا تو نماز کا وقت ہوگیا۔آنحضرتؐ نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا: وہ کہاں ہے جس نے قیامت کے بارے میں پوچھا تھا؟

وہ شخص آگے آیا اور کہنے لگا: میں ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے قیامت کے لئے کونسا ذخیرہ جمع کیا ہے؟

وہ عرض کرنے لگا: خدا کی قسم میں نے نماز اور روزہ وغیرہ سے زیادہ اعمال جمع نہیں کئے ہیں سوائے اس کے کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت میں انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے''۔

انس کا بیان ہے؛ میں نے نہیں دیکھا مسلمان اسلام کے بعد کسی چیز پر اس دن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے زیادہ خوش ہوئے ہوں۔[1]

کلمۂ توحید کا عملی اثر

''لا الہ الا اللہ'' اگر شرائط کے ساتھ ہو تو کلمہ گو کی سعادت کا باعث بن کر اسے جنت میں لے جا سکتا ہے رسول خداؐ کی حدیث میں جو شرائط بیان ہوئی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس کلمہ کو خلوص کے ساتھ ادا کیا جائے اور پھر فرمانے لگے کلمہ گو کا اخلاص یہ ہے کہ اسے ''لا الہ الا اللہ'' گناہوں اور محرمات سے دور رکھے۔ جو لوگ حقیقی موحد اور مومن ہیں ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کے حکم کے مطابق عمل کریں اور خود کو گناہوں سے آلودہ نہ کریں، لیکن وہ لوگ بعض اوقات نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو کر گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں، لیکن چونکہ وہ حقیقی مومن اور موحد ہوتے ہیں لہٰذا جلد ہی اپنے عمل پر احساس شرمندگی کر کے خدا کی طرف لوٹتے ہیں، بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر قیامت میں انہیں صاف اعمال نامہ کے ساتھ محشور کرتا ہے، ممکن ہے اس طرح کے بعض لوگ خدا کی طرف واپس نہ لوٹ سکیں اور توبہ کئے بغیر اس دنیا سے کوچ کر جائیں لیکن چونکہ ان کا ایمان اور توحید پر یقین پختہ ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں قیامت میں بخش دیتا ہے بلکہ پروردگار عالم کی یہ بخشش اس قدر مخفی طور پر انجام پاتی ہے کہ اہل محشر کو بھی اس کا پتہ نہیں ہوتا اس طرح باایمان انسان کی عزت وآبرو باایمان لوگوں حتیٰ کہ ملائکہ اور انبیاء کرام کے سامنے بھی محفوظ رہتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ: اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَحَاسَبَ اللهُ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ اَوْ قَفَهُ عَلٰى ذُنُوْبِهٖ ذَنْبًا ذَنْبًا ثُمَّ غَفَرَهَا لَا يُطْلِعُ عَلٰى ذَالِكَ مَلَكًا مُقَرَّبًا وَلَا نَبِيًّا مُرْسَلًا.

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ مومن بندہ سے حساب لے گا اور اسے اس کے ہر ایک گناہ سے باخبر کر دے گا اور پھر ان سب کو بخش دے گا اور کسی مقرب فرشتے اور نبی کو بھی اس کے بارے میں معلوم نہیں ہوگا۔[2]

بعض لوگ کلمہ توحید پڑھتے ہیں اور کم وبیش اس کے مدلول پر بھی قلبی عقیدہ اور ایمان رکھتے ہیں لیکن گناہوں کو اس طرح بے پرواہ ہو کر انجام دیتے ہیں کہ گویا بارگاہ الٰہی میں ان سے اس بارے میں نہ تو سوال ہوگا اور نہ ہی ان کا بارگاہ الٰہی میں

---

[1] سفینہ، حبیب ۲۰۱

[2] بحار ج ۳ صفحہ ۲۶۶

مواخذہ کیا جائیگا ایسے لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے میں خلوص نہیں رکھتے کیونکہ توحید کا کلمہ ان پر عملی اثر نہیں رکھتا اسی وجہ سے ان کا یہ کلمہ ان کے گناہوں اور غیر شرعی کاموں میں مانع نہیں ہوا قیامت میں ان کا ایک مخصوص گروہ ہوگا، شاید یہ عبارت جس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ.

اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے۔ [۱]

اسی گروہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اصحاب اعراف

عَنِ الصَّادِقِ علیہ السلام اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ قَالَ قَوْمٌ اِسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ فَاِنْ اَدْخَلَهُمُ النَّارَ فَبِذُنُوْبِهِمْ وَاِنْ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ فَبِرَحْمَتِهِ.

امام صادق علیہ السلام سے اصحاب اعراف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا یہ وہ گروہ ہے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں اگر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل کرے گا تو یہ ان کے کئے گئے گناہوں کی وجہ سے ہوگا اور اگر انہیں بہشت میں داخل کرے گا تو اپنے فضل اور رحمت کی وجہ سے۔ [۲]

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ قَالَ لِي أَبُو جَعْفَرٍ علیہ السلام مَا تَقُولُ فِي أَصْحَابِ الْأَعْرَافِ فَقُلْتُ مَا هُمْ إِلَّا مُؤْمِنُونَ أَوْ كَافِرُونَ إِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ فَهُمْ مُؤْمِنُونَ وَإِنْ دَخَلُوا النَّارَ فَهُمْ كَافِرُونَ فَقَالَ وَاللهِ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ وَلَا كَافِرِينَ وَلَوْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ دَخَلُوا الْجَنَّةَ كَمَا دَخَلَهَا الْمُؤْمِنُونَ وَلَوْ كَانُوا كَافِرِينَ لَدَخَلُوا النَّارَ كَمَا دَخَلَهَا الْكَافِرُونَ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ اِسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّئَاتُهُمْ فَقَصُرَتْ بِهِمُ الْأَعْمَالُ وَإِنَّهُمْ لَكَمَا قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقُلْتُ أَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ هُمْ أَوْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَ اتْرُكْهُمْ حَيْثُ تَرَكَهُمُ اللهُ قُلْتُ أَفَتُرْجِئُهُمْ قَالَ نَعَمْ أُرْجِئُهُمْ كَمَا أَرْجَأَهُمُ اللهُ إِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ وَإِنْ شَاءَ سَاقَهُمْ إِلَى النَّارِ بِذُنُوبِهِمْ وَلَمْ يَظْلِمْهُمْ. [۳]

---

[۱] اعراف آیت ۴۶

[۲] تفسیر صافی صہ ۱۹۳

[۳] کافی جلد ۲ صہ ۴۰۸

زرارہ کہتے ہیں امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

اصحاب اعراف کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے جواب دیا؛ یہ یا مومن ہیں یا کافر۔ اگر جنت میں گئے تو مؤمن ہیں اور اگر جہنم میں گئے تو کافر ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم! یہ نہ مؤمن ہیں اور نہ ہی کافر ہیں کیونکہ اگر یہ مومن ہوتے تو دوسرے مومنوں کی طرح جنت میں جاتے اور اگر کافر ہوتے تو دیگر کفار کی طرح جہنم میں جاتے۔ یہ وہ جمعیت ہے جن کے نیک اور بد اعمال برابر ہیں اور ان کے پاس صالح اعمال کم ہوتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے گا تو اپنی رحمت اور فضل کی وجہ سے اور یہ اگر جہنم میں جائیں گے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور میں آیت کریمہ "وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ" کے ذیل میں طرق عامہ سے چند احادیث نقل کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ فَقَالَ هُمْ رِجَالٌ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَهُمْ عُصَاةٌ لِآبَائِهِمْ فَمَنَعَتْهُمُ الشَّهَادَةُ اَنْ يَّدْخُلُوا النَّارَ وَ مَنَعَتْهُمُ الْمَعْصِيَةُ اَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَهُمْ عَلٰى سُوْرٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتّٰى تَذْبُلَ لُحُوْمُهُمْ وَشُحُوْمُهُمْ حَتّٰى يَفْرُغَ اللهُ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ فَاِذَا فَرَغَ مِنْ حِسَابِ خَلْقِهِ فَلَمْ يَبْقَ غَيْرُ هُمْ تَغَمَّدَهُمْ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ فَاَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ.

ابوسعید خدری کہتے ہیں؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اصحاب اعراف کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا؛ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں قتل کئے گئے ہوں لیکن دنیا میں انہوں نے اپنے والد کے لازمی حقوق کو ادا نہیں کیا شہادت انہیں جہنم میں جانے نہیں دیتی اور والد کے حقوق کی رعایت نہ کرنا ان کے جنت میں جانے میں مانع ہے یہ لوگ جنت اور جہنم کے درمیان بلند مقام پر اس وقت تک رہیں گے جب تک مخلوقات کا حساب مکمل نہ ہو جائے اس مدت میں ان کے جسم کا پانی کم ہو جائیگا اور ان کے ہاتھوں سے تری زائل ہو جائیگی۔ اور جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کے حساب و کتاب سے فارغ ہو جائیگا اور تمام مخلوقات اپنے معین مقام پر پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کر کے انہیں جنت میں داخل فرمائیگا۔[1]

باایمان اور موحد لوگ اگر خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں تو ان کے وہ گناہ معاف کئے جائیں گے جو اللہ کے حقوق سے وابستہ ہوں لیکن لوگوں کے حقوق جیسے قرض والدین کے حقوق اور اس طرح کے لوگوں سے وابستہ دیگر حقوق کے بارے

---

[1] تفسیر در المنثور جلد ۳ صفحہ ۸۸

میں پوچھا جائیگا اور گناہ گار لوگ اپنے گناہوں کے تناسب سے انجام کو پہنچیں گے اگر چہ شہید ہی ہوئے ہوں۔

نتیجہ

''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے والے اگر چہ مومن وموحد ہیں لیکن دنیا میں اگر ان لوگوں نے گناہ کبیرہ انجام دیا ہوگا یا بہت سے گناہوں کے مرتکب ہوئی ہوں گے تو قیامت میں انہیں گرفتار کیا جائیگا اور یہ آسانی کے ساتھ حساب کے موقف سے نہیں گذر پائیں گے۔ یہ لوگ آسانی سے نجات اور سعادت پر فائز نہیں ہوں گے بلکہ گناہوں کے تناسب سے انہیں سزا دی جائیگی اگر چہ تھوڑی مدت کے لئے ہی کیوں نہ ہو''لا الہ الا اللہ'' کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ پڑھنے والے اپنے دین کی سلامتی کیلئے اپنی دنیا کی پریشانیوں کی فکر نہ کریں لیکن اگر ان کی روحانی کیفیت برعکس ہو اور لوگ اپنی دنیا کے لئے دین کو قربان کرنے لگیں تو کلمہ توحید ایسے لوگوں کی نجات اور سعادت کا باعث نہیں بنے گا اور یہ لوگ جھوٹے شمار کئے جائیں گے یہ بات اس روایت کے مطابق ہے جسے حذیفہ نے نقل کیا ہے۔

لَايَزَالُ" لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" تَرُدُّ غَضَبَ الرَّبِ جَلَّ جَلَالُهُ عَنِ الْعِبَادِ مَاكَانُوْ ا لَايُبَالُوْنَ مَاانْتَقَصَ مِنْ دُنْيَا هُمْ اِذَا سَلِمَ دِيْنُهُمْ فَاِذَا كَانُوْا لَايُبَالُوْنَ مَا انْتَقَصَ مِنْ دِيْنِهِمْ اِذَا سَلِمَتْ دُنْيَا هُمْ ثُمَّ قَالُوْ هَا رُدَّتْ عَلَيْهِمْ وَقِيْلَ كَذَبْتُمْ وَلَسْتُمْ بِهَا صَادِقِيْنَ.

مسلسل ''لا الہ الا اللہ'' کہنا لوگوں سے اللہ کے غیض وغضب کو ختم کر دیتا ہے۔ جب تک دین کی سلامتی کے لئے دنیا کے نقائص کی پرواہ نہ کی جائے لیکن اگر دنیا کی سلامتی کا خیال رکھا جائے اور دین کے نقائص پر توجہ نہ دی جائے، لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جائے اور اسی حال میں کلمہ توحید پڑھا جائے تو یہ کلمہ انہیں کی طرف لوٹا یا جائیگا اور ان کلمہ پڑھنے والوں سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو تم سچے نہیں۔ [1]

دنیا سے محبت کرنے والے مومن

آج بھی بہت سے لوگ خود کو مومن اور قرآن مجید کے پیروکار سمجھتے ہیں اور وہ ایک دن میں کئی مرتبہ لا الہ الا اللہ بھی پڑھتے ہیں اس کے باوجود وہ لوگ دنیا اور مال ودولت کو معنوی ذخائر اور دینی سرمایہ سے زیادہ اہمیت دیتے نظر آتے ہیں، یہ لوگ اپنے دنیاوی امور کے سلسلے میں بہت ہی زیادہ پریشان ہوتے ہیں لیکن اخلاقی نقائص اور دینی فرائض اور سنن کی ادائیگی میں لاپرواہی کرتے ہیں یہ لوگ نہ صرف اپنے بارے میں اس طرح سوچتے ہیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس نظریہ سے دیکھتے ہیں

---

[1] ثواب الاعمال صفحہ ۲۰

اوران کو بھی دنیاوی مال ومتاع کی افزائش کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کے ایمان اوراخلاق کے نقائص کی پرواہ نہیں کرتے اسلام کے عظیم رہنماؤں نے آج سے چودہ صدیاں پہلے مسلمانوں کی آئندہ آنے والی تاریکیوں کے بارے میں خبر دی اور ایسے لوگوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ نَظَرَ اِلٰی بَعْضِ الْاَطْفَالِ فَقَالَ وَیْلٌ لِاَوْلَادِ آخِرِ الزَّمَانِ مِنْ آبَائِہِمْ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مِنْ آبَائِہِمُ الْمُشْرِکِیْنَ؟

قَالَ لَا، مِنْ آبَائِہِمُ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا یُعَلِّمُوْنَہُمْ شَیْئًا مِنَ الْفَرَائِضِ وَ اِذَا تَعَلَّمُوْا اَوْلَادُھُمْ مَنَعُوْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُمْ بِعَرَضٍ یَسِیْرٍ مِنَ الدُّنْیَا فَاَنَا مِنْہُمْ بَرِیٌٔ وَھُمْ مِنِّیْ بُرَآءٌ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ بچوں کو دیکھا اور فرمانے لگے: افسوس ہے آخر زمانے کی اولاد پر ان کے والدین کی غلط تربیت کی وجہ سے!

لوگوں نے عرض کیا ان کے مشرک والدین کی وجہ سے؟

آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ان کے مسلمان والدین کی وجہ سے (کیونکہ) یہ لوگ اپنی اولاد کو دینی فرائض میں سے کچھ بھی نہیں سکھاتے اور اگر وہ خود اسے سیکھنے کیلئے جاتے ہیں تو وہ ان کو منع کرتے ہیں وہ صرف اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد دنیاوی مال لائے اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو میں اُن سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔ [1]

خلاصہ

کلمہ توحید کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کلمہ پڑھنے والا اپنے دین کی سلامتی کے احساس کی وجہ سے اپنی دنیا کے کم ہونے کی پرواہ نہ کرے، لیکن اگر اس کی دنیا اچھی ہو اور اس کا دین ناقص ہو تو کلمہ توحید، خدا کے غضب کو اپنے پڑھنے والے سے دور نہیں کرسکتا اور آخرت میں اس کی نجات اور سعادت کا باعث نہیں بنے گا۔

محبت اہلبیتؑ

کلمہ توحید کی شرائط میں سے ایک اور شرط، امت مسلمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کا اہل بیت علیہم السلام سے محبت رکھنا اور امامؑ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یعنی ''لا الہ الا اللہ'' اس وقت قیامت میں نجات کا باعث بنے گا جب کلمہ توحید پڑھنے والے کو اپنے زمانے کے امام کی معرفت ہو اور وہ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ محبت کرتا ہو۔

[1] مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۲۵

لَمَّا وَافَى أَبُو الْحَسَنِ الرِّضَا عليه السلام نَيْشَابُورَ وَ أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا إِلَى الْمَأْمُونِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ فَقَالُوا لَهُ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ تَرْحَلُ عَنَّا وَ لَا تُحَدِّثُنَا بِحَدِيثٍ فَنَسْتَفِيدُهُ مِنْكَ وَ كَانَ قَدْ قَعَدَ فِي الْعَمَّارِيَّةِ فَأَطْلَعَ رَأْسَهُ وَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي مُوسَى بْنَ جَعْفَرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ عليه السلام بْنَ أَبِي طَالِبٍ عليه السلام يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله يَقُولُ سَمِعْتُ جَبْرَئِيلَ يَقُولُ سَمِعْتُ اللهَ جَلَّ جَلَالُهُ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي أَمِنَ مِنْ عَذَابِي قَالَ فَلَمَّا مَرَّتِ الرَّاحِلَةُ نَادَى بِشُرُوطِهَا وَ أَنَا مِنْ شُرُوطِهَا

جس وقت امام رضا علیہ السلام نیشاپور پہنچے اور وہاں سے آپ مامون الرشید کے پاس جانا چاہتے تھے، اتنے میں بہت سے اصحاب حدیث وہاں آگئے اور عرض کرنے لگے: اے فرزند رسولؐ! آپ ہمارے پاس سے گذر رہے ہیں کیا آپ ہمیں حدیث سے استفادہ کا موقعہ نہیں دیں گے؟ اس وقت امام علیہ السلام محمل میں بیٹھے ہوئے تھے علماء حدیث کے تقاضا کو پورا کرنے کیلئے آپ نے محمل سے سر اقدس باہر نکالا اور فرمانے لگے:

میں نے اپنے والد گرامی موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام سے سنا، انہوں نے اپنے والد گرامی جعفر ابن محمد علیہما السلام سے سنا، اور انہوں نے بھی اپنے والد گرامی سے، اس طرح مسلسل یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی اور آپ نے فرمایا! میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل امین علیہ السلام سے سنا وہ کہہ رہے تھے میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''لا الہ الا اللہ'' میرا قلعہ ہے اور جو بھی میرے اس قلعہ میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہے گا اور جب امام علیہ السلام کی سواری چلنے لگی تو آپ نے فرمایا: کلمہ توحید کی کچھ شرطیں ہیں اور ان شرائط میں سے ایک میں ہوں۔[1]

امام علی رضا علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام میں سے ہیں اور آپ کا شمار ائمہ معصومین علیہم السلام میں ہوتا ہے۔ بہت سی عامہ اور خاصہ کی روایات کے مطابق جو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہیں اور پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی محبت اور معرفت مسلمانوں کے دینی فرائض میں سے ہے، قیامت میں نیکیوں کی قبولیت اور جنت الفردوس تک رسائی انہیں کے ذریعے ممکن ہے۔ امام رضا علیہ السلام کا خود کو کلمہ توحید کی شرط کے طور پر معرفی کرنا اسی مطلب کو بیان کرتا ہے، یہاں بطور شاہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فقط دو احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا جا رہا ہے، پہلی حدیث کو علمائے عامہ

[1] عیون اخبار الرضاؑ باب ۳۶ صفحہ ۲۷۰

میں سے ایک عالم نے اور دوسری حدیث کو علمائے خاصہ میں سے ایک بزرگ عالم نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، جالب بات یہ ہے کہ دونوں علماء ایک دوسرے کے معاصر تھے اور پانچویں صدی ہجری میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

پہلی حدیث

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّحْيَا حَيَاتِيْ وَيَمُوْتَ مَمَاتِيْ وَ يَسْكُنَ جَنَّةَ عَدْنٍ غَرَسَهَا رَبِّيْ فَلْيُوَالِ عَلِيًّا مِنْ بَعْدِيْ وَلْيُوَالِ وَلِيَّهٗ وَلْيَقْتَدِ بِالْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِيْ فَاِنَّهُمْ عِتْرَتِيْ خُلِقُوْا مِنْ طِيْنَتِيْ رُزِقُوْا فَهْمًا وَعِلْمًا وَ وَيْلٌ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ بِفَضْلِهِمْ مِنْ اُمَّتِيْ اَلْقَاطِعِيْنَ فِيْهِمْ صِلَتِيْ لَا اَنَالَهُمُ اللهُ شَفَاعَتِيْ

حافظ ابونعیم جو کہ علماء عامہ میں سے ہیں اور انہوں نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی، کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابن عباس سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو بھی میرا پیروکار ہے اور چاہتا ہے کہ میری زندگی کی طرح (اپنی) زندگی بسر کرے اور میری موت کی طرح اسے موت آئی، اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی بہشت میں اس کا مسکن ہو تو اسے چاہئے کہ میرے بعد، علیؑ اور ان سے محبت کرنے والوں سے محبت کرے، ان کے بعد آئمہ علیہم السلام کی پیروی کرے کیونکہ یہی میری عترت ہیں، ان کی تخلیق میری خاک سے ہوئی ہے اور یہ فہم و علم کے فیض کے حامل ہیں خدا کا عذاب میری امت کے ان لوگوں پر ہوگا جو ان کی فضیلت کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ میرے رشتے کو قطع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری شفاعت کو ایسے لوگوں کے شامل حال نہیں فرمائے گا۔''[1]

دوسری حدیث

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَوَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَوْ جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَعْمَالٍ كَاَمْثَالِ الْجِبَالِ وَلَمْ يَجِئْ بِوِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ لَاَكَبَّهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِي النَّارِ

ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی جو کہ علمائے خاصہ میں سے ہیں اور انہوں نے سال ۴۶۰ھ میں وفات پائی اپنی کتاب امالی میں انس ابن مالک سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اگر تم میں سے کوئی محشر کے میدان میں پہاڑوں کی طرح نیک اعمال اپنے ساتھ لے کر آئے، لیکن اس کے پاس علی ابن ابیطالبؑ کی ولایت نہ ہو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو منہ کے بل جہنم

---

[1] کتاب حلیۃ الاولیاء جلد اول صفحہ ۸۶

میں داخل کرے گا۔''[۱]

قیامت میں لوگوں کی ایک دوسرے سے جدائی

دنیا میں بسنے والے لوگ اپنے صحیح اور غلط عقائد اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق اور نیک اور بداعمال کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں ان میں سے بعض اچھے ہیں جنہیں انعام سے نوازا جائے گا اور بعض بدکردار ہیں اور انہیں سزا دی جائے گی، اس کے علاوہ اچھے کردار والے لوگوں کے درجات اور برے لوگوں کی سزائیں بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں کیونکہ عدل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جو اچھے لوگ ہیں ان کے مراتب ان کی اچھائیوں کی بنا پر مختلف ہوں اور برے لوگ بھی اپنے گناہوں کی بنا پر مختلف سزاؤں کے حقدار ٹھہریں، قیامت کے دن جو بھی فقط اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت کا دن ہوگا اس دن اختلافات کو مدنظر رکھا جائے گا اور کسی پر بھی ظلم وستم نہیں ہوگا، قیامت کا ایک نام (یوم الفصل) بھی ہے یعنی وہ دن جس میں لوگ ایک دوسرے سے ممتاز ہونگے اس دن مادہ پرست خدا پرستوں سے، موحد مشرکوں سے، مسلمان کفار سے، محبان اہلبیت، دشمنان اہلبیت سے، نیک لوگ، بدکردار لوگوں سے پاک، ناپاک افراد سے اور اسی طرح مختلف طبقات کے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوں گے، اور یہ ایک دوسرے سے جدائی مختلف صورتوں میں انجام پذیر ہوگی۔

عَنْ اَبِي بَصِيرٍ عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ عليه السلام إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا بَعَثَ الْخَلَائِقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادِي رَبِّنَا نِدَاءَ تَعْرِيفِ الْخَلَائِقِ فِي إِيمَانِهِمْ وَ كُفْرِهِمْ فَقَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ مُنَادٍ آخَرُ يُنَادِي مَعَاشِرَ الْخَلَائِقِ سَاعِدُوهُ عَلَى هَذِهِ الْمَقَالَةِ فَأَمَّا الدَّهْرِيَّةُ وَ الْمُعَطِّلَةُ فَيَخْرَسُونَ عَنْ ذَلِكَ وَ لَا تَنْطِقُ أَلْسِنَتُهُمْ وَ يَقُولُهَا سَائِرُ النَّاسِ.

ابوبصیر نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''قیامت کے دن جب اولین وآخرین تمام مخلوق کو حکم پروردگار سے اٹھایا جائے گا اور وہ سب میدان محشر میں جمع ہوں گے تو پروردگار کی طرف سے ایک منادی مخلوقات کی معرفی اور مومنوں اور کافروں کو جدا کرنے کے لئے تکبیر کہے گا اور دوسرا منادی تمام مخلوق کو ندا دے گا کہ؛ منادی کی آواز کے ساتھ سب ملکر تکبیر کہو اور سب ملکر اس کا تکرار کرو۔ تمام اہل محشر تکبیر کہیں گے، دہریوں کے علاوہ جو دنیا کو مادہ سمجھتے تھے اور اس کے پروردگار کا انکار کرتے تھے، یہ لوگ تکبیر کہنے میں گونگے ہوجائیں گے اور اس کلمہ کو محشر کے میدان میں موجود دیگر افراد کی طرح نہیں کہہ پائیں گے۔''[۲]

---

[۱] امالی شیخ طوسی جلد اول صفحہ ۳۱۴

[۲] بحار، جلد ۳ صفحہ ۲۴۶

مادہ پرست لوگ جس وقت تک دنیا میں ہیں ان کا ضمیر خدا کی نفی کرتا ہے لیکن اگر وہ چاہیں تو خود کو خدا پرست کہہ کر خدا کا نام زبان پر لا سکتے ہیں اور خود کو ظاہری طور پر موحد کہلا سکتے ہیں لیکن قیامت کے دن جو تمام رازوں اور پوشیدہ امور کو ظاہر کرنے کا دن ہے اس دن ان کے اندر کا انکار ظاہر ہوجائے گا ان سے جھوٹ بولنے کی طاقت ختم ہوجائے گی اور وہ خود کو حقیقت کے برخلاف موحد ظاہر نہیں کر پائیں گے۔

ثُمَّ يَقُوْلُ الْمُنَادِيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَيَقُوْلُ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ ذَالِكَ اِلَّا مَنْ كَانَ يُشْرِكُ بِاللهِ تَعَالٰى فَاِنَّهُمْ يَخْرَسُوْنَ فَيَبِيْنُوْنَ بِذَالِكَ عَنْ سَائِرِ الْخَلَائِقِ۔

اس کے بعد پروردگار کا منادی کلمہ توحید کی گوہی دے گا اور تمام مخلوق جو میدان محشر میں موجود ہوں گے سب کے سب اس کے ساتھ یہی آواز بلند کریں گے، سوائے ان لوگوں کے جو دنیا میں مشرک تھے کیونکہ (اس دن) ان لوگوں کی زبانیں گونگی ہوجائیں گی اور ان سے بات کرنے کی طاقت ختم ہوجائے گی، اس طرح مشرک لوگ، مؤحدین سے جدا ہو جائیں گے۔

ثُمَّ يَقُوْلُ الْمُنَادِيْ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَيَقُوْلُهَا الْمُسْلِمُوْنَ اَجْمَعُوْنَ وَ يَخْرَسُ عَنْهَا الْيَهُوْ دُ وَالنَّصَارٰى وَ سَائِرُ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ آخَرُ مِنْ عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ اَلَا فَسُوْقُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ لِشَهَادَتِهِمْ لِمُحَمَّدٍ بِالنُّبُوَّةِ..........فَاِذَا النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ اللهِ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ فَمَنْ جَآءَ فَهُوَ مِنَ الْفَائِزِيْنَ وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهَا فَهُوَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ.

اس کے بعد منادی، پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت کی گواہی دے گا تمام مسلمان اس منادی کے ساتھ آواز بلند کر کے گواہی دیں گے، لیکن یہود و نصاریٰ اور وہ سب جن کا بعثت پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد فریضہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرتے لیکن انہوں نے اپنے وظیفہ پر عمل نہ کیا ہوگا وہ سب شہادت رسالت کی ادائیگی میں گونگے ہوجائیں گے اتنے میں میدان محشر سے ایک اور منادی آواز دے گا، مسلمانوں کو جنت کا راستہ دکھاؤ کیونکہ انہوں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا، یہ علی علیہ السلام اور آل محمد علیہم السلام کی ولایت کے مسئول ہیں جس کے پاس بھی ولایت ہے وہ نجات پانے والا ہے اور جس کے پاس ولایت نہیں وہ ہلاکت کا شکار ہوگا۔

خلاصہ

محشر میں لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوں گے اور ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے، مادہ پرست، خدا پرست

سے، موحد مشرک سے، مسلم کفار سے اور ولایت اہلبیتؑ رکھنے والے ولایت اہلبیت نہ رکھنے والوں سے جدا کئے جائیں گے۔ سب کو اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

اہل کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار

قرآن مجید اہل کتاب کے بارے میں جو توریت کی آیات اور آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں جاننے کے باوجود اسے چھپاتے اور قبول نہیں کرتے ہیں فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو بھی اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں۔ بس ان کا ایک گروہ ہے جو حق کو دیدہ ودانستہ چھپا رہا ہے (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۶)

قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرِفْتُهٗ حِيْنَ رَأَيْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ ابْنِيْ وَ مَعْرِفَتِيْ لِمُحَمَّدٍ ﷺ اَشَدُّهٗ

بزرگان اہل کتاب میں سے ابن سلام کہتے ہیں:

جس وقت میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، میں نے انہیں ان میں موجود علامات سے پہنچانا جن علامتوں کا ذکر آسمانی کتب میں موجود ہے، میں نے بغیر شک کے ان کی نبوت کو پہچان لیا جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ [1]

تہران میں یہودی عالم کا قبولِ اسلام

تقریباً دوسو سال قبل تہران میں ایک بڑا یہودی عالم رہتا تھا وہ ایران اور دیگر ممالک کے یہودی علماء میں بہت مشہور تھا۔

اس نے اپنے مطالعہ اور توریت کی آیات میں دقت سے، اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام محمد رضا رکھا اس نے دیگر اپنے ہم مذہب افراد کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں بتایا تو ان کے درمیان بہت زیادہ بحث وگفتگو ہوئی، آخر کار کچھ لوگ جو متعصب نہیں تھے اور انہیں عالم کتاب اور متقی انسان کے طور پر پہچانتے تھے محمد رضا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا لیکن اکثر یہودیوں نے ان کی مخالفت کی اور ان پر لعن وطعن کیا،

---

[1] تفسیر جلالین، مذکورہ آیت کے ذیل میں

اس بزرگ عالم نے ''منقول الرضائی'' نامی ایک کتاب تحریر کی' اس کتاب میں انہوں نے عبری رسم الخط سے تورات کی وہ آیات بیان کیں جن میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ذکر تھا اس کے بعد' اس کتاب کو شایع کیا گیا، اس نے موت کے وقت وصیت کی کہ انہیں مرنے کے بعد مسلمانوں کے عمومی قبرستان میں دفن کیا جائے' ان کے دوستوں نے ان کی وصیت کے مطابق ان کے ان تین اشعار کو پتھر پر لکھوا کر ان کی قبر پر نصب کر دیا

از منزل عدم بوجود آشنا شدم
برامت کلیم خدا پیشوا شدم
در مصحف وزبور و در احکام انبیاء
دیدم محمد است محمد رضا شدم
رفتم از این جهان بردوست شادمان
چون در زمانه طالب دین خدا شدم

ترجمہ

عدم کی منزل سے میں نے وجود کو پہچان لیا، کلیم خدا (حضرت موسیٰؑ) کی امت کا رہبر و رہنما بنا، میں نے مصحف' زبور اور احکام انبیاء میں محمدؐ کو دیکھا تو محمد رضا ہوا میں اس دنیا سے اپنے دوست کے پاس خوش ہو کر گیا کیونکہ میں دنیا میں خدا کے دین کا طلبگار بنا۔

اہلبیت علیہم السلام کی محبت

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِالْقُرْآنِ فَمَا آمَنَ بِالتَّوْرَاةِ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْإِيمَانَ بِهِمَا لَا يَقْبَلُ الْإِيمَانَ بِأَحَدِهِمَا إِلَّا بِالْإِيمَانِ بِالْآخَرِ فَكَذٰلِكَ فَرَضَ اللهُ الْإِيمَانَ بِوَلَايَةِ عَلِيِّ عليه السلام بْنِ أَبِي طَالِبٍ عليه السلام كَمَا فَرَضَ الْإِيمَانَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَ كَفَرْتُ بِوَلَايَةِ عَلِيِّ عليه السلام بْنِ أَبِي طَالِبٍ عليه السلام فَمَا آمَنَ بِنُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو بھی توریت کا پیروکار ہے اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتا در اصل وہ توریت پر ایمان نہیں رکھتا ہے کیونکہ توریت کی آیات کے مطابق' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا ہے کہ وہ دونوں کتابوں پر ایمان لائیں گے ان میں سے ایک کتاب

پر ایمان دوسری کتاب پر ایمان کے بغیر بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر ایمان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کی طرح واجب قرار دیا ہے لہٰذا اگر کوئی کہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو ایمان رکھتا ہوں لیکن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ولایت کا انکار کرتا ہوں (دراصل وہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا۔ [۱]

''لا الہ الا اللہ'' کی شرائط میں سے ایک شرط امامؑ کی معرفت اور اہلبیت علیہ السلام کی محبت ہے' ان روایات کے مطابق جو عامہ وخاصہ کے ذریعے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں' کلمہ توحید اس شرط کے بغیر بارگاہ الٰہی میں قابل قبول نہیں اور نہ ہی کلمہ گو کے لئے نجات کا باعث بنتا ہے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ جَالِسًا وَعِنْدَهٗ نَفَرٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ فِیْهِمْ عَلِیُّ بْنِ اَبِیْطَالِبٍ علیہ السلام اِذْ قَالَ: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِهٖ؛ فَنَحْنُ نَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ اِنَّمَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مِنْ هٰذَا وَمِنْ شِیْعَتِهِ الَّذِیْنَ اَخَذَ رَبُّنَا مِیْثَاقَهُمْ فَقَالَ الرَّجُلَانِ فَنَحْنُ نَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ یَدَهٗ عَلٰی رَأْسِ عَلِیٍّ علیہ السلام ثُمَّ قَالَ عَلَامَةُ ذَالِكَ اَنْ لَا تُحِلَّا عَقْدَهٗ وَلَا تَجْلِسَا مَجْلِسَهٗ وَلَا تُكَذِّبَا حَدِیْثَهٗ

ابوسعید خدری کہتے ہیں؛ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے' آپؐ کے اطراف میں بہت سے اصحاب بھی موجود تھے ان میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام بھی شامل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛

جو بھی ''لا الہ الا اللہ'' کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا آپ کے دو اصحاب نے عرض کیا ہم ''لا الہ الا اللہ'' کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کلمہ توحید کی گواہی کو اس شخص اور ان کے ان شیعوں سے قبول کرتا ہے جن سے عہد و پیمان لیا ہے وہ دونوں اصحاب کہنے لگے؛ ہم بھی اسی طرح ''لا الہ الا اللہ'' کہتے ہیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سر پر رکھا اور فرمایا؛ ایسے کلمہ توحید کی علامت یہ ہے کہ ان سے عہد شکنی نہ کرو؛ ان کی جگہ پر نہ بیٹھو اور ان کی باتوں کو نہ جھٹلاؤ۔ [۲]

مذکورہ ابحاث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ہے کہ کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' نجات اور سعادت کا سبب ہے لیکن یہ سعادت فقط کلمہ توحید کے الفاظ کو زبان پر جاری کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ کلمہ جس چیز پر دلالت کر رہا ہے یعنی خدا اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھنا یہ چیز کلمہ گو کی جان میں نفوذ کر جائے اور وہ اپنے تمام وجود سے مومن اور موحد بن جائے اس کے ساتھ

---

[۱] بحار' جلد ۳ صفحہ ۲۴۶

[۲] ثواب الاعمال' صفحہ ۲۲

ساتھ کلمہ گو کو ان تمام شرائط کی رعایت کرنی چاہئے جو معصومین علیہم السلام نے روایات میں بیان کی ہیں کلمہ گو کو چاہئے کہ اپنی عقل سے آزادانہ استفادہ کرے جتنا زیادہ ہو سکے آیات خداوندی کا مطالعہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے ایمان کو تقویت عطا کرے۔

اور اگر کوئی کلیمی یا مسیحی ہے اور وہ کلمہ توحید پڑھتا ہے تو اسے اس بات پر توجہ دینی چاہئے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہما السلام کا دور ختم ہو چکا ہے اسے چاہے کہ حقیقت پر عمل پیرا ہو اور تعصب کی عینک کو اتار کر توریت اور انجیل پر عمل کرتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو قبول کرے' اور آپ کی نبوت پر ایمان لائے' اسے چاہیے کہ بارگاہ الٰہی میں اپنی مسئولیت کو ہرگز فراموش نہ کرے اور خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھے گناہوں سے دوری اختیار کرے اور خواہشات نفسانی کی پیروی سے دور رہے۔

اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے فرمان کے مطابق معرفی فرمایا تھا' آئمہ طاہرینؑ کی رہبری پر ایمان اور مکمل عقیدہ رکھے ان کے احکامات پر عمل کرے اور جان لے کہ امامت کلمہ توحید کی شرائط میں سے ایک ہے اور امام کی معرفت کے بغیر کلمہ لا الہ الا اللہ قیامت کے دن نجات کا باعث نہیں بنے گا نیک اعمال جتنے بھی زیادہ کیوں نہ ہو (اگر امام کی معرفت حاصل نہیں ہے) تو یہ اعمال بھی بارگاہ خداوندی میں قبول نہیں کئے جائیں گے۔ دنیا میں توحید کا کلمہ پڑھنے والوں کے پاس اگر یہ تمام شرائط موجود ہیں تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عنایت اور نظر کرم میں شامل ہوں گے' لیکن اگر کلمہ توحید پڑھنے والا منافق ہو یا اصلاً ذات باری تعالیٰ پر یقین نہ رکھتا ہو یا مشرک ہو یا خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہو لیکن توحید پر یقین نہ رکھتا ہو اور وہ غیر خدا کی عبادت کرتا ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور یہ قضائے الٰہی اور اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلْمُوْجِبَتَانِ مَنْ مَاتَ یَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةُ وَ مَنْ مَّاتَ یُشْرِكُ بِاللهِ دَخَلَ النَّارَ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''دو عامل بہت زیادہ موثر اور یقینی ہیں ان میں سے ایک بہشت کا باعث ہے اور دوسرا جہنم میں لے جائے گا' جو بھی توحید کی گواہی کے ساتھ مرجائے وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جو خدا کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرا کر مرے وہ جہنم میں جائے گا۔''[1]

---

[1] ثواب الاعمال صفحہ ۱۵

تیسری فصل

قیامت کا حساب

وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا وہ ہر شے پر قدرت واختیار رکھنے والا ہے۔[1]

اس عظیم کائنات کی تمام اشیاء دانا اور قدرتمند پروردگار کی مشیت سے حکیمانہ اندازہ کے مطابق عدد اور محاسبہ کے ساتھ خلق ہوئی ہیں۔

انسانوں کا علم کے حصول کیلئے کوشش کرنا اور ان کا کائنات کے اسرار ورموز کے پیچھے جانا' خلقت کے اعداد وشمار کی شناخت ومعرفت کی معنی میں ہے انسان عالم ہستی کے اعداد ورموز کے بارے میں جتنا باخبر ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کے علم و آگاہی میں اضافہ ہوگا اور وہ علم کے عالی مراتب پر فائز ہوجائے گا۔انسان کا جسم جوکہ خالق کی خلق کردہ اشیاء میں سے ایک ہے حکیمانہ محاسبہ اور اندازہ گیری سے وجود میں آیا ہے کسی انسان کی بیماری اور ناتوانائی سے مراد جسم کے بنیادی حصوں کے اپنے طبعی مقام سے ہٹ جانے اور مختلف حصوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے ہوتا ہے

جسم کے اعداد وشمار

علم طب کے دانشمندوں نے صدیوں تلاش وجستجو کے بعد جسم کے اندر موجود اعداد وشمار کے بارے میں معلومات حاصل کی ہے وہ سلامتی اور بیماری کو اسی معیار کے مطابق اندازہ گیری کرتے ہیں دل کی دھڑکنوں کے اعداد' نبض کا حرکت کرنا' خون کے فشار کے اعداد اور اس کے سرخ وسفید ذرات' خون کی چربی اور شکر کے اعداد، پیشاب اور خون کے طبعی اور غیر طبعی مواد کے اعداد' اور اس طرح کے دیگر اعداد وشمار بدن کی سلامتی یا بیماری' قوت اور سستی کے اسباب ہیں انسان کی طبیعت کو جاننے کے لئے آج' کل کی لیبارٹریاں' تھوڑے سے اعداد اور حصوں کو ڈاکٹر کے حوالے کرتی ہیں۔اور ڈاکٹر مریض

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۸۴

کو دیکھے بغیر ان اعداد کو دیکھ کر مریض کی حالت بتا دیتا ہے شاید مستقبل میں علم طب کی ترقی سے جسم کے ان اعداد کی تعداد میں اضافہ بھی ہو جائے علم فیزکس میں بھی متخصص دانشمند حضرات عدد کے بارے میں بات کرتے ہیں اور اپنی مسلسل تحقیقات کے ذریعے نظام خلقت کے بہت سے حقائق کے بارے میں انہوں نے جان لیا ہے۔مثلاً آواز کی امواج جنہیں ہمارے کان سنتے ہیں عدد ہیں'اسی طرح دور کی آواز جنہیں انسان سن نہیں پاتا وہ بھی عدد ہے نور کی سیر کی سرعت کو بیان کرنے والا عدد ہے، ہماری آنکھوں میں نور کی تعداد امواج کو معرفی کرانے والا بھی عدد ہے

آج کل دانشمندوں نے ایسے بہت ہی پیچیدہ آلات بنائے ہیں جو سیاہ وسفید رنگ کے نور کی شعاعوں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور ایک ہی سیکنڈ میں ہماری آنکھوں میں داخل ہو جاتے ہیں

اگر یہ تمام نوری شعائیں ایک دوسرے کے اس قدر نزدیک ہوں کہ ایک سیکنڈ میں ۷۵۶ کروڑ شعاعیں ہماری آنکھوں میں چلی جائیں تو ہمیں یہ احساس ہوگا کہ اس کو روشنی کا نام دیا جائے یہ شعاعوں کے ذرات اس قدر چھوٹے ہیں کہ خوردبین کے ذریعے بھی نظر نہیں آتے۔

اگر ہم ان ذرات کو دیکھنا چاہیں اور ان کے جسم کے قائل ہوں تو ۵ / ۲ سنٹی میٹر فضا میں ۴۲ ہزار انوار کا کہکشاں نظر آئے گا لیکن اس کہکشاں کا دیکھنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

نور کے ذرات کی تعداد

آج کل لیباٹریوں میں سینٹی میٹر کے لحاظ سے نور کے ذرات کی تعداد کو شمار کرنا ممکن ہو گیا ہے۔

جن نور کے ذرات کو سفید کہا جاتا ہے ۵۰۰۰ ذرات ۵ / ۲ سینٹی میٹر میں ہوں گے،سبز رنگ کے ۴۸۰۰۰ ذرات زرد رنگ کے ۴۴۰۰۰،سرخ رنگ کے ۳۸۰۰۰ ذرات ۵ / ۲ سینٹی میٹر میں ہوں گے سب سے زیادہ سرخ رنگ ۳۳ ہزار ذرات ہوں گے اس سے کم ذرات ہمیں کہیں نظر نہیں آتے۔بہ عبارت دیگر اگر ۳۳۰۰۰ ہزار ذرات ۵ / ۲ سینٹی میٹر سے کم فضا میں ہوں تو ہمارے اعصاب انہیں درک نہیں کر پائیں گے۔[1]

تخلیق کائنات میں اعداد کا عمل و دخل

آسمان میں موجود تمام چھوٹے اور بڑے سیاروں کا حجم اور ان سیاروں کا ایک دوسرے کے ساتھ فاصلہ'ان میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام میں حرکت کرنا' عالم طبعیت کی عظیم فضا میں ان میں سے ہر ایک کا ایک دوسرے سے روبرو ہونا یہ

---

[1] نجوم برای ہمہ صفحہ ۹۳

سب ایک مخصوص حساب اور نظم وضبط کے ذریعے سے ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورج اور چاند کے بارے میں فرماتا ہے:

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ.

آفتاب وماہتاب سب اسی کے مقرر کردہ حساب کے ساتھ چل رہے ہیں۔[۱]

نظام شمسی میں سورج اور چاند کا نظم وضبط اس قدر حیرت انگیز اور دقیق ہے کہ علم نجوم کے دانشمند محاسبہ اور اعداد کے ذریعے سے ان دونوں کی وضعیت اور ان کو پیش آنے والے حالات کے بارے میں خبر دے سکتے ہیں نجومی حضرات یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ مستقبل میں آنے والے فلاں سال کے فلاں دن میں سورج گرہن واقع ہوگا یا فلاں رات میں چاند گرہن ہوگا۔ اس سے بھی کائنات کے عظیم نظام کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جفت اور طاق کی قسم کھاتے ہوئے فرماتا ہے:

وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ

اور جفت اور طاق کی قسم۔[۲]

مفسرین قرآن نے ان آیات کے ذیل میں بہت سے احتمالات کو بیان کیا ہے ان میں سے یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جفت اور طاق کی قسم کھائی ہے۔

اَخۡرَجَ عَبۡدُ بۡنُ حَمِيۡدٍ عَنِ الۡحَسَنِ قَالَ اَقۡسَمَ رَبُّنَا بِالۡعَدَدِ كُلِّهٖ اَلشَّفۡعِ مِنۡهُ وَالۡوَتۡرِ.

عبد بن حمید نے حسن سے اس آیت کریمہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جفت اور طاق اعداد کی قسم کھائی ہے۔[۳]

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں جفت اور طاق کی قسم کھانا یہ بتاتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں عدد کی بہت اہمت ہے اس طرح سے خالق دوجہاں لوگوں کی توجہ نظام خلقت میں اعداد کی اہمیت کی جانب مبذول فرمارہا ہے۔

انسان کے مادی و معنوی پہلو

انسان جو کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم آیت اور خالق کی ممتاز مخلوق ہے اسے بہترین اور عالی ترین طریقہ سے خلق کیا گیا

---

[۱] سورۂ رحمن آیت ۵

[۲] سورۂ فجر، آیت ۳

[۳] تفسیر درالنشور جلد ۶ صفحہ ۳۴۶

ہے۔انسان کے اندر ایک دوسرے کے مخالف دو پہلو پائے جاتے ہیں ایک مادی پہلو اور دوسرا معنوی پہلو مادی پہلو کے لحاظ سے انسان وہ حیوان ہے جس میں غرائز اور شہوت پائی جاتی ہے' اور اس کا جسم طبعی مواد' معدنی عناصر اور دیگر مختلف اجزاء سے بنایا گیا ہے معنوی پہلو کے لحاظ سے انسان عاقل' آزاد اور غور وفکر والا بنایا گیا ہے۔

جالب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پہلوؤں کو اعداد کی بنا پر خلق کر کے دقیق نظم وضبط کے ساتھ انسانوں کو عطا فرمائے ہیں جو لوگ جسمانی طور پر تندرست رہنا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ ہمیشہ طبعی توازن برقرار رکھیں اور جسم کے محاسبہ کا خیال رکھیں۔ایک مرتبہ ضرور اپنے جسم کا کسی ماہر ڈاکٹر سے معائنہ کرائیں تا کہ اگر جسم کے اعضاء وجوارح میں تھوڑا بھی انحراف یا تبدیلی واقع ہوئی ہو تو اس کا بروقت علاج' معالجہ کیا جا سکے۔انسان کا معنوی پہلو اور روحانی پہلو بھی دقیق محاسبہ اور بررسی کا محتاج ہے جو حقیقی انسان بننا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرے' کمال انسانی پر فائز ہو اور انسان ہو کر رہے تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے جو ملکوتی قوتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں ان کی بررسی کرے اور ہمیشہ اپنی سوچ وفکر کا خیال رکھے، کیونکہ اس بررسی اور محاسبہ کے ذریعے وہ اپنے عیوب اور نقائص سے باخبر ہوتا ہے اور اگر چاہے تو انہیں ختم بھی کر سکتا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ وَقَفَ عَلٰی عُیُوْبِهٖ وَ اَحَاطَ بِذُنُوْبِهٖ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''جو بھی اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ اپنے عیوب اور نقائص سے باخبر ہوتا ہے اور اپنے گناہوں کے بارے میں آگاہ رہتا ہے''۔[1]

خلاصہ

یہ پوری کائنات' عالم عدد اور حساب ہے حکیم پروردگار نے ہر چیز کو محاسبہ کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر برقرار رکھا ہے۔ اس عظیم کائنات میں کوئی بھی چیز فضول اور بے مقصد خلق نہیں ہوئی اور کسی بھی چھوٹی یا بڑی چیز نے بغیر حساب کے خلقت کا لباس زیب تن نہیں کیا ہے لیکن انسان کی فکر ناقص ہے لہٰذا وہ اس ناقص فکر کے ذریعے خلقت کے اسرار ورموز سے آگاہ ہے

در این پرده یك رشته بی كار نیست
سر رشته بر ماپدیدار نیست
نه زین رشته سر می توان تافتن

---

[1] فہرست غرر صفحہ ۴۴

نه سر رشته را می توان یافتن

ترجمہ

اس پردے میں کوئی بھی تعلق بے کار نہیں ہے لیکن تعلق کا راز ہم پر واضح نہیں ہے، ہم اس تعلق سے راز کو ظاہر نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس تعلق کے راز کو جان سکتے ہیں۔

یوم الحساب

لغت میں حساب کا معنی اعداد کو شمار کرنا ہے قیامت کا ایک نام ''یوم الحساب'' بھی ہے یعنی وہ دن جس میں لوگوں کے تمام اعمال شمار کئے جائیں گے چاہے وہ نیک اعمال ہوں یا برے اعمال، کوئی بھی عمل چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس دن حساب کیا جائے گا اس دن دقیق حساب و کتاب کی وجہ سے نیک لوگ بدلوگوں سے اور پاک لوگ پلید لوگوں سے جدا ہوں گے اچھے لوگوں کو انعام دیا جائے گا اور برے لوگ اگر عفو الٰہی میں شامل نہ ہوئے تو انہیں سزا دی جائے گی۔

چوں بر آید آفتاب رستخیز برجهند از خاک خوب و زشت نیز

سوی دیوان قضاپویان شوند نقد نیک وبدبه کوره در روند

ترجمہ:

جب قیامت کا سورج طلوع ہوگا تو زمین سے اچھے اور برے سب کو نکالا جائے گا ہر کوئی اپنے اعمال نامہ سے آگاہ ہوگا نیک و بدلوگوں میں سے ہر ایک اپنا اپنا حصہ لے گا۔

نیت

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.[1]

''اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کی کل کائنات ہے تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا وہ ہر شے پر قدرت و اختیار رکھنے والا ہے''۔

ثواب کی نیت

اس آیت کریمہ میں نیت کی معنی واضح کرنے کے لئے دو نکات پر توجہ کرنا ضروری ہے:

[1] سورہ بقرہ" آیت ۲۸۴

اول: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات کے مطابق جن میں سے بعض روایات کا ذکر پہلے بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اچھے کام کی نیت کرنے پر نیت کرنے والے کو جزاء عطا فرماتا ہے اگرچہ وہ اس نیک کام کو انجام نہ دے سکے لیکن گناہ کی نیت کرنے والے کو سزا نہیں دیتا جب تک وہ اس گناہ کو انجام نہ دے۔

مثال

اگر کوئی شخص کسی بیمار مسلمان کی خدا کے لئے عیادت کرنے کی نیت کرے لیکن غفلت یا بعض موانع کی وجہ سے عیادت نہ کر سکے' کریم رب اسی نیک نیت کی وجہ سے اسے جزاء عطا فرمائے گا لیکن اگر کسی نے بے گناہ کو قتل کرنے کی نیت کی ہو اور اسے قتل کر دیا ہو تو اس صورت میں اسے قتل کی سزا دی جائے گی لیکن اگر اپنی نیت سے منصرف ہو جائے یا اس شخص تک نہ پہنچ سکے تو قتل کی نیت کی وجہ سے اسے کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

گناہ کی نیت

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر گناہ کی نیت پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

''تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا۔''

اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں نیتیں مختلف ہوتی ہیں بعض اوقات نیت انسان کے گناہ کے ارتکاب کا باعث بنتی ہے اور بعض اوقات خود، نیت، شریعت مقدس میں گناہ ہوتی ہے۔

پہلا فرض:

جو شخص کسی بے گناہ کے قتل کے بارے میں سوچ رہا ہے درحقیقت وہ گناہ انجام دینے کی نیت رکھتا ہے اور وہ قاتل اس وقت ہوگا جب وہ اپنی نیت کو عملی جامہ پہنا کر قتل کرے گا اس وقت وہ سزا کا حقدار ہوگا۔ لیکن اگر وہ قتل نہ کرے اور اس کا دامن خون آلودہ نہ ہو تو اس صورت میں اسے کوئی سزا نہ دی جائے گی کیونکہ فقط قتل کی نیت سزا کا موجب نہیں بنتی

دوسرا فرض:

اسلام میں گناہ انجام دینا' گناہ میں مدد کرنا' اور گناہ کے واقع ہونے پر راضی ہونا تینوں ممنوع ہیں سچے مسلمان کو تینوں اقسام سے دور رہنا چاہئے بنابراین اگر کوئی بے گناہ قتل کیا جائے تو کسی بھی مسلمان کو اس کے قتل پر راضی نہیں ہونا چاہئے لہٰذا اگر مقتول سے کوئی ناراض ہو اور اس کے قتل ہو جانے پر خوش ہو رہا ہو تو وہ بھی جرم میں قاتل کے ساتھ شریک ہے اس کے

دل میں اس قتل پر جو رضائیت ہے اس کی وجہ سے اسے سزا دی جائے گی چاہے وہ اپنی دل کی بات کو زبان پر لائے اور ظاہر کرے یا اسے چھپائے اور اسے ظاہر نہ کرے مذکورہ آیت میں جس نیت پر گرفت کے بارے میں بیان ہوا ہے اس سے اس طرح کی نیتیں مراد ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: اَلرَّاضِیْ بِفِعْلِ قَوْمٍ کَالدَّاخِلِ فِیْهِ مَعَهُمْ وَ عَلٰی کُلِّ دَاخِلٍ فِیْ بَاطِلٍ اِثْمَانِ اِثْمُ الْعَمَلِ بِهٖ وَ اِثْمُ الرِّضٰی بِهٖ

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص کسی قوم کے عمل پر راضی ہو وہ ان لوگوں کی طرح ہے جو اس کام میں اس کے ساتھ ہوں اور اس کی مدد کر رہے ہوں جو شخص کسی باطل اور ناجائز کام کی انجام دہی میں مداخلت کرتا ہے وہ دو گناہوں کا مرتکب بنتا ہے' ایک اس باطل کام کو انجام دینے کا گناہ اور دوسرا اس عمل پر راضی ہونے کا گناہ۔''[1]

دوم: وہ نیتیں جنہیں ہم ظاہر کریں یا ظاہر نہ کرے دونوں صورتوں میں مسئول ہیں اور ان کے بارے میں ہم سے پوچھا جائیگا' وہ افکار اور نیتیں ہیں جو ہم اپنے باطن میں اپنے ارادہ اور اختیار سے پیدا کرتے ہیں لیکن وہ خیالات اور افکار جو ہماری قدرت اور اختیار سے باہر ہیں اور ہمارے چاہنے کے بغیر ہمارے ضمیر پر قبضہ کرتے ہیں' وہ اس آیت کریمہ میں شامل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی انسان سے غیر اختیاری امور کے بارے میں نہیں پوچھے گا علاوہ اس کے کہ انسان اسے عملی طور انجام دے اور اسے عملی جامہ پہنائے۔

فِی الْحَدِیْثِ ثَلَاثٌ لَمْ یَسْلَمْ مِنْهَا اَحَدٌ اَلطِّیَرَۃُ وَ الْحَسَدُ وَ الظَّنُّ قِیْلَ وَمَا نَصْنَعُ؟ قَالَ اِذَا تَطَیَّرْتَ فَامْضِ وَ اِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ وَ اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُصَدِّقْ.

حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے پہلا فال بد دوسرا حسد تیسرا بدگمانی۔ پوچھا گیا ان تینوں امور کے مقابل ہمارا وظیفہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا؛ جب تم فال بد کے مقابل ہو تو اس کی پروہ کئے بغیر اپنے راستے کو جاری رکھو۔ اور تمہارے ضمیر میں کسی سے حسد پیدا ہو تو ظلم نہ کرو اور جس پر حسد کر رہے ہو اسے تکلیف نہ دو' اور جب تمہیں کسی پر بدگمانی ہو تو اس کے بارے میں تجسس اور تحقیق نہ کرو۔[2]

اس حدیث میں تین غیر اختیاری خیالات و افکار کے بارے میں بیان ہوا ہے جن پر انسان گرفتار نہیں ہوگا اور یہ بھی

---

[1] نہج البلاغہ کلمہ ۱۵۴
[2] تحف العقول صفحہ ۵۰

بتایا گیا ہے کہ تمام انسان ان امور میں مبتلا ہیں البتہ آنحضرت نے بتادیا ہے کہ اس وقت ان غیر اختیار افکار پر سزا نہ دی جائے گی جب تک ہم انہیں اپنے اختیار کے ساتھ عملی طور پر انجام نہ دیں لیکن اگر ہم نے اپنی غیر اختیاری سوچ پر عمل کیا تو غضب الٰہی کا شکار ہوں گے۔

اول: ہمارے اختیار کے بغیر فال بد دل کی تاریکی اور افکار کی پریشانی کا باعث بنتے ہیں' موحد مسلمان کا وظیفہ ہے کہ فال بد کی پرواہ نہ کرے اور خدا پر توکل کر کے اپنے راستے پر چلتا رہے لیکن اگر وہ فال بد کو کائنات میں موثر جانے تو وہ حق کی راہ سے منصرف ہو کر سزا کا حقدار ہوگا۔

دوم: انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کا دوست ہمسایہ یا اس کے ساتھ کام کرنے والا زندگی کے امور میں آگے بڑھ رہا ہے اور وہ پیچھے رہ گیا ہے تو یقیناً اسے افسوس ہوگا وہ اس سے حسد کرے گا اور اپنے باطن میں اس سے نعمت کے زائل ہوجانے کی آرزو کرے گا، یہ اندرونی کیفیت اس کے اختیار میں نہیں ہے اور بارگاہ خداوندی میں اس کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے گا لیکن اگر یہ شخص اپنی اندرونی حالت کو راضی کرنے کے لئے کوئی ناجائز کام انجام دے اور جس پر حسد کر رہا ہو اس پر عملاً ظلم کرے تو قیامت میں اسے سزا دی جائے گی۔

سوم: اگر انسان کسی کو کسی خاص حالت یا شرائط میں دیکھے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے بدظن ہوجائے گا اور اس کے ذہن میں اس شخص کے بارے میں گناہ آلودہ خیالات پیدا ہوں گے۔ ان تمام غیر اختیاری خیالات کی کوئی سزا نہیں، لیکن اگر بدظن ہونے کے بعد اختیاری عمل انجام دے اور اس کے تمام اعمال اور حرکات پر نظر رکھے تو یہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے اس بنا پر اسے سزا دی جائے گی۔

خلاصہ

مورد بحث آیت کریمہ ان پلید اور بدنیتوں کے بارے میں ہے جنہیں دنیا میں ہم اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ سوچتے ہیں یہی نیتیں قیامت میں اگر معاف نہ کی گئیں تو سزا کا باعث بنیں گی لیکن وہ افکار اور نیتیں جو ہمارے اختیار سے خارج ہیں اور ہمارے چاہنے کے بغیر ہی ہماری ضمیر پر مسلط ہوجاتی ہیں وہ اس آیت میں شامل نہیں ہیں۔

أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

قرآن مجید میں بعض مقامات پر، قیامت میں موجود تمام افراد کو اعمال کے لحاظ سے دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا گروہ؛ پاک اور نیک افراد ہیں یہ اصحاب میمنہ ہیں نامہ اعمال انہیں دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

دوسرا گروہ؛ بداور گنہگار لوگ ہیں یہ اصحاب مشئمہ ہیں نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

نامه اعمال اصحاب یمین
اهل تقوی، اهل ایمان ویقین
روز محشر باشد اندر دست راست
صاحب این نامه از غم رهاست
این جواز ره گشای جنت است
این برات جاودانه رحمت است
نامه اعمال اصحاب شمال
آن تبهکاران بس افسرده حال
باشد اندر دست چپ روز شمار
رمز محکومیت اصحاب نار
نامه شرمندگی و حسرت است
حکم بدکاران دور از رحمت است

ترجمہ:

دائیں طرف اصحاب یمین کا نامہ اعمال جو اہل تقوی، اہل ایمان اور اہل یقین ہیں ان لوگوں کا نامہ اعمال قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں ہوگا اس خط کے حامل افراد غموں سے رہا ہوں گے یہ جنت کے دروازے کا ٹکٹ ہے، یہ ان پر خدا کی ہمیشہ کے لئے رحمت ہے اصحاب شمال کا نامہ اعمال جو برباد ہوگئے پریشان ہوں گے قیامت کے دن ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا، یہ جہنمیوں کی محکومیت کا راز ہے یہ شرمندگی اور حسرت والا خط ہے، بدکاروں کے لئے رحمت سے دوری کا حکم ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ

”پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوجاتا جو ایمان لائے اور انہوں نے صبر اور مرحمت کی ایک دوسرے کو نصیحت کی یہی لوگ خوش نصیبی والے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا ہے وہ بدبختی والے ہیں انہیں آگ میں ڈال کر اسے

ہر طرف سے بند کر دیا جائے گا۔"[1]

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ ۙ فَیَقُوۡلُ ہَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا کِتٰبِیَہۡ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَہۡ

پھر جس کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سب سے کہے گا کہ ذرا میرا نامۂ اعمال تو پڑھو لیکن جس کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش یہ نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے اپنا حساب نا معلوم ہوتا۔[2]

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا وَّیَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَہۡلِہٖ مَسۡرُوۡرًا وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا

پھر جس کو نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان ہوگا اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی واپس آئے گا اور جس کو نامہ اعمال پشت کی طرف سے دیا جائے گا وہ عنقریب موت کی دعا کرے گا۔[3]

سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ مَا الۡحِسَابُ الۡیَسِیۡرُ قَالَ: اَنۡ یَّنۡظُرَ فِیۡ کِتَابِہٖ فَیَتَجَاوَزَ لَہٗ عَنۡہُ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حساب یسیر (آسان حساب) کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے آپ فرمایا:

"نامہ اعمال پر ایک نگاہ ڈال کر اس کے مالک کے حق میں اس سے چشم پوشی اختیار کی جائی گی۔"[4]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان چند آیات میں فقط دو گروہوں کے بارے میں اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے ان دو گروہوں کے لئے، ان دو ناموں کا انتخاب مذکورہ شرح کے مطابق اس وجہ سے ہے کہ قیامت کے دن نامہ اعمال یا ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں، البتہ سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مقربوں کے نام سے تیسرے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس گروہ کے نامہ اعمال کے بارے میں کوئی بات بیان نہیں ہوئی

وَّکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۔ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ

---

[1] سورۂ بلد آیت ۱۷ تا ۲۰

[2] سورۂ حاقہ آیت ۱۹، ۲۵۔۲۶

[3] سورۂ انشقاق آیت ۷ تا ۱۱

[4] تفسیر در المنثور جلد ۶ صفحہ ۳۲۹

اور تم تین گروہ ہو جاؤ گے پھر داہنے ہاتھ والے اور کیا کہنا داہنے ہاتھ والوں کا اور بائیں ہاتھ والے اور کیا پوچھنا ہے بائیں ہاتھ والوں کا اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے۔[۱]

قیامت میں تیسرا گروہ سب سے زیادہ باعظمت ہوگا، یہ گروہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے تمام پاک اور نیک لوگوں پر مقدم ہوگا بعض روایات میں ہے کہ سابقوں جو کہ مقربون اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں، ان سے مراد انبیاء اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام ہیں۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ قَالَ: اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی خَلَقَ ثَلَاثَةَ اَصْنَافٍ وَهُوَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ "وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً" اَلْاٰیَاتُ قَالَ: فَالسَّابِقُوْنَ هُمْ رُسُلُ اللهِ وَ خَاصَّةُ اللهِ مِنْ خَلْقِهٖ۔"

امام صادق علیہ السلام نے مذکورہ تین گروہوں کو ذکر کرنے اور مورد بحث آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا:

''سابقون اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کی بارگاہ کے مخصوص (لوگ) ہیں''۔[۲]

قرآن مجید میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال اور ان کی کتابوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ان دوگروہوں کے پاس نامہ اعمال ہوگا اور ان کے تمام دنیاوی امور محاسبہ اور بررسی ہوں گے لیکن مقربین جن سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء اللہ ہیں اولیاء اللہ میں سب سے پہلے امام علیؑ اور دیگر آئمہ اطہار علیہم السلام کا ذکر آتا ہے ان کے نامہ اعمال کے بارے میں کچھ کہے بغیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ خدا کی رحمت اور نعمت کی بہشت میں ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کی زندگی پاک و پاکیزہ گذری اور بارگاہ الٰہی میں ان کا مقام و منزلت اس قدر واضح اور روشن ہے کہ ان کے (اعمال کے لئے) محاسبہ اور بررسی کی ضرورت نہیں اور یہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوگے۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰی: وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً قَالَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ اَصْحَابِ التَّبِعَاتِ یُوْقَفُوْنَ لِلْحِسَابِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ والسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ سَبَقُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

---

[۱] سورۂ واقعہ آیت ۷ تا ۱۲

[۲] تفسیر صافی، صفحہ ۵۱۹

علامہ قمی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اصحاب میمنہ وہ مومنین ہوں گے جن کے اعمال کے بہت سے پیغام ہوں گے اور حساب کے لئے انہیں روکا جائے گا۔ دوسرا گروہ اصحاب مشئمہ ہیں، اصحاب مشئمہ کے کیا کہنے؟ تیسرا گروہ سابقون کا ہے جو سب سے پہلے ہوں گے، یہ بارگاہ الٰہی کے مقرب بندے ہیں، جو بہشت کی جانب سب سے آگے ہوں گے اور سب سے پہلے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

قیامت میں انبیاء کرام سے سوال

قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء کی امتوں اور خود انبیاء سے بھی سوال پوچھے گا:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ.

''پس اب ہم ان لوگوں سے بھی سوال کریں گے اور ان کے رسولوں سے بھی سوال کریں گے۔''[1]

ممکن ہے کوئی پوچھے کہ کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء کرام بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں موجود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا ان کے عقائد، اخلاق، اعمال اور جو کام انہوں نے پوری زندگی میں انجام دئے تھے کے ساتھ مربوط نہیں ہے بلکہ یہ سوال امر رسالت اور تبلیغ دین کے ساتھ مربوط ہے، لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا انبیاء نے خدا کا امر تم تک پہنچایا اور اپنی آسمانی ماموریت کو انجام دیا یا نہیں؟ اور انبیاء سے پوچھا جائے گا؛ کیا تم نے اوامر الٰہی کو اپنی قوم تک پہنچا کر اپنی مسئولیت کو عملی جامہ پہنایا تھا یا نہیں؟ یہ مطلب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی حدیث میں بیان ہوا ہے:

فِي الْاِحْتِجَاجِ عَنْ اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام فِيْ حَدِيْثٍ فَيُقَامُ الرُّسُلُ فَيُسْأَلُوْنَ عَنْ تَأْدِيَةِ الرِّسَالَاتِ الَّتِيْ حَمَلُوْهَا اِلٰى اُمَمِهِمْ فَيُخْبِرُوْنَ كَمَا قَالَ اللهُ "فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ".

احتجاج میں امام علی علیہ السلام سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

قیامت کے دن انبیاء کو دوبارہ اٹھا کر ان سے اپنی اپنی امتوں تک امر رسالت پہنچانے اور دین حق کی تبلیغ کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ جواب دیں گے کہ ہم نے پیغام رسالت لوگوں تک پہنچا کر اپنی ماموریت کو انجام دیا ہے اس کے بعد مختلف امتوں سے اس سلسلے میں پوچھا جائے گا لیکن وہ پیغمبروں کی باتوں کو جھٹلائیں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ہم تک

---

[1] سورۂ اعراف آیت ٦

کوئی پیغام نہیں پہنچایا تھا۔

اس کے بعد امام علیؑ نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی انبیاء اوران کی امتوں سے سوال والی آیت کو ذکر فرمایا۔

مشرکین اور کفر وضلالت کے اماموں کا انجام

جس طرح انبیاء کرام اور اللہ کے مخصوص اولیاء بارگاہ الٰہی کے دو مقرب گروہ ہیں اوران کا مقام اصحاب یمین سے بھی زیادہ بلند ہے اور یہ گروہ بغیر حساب وکتاب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔اسی طرح خدا کے ساتھ شریک کرنے والے اور کفر وضلالت کے امام ایسے دو گروہ ہیں جنہیں خدا کی بارگاہ سے ہٹایا گیا ہے اور دونوں گروہ کا مقام اصحاب شمال سے بھی پست ہوگا یہ گروہ بغیر حساب وکتاب کے دوزخ میں داخل ہوں گے مشرک اپنے ظالمانہ اقدامات کی وجہ سے عقل سے کام نہیں لیتے، وہ لوگ خدا کی مخلوق کو، خدا کی جگہ اپنا معبود بنا کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اس طرح وہ عظیم ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں اس گروہ کا گناہ قرآن مجید کے مطابق ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔[1]

"اللہ اس بات کو معاف نہیں کرسکتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے"۔

مشرکوں نے اگر اپنی زندگی میں اچھے کام انجام دیئے ہوں اور مشرک ہوکر مرجائیں تو بھی قیامت میں ان کے یہ اعمال مؤثر نہیں ہوں گے کیونکہ شرک اتنی آفت ہے جس پر کوئی بھی عمل اثر نہیں کرسکتا۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

"اور اگر یہ لوگ شرک اختیار کرلیتے تو ان کے بھی سارے اعمال برباد ہوجاتے"۔[2]

خلاصہ

خدا کے ساتھ شرک عظیم اور نہ بخشا جانے والا گناہ ہے قیامت میں مشرک سے کوئی حساب وکتاب نہیں ہوگا اور اس کے اعمال کو نظر انداز کرکے اسے بغیر محاسبہ کے جہنم میں داخل کیا جائے گا، کیونکہ اس کے نامہ اعمال میں شرک کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا اور اگر بالفرض اس نے اپنی زندگی میں نیک اعمال انجام دیئے ہوں تب بھی شرک کی آفت ان سب کو ختم کردے گی اور اسکے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔

---

[1] سورۂ نساء۔ آیت ۴۸

[2] سورۂ انعام آیت ۸۸

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُحَاسِبُ كُلَّ خَلْقٍ اِلَّا مَنْ اَشْرَكَ بِاللهِ فَاِنَّهُ لَا يُحَاسِبُ وَيُؤْمَرُ بِهِ اِلَى النَّارِ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے حساب لے گا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے خدا کے ساتھ شرک کیا یہ (لوگ) شرک کی وجہ سے جہنمی اور عذاب کے حقدار ہیں اور ان پر حساب کے بغیر جہنم کا حکم جاری ہوگا“۔[1]

دوسرا گروہ جن کے نیک اعمال مشرکین کی طرح حبط اور بے اثر ہوں گے اور وہ حساب وکتاب کے بغیر جہنم میں جائے گے وہ کفر وضلالت کے رہبر ورہنماء ہیں، یہ لوگ اپنے باطن میں خدا اور اس کے رسول کے دین کو مزاق سمجھتے تھے خود بھی گمراہ اور منحرف تھے اور دوسرے نادان لوگوں کو بھی گمراہی کی طرف کھینچتے تھے اس طرح یہ ان کی گمراہی کا باعث بن جاتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا.

”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آیات پروردگار اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ہے تو ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے ان کی جزا ان کے کفر کی بنا پر جہنّم ہے کہ انہوں نے ہمارے رسولوں اور ہماری آیتوں کو مذاق بنالیا ہے۔“[2]

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ حَدِيْثٍ يُذْكَرُ فِيْهِ اَهْلَ الْمَوْقِفِ وَ اَحْوَالُهُمْ وَ مِنْهُمْ اَئِمَّةُ الْكُفْرِ وَ قَادَةُ الضَّلَالَةِ فَاُوْلٰئِكَ لَا يُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا وَلَا يَعْبَؤُ بِهِمْ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَعْبَؤُا بِاَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ فَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ.

امام علی علیہ السلام نے ایک مفصل گفتگو میں قیامت میں موجود لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”ان میں سے کفر کے رہنما اور گمراہی اور ضلالت کے رہبر بھی ہیں اللہ تعالیٰ اس گروہ کے لئے میزان عمل قائم نہیں کریگا اور ان کی کوئی پرواہ نہیں فرمائے گا، جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی پرواہ نہیں کی تھی اور وہ ہمیشہ

---

[1] سفینہ جلد ا حسب، ۲۴۹
[2] سورۂ کہف آیت ۱۰۵۔۱۰۶

جہنم میں رہیں گے۔"[1]

گمراہی کے امام کی آرزو

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

گذشتہ زمانے میں ایک دنیا طلب شخص تھا جس نے اپنی آرزو اور تمنا تک پہنچنے کے لئے بہت کوششیں کیں لیکن وہ حلال وحرام طریقے سے اپنے مقصد تک نہ پہنچ سکا (اس نے اپنے مقصد تک رسائی کے لئے) لوگوں کے لئے نیا دین بنانے کا ارادہ کیا اس نے خود کو خدا کی طرف سے رہبر و رہنما کہا اور اپنے شیطانی افکار کو خدا کے آئین کا نام دیا اس طرح اس نے سادہ دل لوگوں کو غافل کر کے اپنی جانب متوجہ کر لیا آہستہ آہستہ کچھ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کی بدعتوں کو دین حق کے طور پر قبول کرنے لگے، بڑے عرصے تک اس طرح چلتا رہا اور وہ اپنے مقصد تک پہنچ گیا۔

ثُمَّ إِنَّهُ فَكَّرَ فَقَالَ مَا صَنَعْتُ ابْتَدَعْتُ دِيناً وَ دَعَوْتُ النَّاسَ إِلَيْهِ وَ مَا أَرَى لِي تَوْبَةً إِلَّا أَنْ آتِيَ مَنْ دَعَوْتُهُ فَأَرُدَّهُ عَنْهُ فَجَعَلَ يَأْتِي أَصْحَابَهُ الَّذِينَ أَجَابُوهُ فَيَقُولُ إِنَّ الَّذِي دَعَوْتُكُمْ إِلَيْهِ بَاطِلٌ وَ إِنَّمَا ابْتَدَعْتُهُ فَجَعَلُوا يَقُولُونَ كَذَبْتَ هُوَ الْحَقُّ وَ لَكِنَّكَ شَكَكْتَ فِي دِينِكَ فَرَجَعْتَ عَنْهُ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عَمَدَ إِلَى سِلْسِلَةٍ فَوَتَّدَ لَهَا وَتِداً ثُمَّ جَعَلَهَا فِي عُنُقِهِ وَ قَالَ لَا أُحُلُّهَا حَتَّى يَتُوبَ اللهُ عَلَيَّ فَأَوْحَى اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَى نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قُلْ لِفُلَانٍ وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَوْ دَعَوْتَنِي حَتَّى تَنْقَطِعَ أَوْصَالُكَ مَا اسْتَجَبْتُ لَكَ حَتَّى تَرُدَّ مَنْ مَاتَ عَلَى مَا دَعَوْتَهُ إِلَيْهِ فَيَرْجِعَ عَنْهُ.

عمر کی آخر میں اسے اپنے غلط کاموں کا احساس ہوا اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگا میں نے بہت برا کام انجام دیا ہے اپنا جھوٹا دین بنا کر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور ان کی گمراہی کا باعث بنا، میرے خیال میں۔ میرے اس عظیم گناہ کی وجہ سے توبہ کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں سوائے اس کے کہ میں اپنے پیروکاروں کے پاس جا کر انہیں، اس راستے سے منحرف کروں اس نے ایسا ہی کیا اور بار بار رفت و آمد کے ذریعے اس نے اپنے پیروکاروں کو واضح طور پر کہہ دیا کہ میری دعوت باطل تھی اور میں تمہیں جو آئین سکھایا ہے وہ بدعت ہے جس کی بنیاد خود میں نے رکھی تھی۔ اس لئے تم سب اسے ترک کر کے اس راستے سے واپس لوٹ آؤ۔

اس کے پیروکاروں نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد جواب دیا؛ تم جھوٹ بول رہے ہو تیرا دین تو برحق ہے

[1] تفسیر صافی، صفحہ ۳۳۵

لیکن تم نے اپنے شک کی بنا پر اسے ترک کر دیا ہے۔

جب اس نے یہ صورت حال دیکھی اور لوگوں پر اس کی گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا تو اس نے اپنی گردن اور ہاتھوں کو زنجیروں سے باندھ کر کہا؛ میں انہیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمالے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کے ایک نبی پر وحی نازل ہوئی کہ فلاں بندہ کے پاس جا کر کہو کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے پکارتے وقت اگر تم خود کو اتنی تکلیف دو کہ تیری ہڈیوں کے تمام جوڑ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تب بھی میں تیری دعا اور توبہ کو قبول نہیں کروں گا سواء اس کے کہ ان تمام لوگوں کو جنہیں تم نے اپنی باتوں کے ذریعے گمراہ کیا ہے اگر مر چکے ہیں تو زندہ کر کے اپنے باطل عقیدے سے منصرف کر دو۔[1]

حساب کے بغیر بہشت میں جانا

قیامت کے دن چار گروہوں کا حساب وکتاب نہیں ہوگا اور ان کے دنیاوی امور کی بررسی نہیں کی جائے گی۔

پہلا اور دوسرا گروہ؛ انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کا ہے یہ گروہ بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوگا۔

چوتھا اور پانچواں گروہ۔ مشرکین اور کفر وضلالت کے اماموں کا ہے یہ دونوں گروہ بغیر حساب کے جہنم میں جائیں گے اس کے علاوہ تمام اصناف واقسام کے لوگوں کو حساب وکتاب کے لئے ٹھرایا جائے گا ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا نیک لوگوں کو انعام اور برے لوگوں کو سزا دی جائے گی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع اور لامحداد ہے اور دوسری طرف صالح لوگوں کے ایمان اور خلوص کے مراتب اور ان کے اخلاق اور اعمال کے درجات مختلف ہوتے ہیں اس بنا پر ان کی حساب رسی بھی مختلف ہوگی ممکن ہے کسی ایک کا خالص عمل اس قدر صاحب عمل کے درجات کو بلند کر دے اور اسے اللہ کی رحمت میں شامل کر دے کہ حکم پروردگار سے اس کے دیگر اعمال کے محاسبہ کو منع کیا جائے اور وہ اہل بہشت کے ساتھ جنت الفردوس کی طرف روانہ ہو جائے اس سلسلے میں آئمہ معصومین علیہم السلام کی بہت سی روایات موجود ہیں ہم یہاں صرف دو روایات کو بیان کر رہے ہیں

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ علیہ السلام قَالَ: مَنْ قَبِلَ اللهُ مِنْهُ حَسَنَةً وَاحِدَةً لَمْ یُعَذِّبْهُ اَبَدًا وَ دَخَلَ الْجَنَّةَ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اگر کسی کا کوئی نیک عمل بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جائے وہ ہرگز خدا کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا اور ایسا انسان

---

[1] عقاب الاعمال صدوق صفحہ ۳۰۶

بہشتی ہے۔[1]

صحیح اعمال انجام دینا ہمارے ذمہ ہے اور اس عمل کو قبول کرنا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہے۔ صحیح عمل ایسا اچھا کام ہے جسے مکلف تمام شرعی شرائط کے ساتھ بجالاتا ہے اور اس کی وجہ سے صاحب عمل انعام کا حقدار بنتا ہے۔

مقبولیت عمل کی شرائط

عمل کی مقبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط خلوص نیت ہے یہ ایک ہی مشکل کام ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے ضمیر کو خدا کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اپنے دل کو ان تمام افکار و نظریات سے پاک کر دیتا ہے جو خلوص نیت کے منافی ہوں اگر کوئی مومن چاہے ایک ہی مرتبہ اس طرح کا مخلصانہ عمل انجام دے تو گویا وہ عظیم توفیق پر فائز ہو گیا اور امام صادقؑ کے فرمان کے مطابق، اگر کسی کا ایک نیک عمل بھی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو تو وہ بہشتی ہوگا اور خداوند عالم ہرگز اسے عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا

بعض لوگ اپنی پوری زندگی کسی ایک نیک صفت کو اپناتے ہیں اور جس قدر ممکن ہوتا ہے اسے خلوص کے ساتھ انجام دیتے ہیں بعض روایات کے مطابق قیامت کے دن ان کا یہ مخلصانہ عمل اس قدر پر ارزش ہوگا کہ اس کی وجہ سے صاحب عمل کے دیگر تمام اعمال کا محاسبہ نہیں کیا جائیگا اور حکم پروردگار ہوگا کہ اسے بغیر حساب کے بہشت میں داخل کیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام عَنْ آبَائِہٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ جَمَعَ اللّٰہُ الْخَلَائِقَ فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یَسْمَعُ آخِرُھُمْ کَمَا یَسْمَعُ اَوَّلُھُمْ یَقُوْلُ: اَیْنَ اَھْلُ الصَّبْرِ؟ فَیَقُوْمُ عُنُقٌ مِّنَ النَّاسِ فَتَسْتَقْبِلُھُمْ زُمْرَۃٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَھُمْ مَا کَانَ صَبْرُکُمْ ھٰذَا الَّذِیْ صَبَرْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: صَبَّرْنَا اَنْفُسَنَا عَلٰی طَاعَۃِ اللّٰہِ وَ صَبَّرْنَاھَا عَنْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ قَالَ: فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ صَدَقَ عِبَادِیْ خَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ لِیَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ

قَالَ: ثُمَّ یُنَادِیْ مُنَادٍ آخَرُ یَسْمَعُ آخِرُ ھُمْ کَمَا یَسْمَعُ اَوَّلُھُمْ فَیَقُوْلُ: اَیْنَ اَھْلُ الْفَضْلِ فَیَقُوْمُ عُنُقٌ مِّنَ النَّاسِ فَتَسْتَقْبِلُھُمْ زُمْرَۃٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ فَیَقُوْلُوْنَ مَا فَضْلُکُمْ ھٰذَا الَّذِیْ نُوْدِیْتُمْ بِہٖ؟ فَیَقُوْلُوْنَ کُنَّا یُجْھَلُ عَلَیْنَا فِی الدُّنْیَا فَنَحْتَمِلُ وَ یُسَاءُ اِلَیْنَا فَنَعْفُوْ قَالَ: فَیُنَادِیْ مُنَادًا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ صَدَقَ عِبَادِیْ خَلُّوْ سَبِیْلَھُمْ لِیَدْخُلُو الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ

---

[1] مجموعہ ورام جلد ۲ صفحہ ۸۴

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جس وقت قیامت کا دن آئے گا اور اولین و آخرین تمام مخلوق حکم خدا سے میدان محشر میں جمع ہوں گے تو منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دے گا جسے محشر میں موجود تمام لوگ سنیں گے (منادی) کہے گا اہل صبر کہاں ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور اپنی گردنیں بلند کر کے کہیں گے کہ ہم اہل صبر ہے کچھ ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے: تم نے کس چیز پر صبر کیا تو وہ کہیں گے: ہم نے اپنے نفس کو خدا کی اطاعت میں صبر اور اس کی نافرمانی نہ کرنے میں صبر پر مجبور کیا منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دے گا کہ میرے بندے سچ کہے رہے ہیں ان کو راستہ دو تا کہ بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں داخل ہو جائیں اس کے بعد ایک اور منادی آواز بلند کرے گا جسے سب سنیں گے وہ کہے گا اہل فضل کہاں ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہو کر اپنی گردنیں بلند کریں گے اور کہیں گے کہ ہم اہل فضل ہیں۔

کچھ ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے: تمہارا فضل کس چیز کی وجہ سے ہے؟ وہ کہیں گے: دنیا میں ہمارے ساتھ جاہلانہ برتاؤ ہوتا تھا لیکن ہم اس پر تحمل کر لیا کرتے تھے، ہمارے ساتھ برا سلوک کیا جاتا تو ہم اسے بخش دیتے تھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے منادی ندا دے گا کہ: یہ سچ کہے رہے ہیں ان کو راستہ دو تا کہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے۔[1]

محاسبۂ نفس

اہل ایمان کے محاسبہ میں کریم اور مہربان پروردگار بہت آسانی فرماتا ہے۔ ان کے گناہوں کو چھوٹی چھوٹی چیزوں کی وجہ سے بخش کر انہیں اپنے دامن عفو میں جگہ دیتا ہے لیکن آخرت کے حساب کے تمام مراحل آسانی کے ساتھ طے ہونے اور جلد از جلد اعمال کی تحقیق و بررسی ہو جانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص دنیا میں اپنے اعمال کا حساب کرے اور روزانہ ہر دن کے نامہ اعمال کا محاسبہ کرے کیونکہ یہ کام قیامت کی مشکلات کو کم کرتا ہے اور انسان کی نجات کے اسباب مہیا کرتا ہے یہاں تک کہ حدیث میں ہے کہ

مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يُحَاسِبْهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

جو بھی دنیا میں اچھی طرح سے اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی حساب رسی نہیں کرے گا۔[2]

اسلام میں محاسبۂ نفس پر خاص توجہ دی گئی ہے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی بہت سی روایات اس موضوع پر بیان ہوئی ہیں،

[1] امالی شیخ طوسی جلد ا صفحہ ۱۰۰

[2] مفردات راغب۔ احسب

احادیث کی کتابوں میں علمائے حدیث نے اس موضوع کیلئے مخصوص باب بنائے ہیں، ان روایات میں تاکید کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور اس مفید کام سے ہرگز غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ الْحَكَمِ عَنِ الْكَاظِمِ عليه السلام أَنَّهُ قَالَ: يَا هِشَامُ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ

ہشام بن حکم نے حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اے ہشام! وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور ہمارے ساتھ معنوی وابستگی نہیں رکھتا ہے جو روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرتا ہو'۔ [۱]

امام علی علیہ السلام نے ایک خطبے میں باایمان اور وظیفہ شناس لوگوں کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔

آپ نے اس خطبہ میں عالم آخرت کے اوپر ان کے یقین کے بارے میں بتایا اور پھر آپ نے لوگوں کی توجہ کو محاسبہ نفس اور ان کاموں کی طرف مبذول فرمایا جنہیں انجام دینے میں وہ سستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

فَلَوْ مَثَّلْتَهُمْ لِعَقْلِكَ فِي مَقَاوِمِهِمُ الْمَحْمُودَةِ وَ مَجَالِسِهِمُ الْمَشْهُودَةِ وَ قَدْ نَشَرُوا دَوَاوِينَ أَعْمَالِهِمْ وَ فَرَغُوا لِمُحَاسَبَةِ أَنْفُسِهِمْ عَلَى كُلِّ صَغِيرَةٍ وَ كَبِيرَةٍ أُمِرُوا بِهَا فَقَصَّرُوا عَنْهَا أَوْ نُهُوا عَنْهَا فَفَرَّطُوا فِيهَا

اگر تم اس پاک دل اور باایمان گروہ کو اپنے عقل میں تمثیل دو تو تم انہیں عبودیت کے مقام محمود اور بندگی اور اطاعت کی ظاہری مجالس میں دیکھو گے کہ جن اعمال کو انہوں نے انجام دیا ہے اس کے نامہ اعمال کو اپنے ضمیر میں کھول کر اپنے حالات سے باخبر ہونے کے لئے تیار ہیں تاکہ اپنے ہر چھوٹے اور بڑے کام کا محاسبہ کریں اور جان لیں کہ کس مقام پر انہوں نے امر الٰہی کی انجام دہی میں کوتاہی کی ہے اور کن مقامات پر امر الٰہی پر توجہ نہ دے کر افراط کا شکار ہوئے ہیں۔ [۲]

مومن اور باایمان لوگ محاسبہ نفس کی وجہ سے بیدار دل اور آگاہ ہوتے ہیں، انہیں اپنے عیوب اور نقائص کی خبر ہوتی ہو ان کی توجہ اپنے گناہوں کی جانب ہوتی ہے، ایسے لوگ دوبارہ اپنے رب کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اس کے حضور احساس شرمندگی اور خود کو سزا کا مستحق ٹھہراتے ہیں یہی اندرونی روحانی اور ناراحتی کی کیفیت ان کے حقیقی ایمان کی علامت ہے جو انہیں عفو پروردگار میں شامل کر دیتی ہے اور ان کے نامہ اعمال سے گناہوں کے نشانات مٹا کر ان کو اپنی لامحدود رحمت میں

---

[۱] مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۳۵۳

[۲] نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۲

شامل کردیتی ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: قَالَ اللهُ جَلَّ جَلَالُهُ مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لِیْ اُعَذِّبَهُ وَ اَنَّ لِیْ اَنْ اَعْفُوَ عَنْهُ عَفَوْتُ عَنْهُ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جو شخص کسی گناہ کو انجام دے اور جانتا ہو کہ یہ حق صرف مجھے ہے کہ میں اسے سزا دوں یا معاف کردوں تو میں ایسے شخص کو بخش کر اس کے گناہ سے درگذر کرتا ہوں"۔[۱]

وہ لوگ جو اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتے اور روزانہ گناہ کے مرتکب ہو کر اپنے گناہوں کو بڑھاتے ہیں، ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی نہ صرف بعید نظر آتی ہے بلکہ اس لاپرواہی کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ ارتداد اور کفر کا راستہ اختیار کرلیں۔قرآن مجید میں بھی اس عظیم خطرہ کو بیان کیا گیا ہے:

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَاءُوا السُّوْٓاٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللهِ وَکَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ۔

اس کے بعد برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور برابران کا مذاق اڑاتے رہے۔[۲]

قیامت که نیکان به اعلی رسند
زقعر ثری تاثر یا رسند
توراخود بماندسراز تنگ پیش
که گردت برآید عمل های خویش
برادر زکار بدان شرم دار
که در روی نیکان شوی شرم سار

ترجمہ:

قیامت کے دن نیک لوگ عظیم درجے پر فائز ہوں گے وہ پستیوں سے بلندیوں پر پہنچ جائیں گے جب تمہارے اردگرد تمہارے اعمال ہوں گے تو تمہارا سر چکرا جائے گا

---

[۱] ثواب الاعمال صفحہ ۲۱۳

[۲] سورہ روم۔آیت ۱۰،

اے بھائی! بدکردار لوگوں کے کاموں سے شرم کرو، ورنہ تم باکردار لوگوں کے سامنے شرمسار ہوں گے۔

نتیجہ:

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے قیامت میں بھی ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے پاس ہوگا تا کہ وہ اسے پڑھے اور اپنی وضعیت سے باخبر ہوجائے۔ اگر کوئی شخص جب تک وہ زندہ ہے اپنے وظیفہ کو اچھی طرح سے انجام دے اور دنیا میں جو کام کر رہا ہے ان کے بارے میں جان لے اور برے کام انجام دینا چھوڑ دے تو قیامت میں محاسبہ کی پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔

لیکن اگر وہ دنیا میں اپنے برے کاموں کو ناچیز سمجھے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی انجام دہی میں لا پرواہی برتے تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں جو اعمال نامہ دیا جائے گا وہ گناہوں سے پر ہوگا وہ اسے پڑھے گا اور جان لے گا کہ اس نے دنیا میں کون سے کام کئے تھے۔

اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ۔

اب اپنی کتاب کو پڑھ لو آج تمہارے حساب کے لئے یہی کتاب کافی ہے۔[1]

نامه خود را بخوان ازنیك و بد
خود تویی برکرده های خود سند
برتو امروز است نفس خود حسیب
هم تو راز افعال خود باشد نصیب

ترجمہ:

اپنا نیک اور بد نامہ اعمال پڑھو۔ تم خود ہی اپنے کئے ہوئے کاموں پر سند ہو، آج کے دن خود تمہارا نفس تمہارا حساب کرنے والا ہے تمہیں تمہارے افعال میں سے ہی نصیب ہوگا

ائمہ اہلبیتؑ کے تحریری تذکرات

ایک طریقہ جس سے انسانوں کی ہدایت کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام استفادہ کیا کرتے تھے وہ مختلف موقعوں پر لوگوں کو تحریری یا زبانی تذکر دینا ہے، اس طرح آپ غافل لوگوں کو آگاہ کرتے اور انہیں محاسبہ نفس کے فر

[1] سورۂ اسراء آیت ۱۴

یضہ کی طرف متوجہ کرتے تھے اس طرح آپ لوگوں کی نجات اور سعادت کے وسیلے مہیا فرمایا کرتے تھے۔

محمد ابن مسلم زہری کا شمار بنی مروان کے دور کے مشہور و معروف اشخاص میں ہوتا تھا، وہ اپنے عقل و ہوش علوم اکتسابی اور دینی معلومات کی وجہ سے اپنے دور کے اکثر لوگوں پر فوقیت و برتری رکھتا تھا، وہ ظالم حکمرانوں کے فائدے کے لئے کام انجام دیتا جس کی وجہ سے ظالم حکومت کے قیام میں اس کا بنیادی کردار تھا

امام سجادؑ نے مفید تذکرات اور دیگر ضروری باتوں پر مشتمل ایک خط اسے لکھا جس میں آپ نے اسے اس خطرناک راستے اور اس کے نقصانات سے خبردار فرمایا۔

امام علیہ السلام نے اپنی بات کا آغاز اس جملے سے فرمایا:

كَفَانَا اللهُ وَإِيَّاكَ مِنَ الْفِتَنِ وَ رَحِمَكَ مِنَ النَّارِ فَقَدْ أَصْبَحْتَ بِحَالٍ يَنْبَغِي لِمَنْ عَرَفَكَ بِهَا أَنْ رَحِمَكَ

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں مصیبتوں اور پریشانیوں کے ذریعے امتحان میں دوسرے کی مدد سے بے نیاز فرمائے، اور اپنے غصے کی آگ سے تم پر رحم کرے بیشک تم نے اس حالت اور وضعیت میں صبح کا آغاز کیا ہے کہ سب تمہیں پہچان رہے ہیں اور سب تمہارے حال سے باخبر ہیں تم پر رحم کرے۔

فَانْظُرْ أَيَّ رَجُلٍ تَكُونُ غَدًا إِذَا وَقَفْتَ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ فَسَئَلَكَ عَنْ نِعْمَةٍ عَلَيْكَ كَيْفَ رَعَيْتَهَا وَ عَنْ حُجَجِهِ عَلَيْكَ كَيْفَ قَضَيْتَهَا وَلَا تَحْسَبَنَّ اللهَ قَابِلاً مِنْكَ بِالتَّعْذِيرِ وَلَا رَاضِيًا مِنْكَ بِالتَّقْصِيرِ

دیکھو! کل جب تم حساب و کتاب کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگے تم کیسے بندے ہوگے وہ تم سے پوچھے گا کہ اس نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی تھیں تم نے ان کی کس طرح رعایت کی؟ جو دلائل تمہیں دیئے گئے تم نے ان کے ساتھ گفتار و کردار کے ذریعے کیسے قضاوت کی۔

یہ مت سوچو کہ خدا تجھ جیسے عالم اور عاقل کا عذر قبول کرے گا اور تیرے گناہ سے درگذر کرے گا۔

وَاعْلَمْ أَنَّ مَا كَتَمْتَ وَأَخَفَّ مَا احْتَمَلْتَ أَنْ آنَسْتَ وَحْشَةَ الظَّالِمِ وَ سَهَّلْتَ لَهُ طَرِيقَ الْغَيِّ بِدُنُوِّكَ مِنْهُ حِينَ دَنَوْتَ وَ إِجَابَتِكَ لَهُ حِينَ دُعِيتَ۔

تم جان لو کہ سب سے زیادہ ناچیز عمل جسے تم نے اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا ہے یہ ہے کہ تم نے گناہ انجام دیتے وقت ظالم کی پریشانی کو برطرف کر دیا اور اس کے ظلم و ستم کے لئے راہ ہموار کی ہے یہ ناجائز کام ظالم ساتھ تمہارے کے نزدیک

ہونے اور تمہارے دعوت قبول کرنے کی وجہ سے ہوا

إِنَّكَ أَخَذْتَ مَا لَيْسَ لَكَ مِمَّنْ أَعْطَاكَ وَ دَنَوْتَ مِمَّنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَى أَحَدٍ حَقّاً وَ لَمْ تَرُدَّ بَاطِلًا حِينَ أَدْنَاكَ وَ أَحْبَبْتَ مَنْ حَادَّ اللهَ أَ وَ لَيْسَ بِدُعَائِهِ إِيَّاكَ حِينَ دَعَاكَ جَعَلُوكَ قُطْباً أَدَارُوا بِكَ رَحَى مَظَالِمِهِمْ وَ جِسْراً يَعْبُرُونَ عَلَيْكَ إِلَى بَلَايَاهُمْ وَ سُلَّماً إِلَى ضَلَالَتِهِمْ

''جو چیز تیرا حق نہ تھا تو نے اسے لے لیا اور تو ایسے شخص کے نزدیک ہوا جس نے جیسے ہی تجھے اپنے پاس جگہ دی نہ اس نے صاحب حق تک حق کو پہنچایا اور نہ ہی باطل کو اس کی راہ سے دور کیا تم نے اس روش کے انتخاب سے دشمن خدا کو اپنا دوست بنالیا کیا ایسا نہیں ہے کہ جب تو ظالم کا مددگار بنا تو وہ تجھے اپنا محور بنا کر اپنی ناانصافی کی چکی کو اس کے گرد پھرانے لگے؟ انہوں نے تجھے پل بنایا تا کہ وہ اپنے ناجائز اہداف تک پہنچنے کے لئے اس سے عبور کرسکیں؟ انہوں نے تجھے سیڑھی بنایا تا کہ اپنی گمراہیوں تک رسائی حاصل کرسکیں؟ [1]

امام سجاد علیہ السلام نے اس خط میں مذکورہ باتوں کے علاوہ اور بہت سے درس آموز مطالب کو صراحت کے ساتھ محمد بن مسلم زہری کے سامنے بیان کیا، آپؑ نے امام معصومؑ اور معلم انسانیت کے عنوان سے اس عالم شخص کے پاس جو انحراف کا شکار ہو چکا تھا لازم مطالب بیان فرمائے تا کہ شاید وہ سنبھل کر باطل راستہ ترک کردے اور حق اور سچ کے راستے کی طرف لوٹ آئے۔ امامؑ نے خط میں محاسبہ نفس کے متعلق بھی بیان فرمایا؛ اس طرح آپؑ نے اس پر روشن کردیا کہ وہ اپنے اعمال کی کتاب میں دقت کرے اور اپنے نفس کا مسئول انسان کی طرح محاسبہ کرے۔

فَانْظُرْ لِنَفْسِكَ فَإِنَّهُ لَا يَنْظُرُ لَهَا غَيْرُكَ وَ حَاسِبْهَا حِسَابَ رَجُلٍ مَسْؤُلٍ.

چشم بصرت سے خود کو دیکھو اور اپنے بارے میں فکر کرو کیونکہ کوئی اور اصلاح کی آنکھ سے تجھے نہیں دیکھے گا، اپنے نفس کا دقت کے ساتھ محاسبہ کرو اور اس سے اس شخص والا محاسبہ کرو جس کے اوپر مسئولیت ہوتی ہے۔ [2]

قیامت کے دن اولین و آخرین تمام مخلوقات کے محاسبہ اور ان کی حساب رسی کے بارے میں، قرآن مجید میں بہت سی آیات موجود ہیں قرآن کی بعض آیات میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرعت کے ساتھ لوگوں کا حساب لے گا، یہ مطلب بعض آیات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے

لِيَجْزِيَ اللهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ. إِنَّ اللهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ.

---

[1] تحف العقول صفحہ ۲۷۴

[2] تحف العقول صہ ۲۷۴

تا کہ خدا ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دے دے کہ وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔[1]

لیکن سختی اور آسانی کے لحاظ سے مخلوقات کی حساب رسی کی کیفیت مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوگی۔ کچھ لوگ با ایمان اور نیک ہیں جن سے با آسانی حساب لیا جائے گا اور وہ بہت جلد حساب وکتاب سے فارغ ہو جائیں گے، قرآن مجید میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

پھر جس کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان ہوگا۔[2]

مومنوں کے حساب میں سختی

بعض لوگ مومن اور اہل نجات ہونے کے باوجود، ممکن ہے اپنی دنیاوی زندگی میں کچھ نامطلوب اور نامناسب صفات یا سختی سے پیش آنے کی وجہ سے قیامت کے دن دقت کے ساتھ ان کے حساب رسی ہو اور انہیں سزا دی جائے، لیکن اس تھوڑی سی سختی میں ان پر ہرگز ستم نہ ہوگا البتہ یہی دقیق محاسبہ ان کے لئے سخت اور دردناک ہوگا۔ قرآن مجید میں اس حساب رسی کو "سوء حساب" (محاسبہ بد) کا نام دیا گیا ہے ایمان رکھنے والے نیک لوگ اس طرح کی حساب رسی سے بھی خوفزدہ نظر آئیں گے

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ.

اس بات کو صرف صاحبانِ عقل ہی سمجھ سکتے ہیں جو عہدِ خدا کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے ہیں اور جوان تعلقات کو قائم رکھتے ہیں جنہیں خدا نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور بدترین حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔[3]

امام صادق علیہ السلام کے دوستوں اور شیعوں میں سے ایک شخص اپنے مقروض کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا، وہ اپنی رقم کے حصول کے لئے اس پر بہت سخت گیری سے پیش آرہا تھا

امام علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] سورہ ابراہیم آیت ۵۱

[2] سورہ انشقاق۔ آیت ۷، ۸

[3] سورہ رعد آیت: ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱

يَا فُلَانُ مَا لَكَ وَ لِأَخِيكَ قَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ كَانَ لِي عَلَيْهِ حَقٌّ فَاسْتَقْصَيْتُ مِنْهُ حَقِّي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه السلام أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللهِ وَ يَخافُونَ سُوءَ الْحِسابِ أَتَرَاهُمْ خَافُوا أَنْ يَجُورَ عَلَيْهِمْ أَوْ يَظْلِمَهُمْ؟ لَا وَ اللهِ خَافُوا الِاسْتِقْصَاءَ وَ الْمُدَاقَّةَ.

اے فلاں! تجھے تیرے بھائی سے کیا کام ہے؟

تم کیوں اس کے لئے زحمت کے موجب بنتے ہو؟

اس نے عرض کیا: میرا اس پر حساب رہتا ہے، میں اس سے مکمل طور اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کے حساب میں دقت کرتا ہو، اس پر کسی طرح کا ظلم وستم نہیں کرتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا؛ مجھے بتاؤ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ:

وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ.

بدترین حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔[1]

تم کیا سمجھتے ہو کہ ان کا یہ خوف محاسبہ میں ان پر ظلم وستم کی وجہ سے ہے؟

ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا (بلکہ اس آیت میں) ان پر حساب میں سختی کے بارے میں بیان ہوا ہے اور وہ اسی سے خوف زدہ ہیں۔[2]

امام علیہ السلام نے اس حدیث میں واضح بیان کے ذریعے مذکورہ آیت میں موجود ''سوء الحساب کے معنی کی تفسیر کو بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اس روایت میں اعتراض کے ساتھ تذکر دے کر آیت **یخافون سوء الحساب** سے پردہ کو ہٹا دیا ہے۔

شاید امام علیہ السلام قرض دینے والے اور دیگر تمام اپنے پیروکاروں کو سمجھانا چاہتے تھے کہ قیامت کے سوء الحساب اور سختیوں کو فراموش نہ کرو۔ دنیاوی امور کی حساب رسی میں اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور آسانی کے ساتھ ان سے حساب وکتاب کرو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں شامل ہوسکو اور سوء الحساب کے رنج اور تکالیف سے محفوظ رہو۔

---

[1] سورۂ رعد آیت ۲۱

[2] معانی الاخبار صفحہ ۲۴۶

قیامت میں ظالموں کا حساب و کتاب

قیامت، لوگوں کے نامہ اعمال کی چھان، بین کا دن ہے اس دن تمام اولین و آخرین مخلوقات کے اعمال کی ہر اعتقادی اخلاقی اور عملی اعتبار سے تحقیق و بررسی کی جائے گی اور وہ محاسبہ کے لحاظ سے رحمت خداوندی یا عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن قیامت کے دن سب سے مہم حساب و کتاب جس کی وجہ سے تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا ظلم اور ظالموں کے حساب و کتاب کا مسئلہ ہے کیونکہ شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس نے اپنے پوری دنیاوی زندگی میں کوئی ظلم و ستم نہ کیا ہو۔

وَ رُوِیَ اَنَّ اَعْظَمَ السَّاعَةِ تَرِدُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا عِنْدَ خُرُوْجِ رُوْحِهٖ وَ اَمَّا اَعْظَمُ السَّاعَةِ تَرِدُ عَلَیْهِ فِی الْآخِرَةِ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ وَ تَبَعْثَرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَ تَعَلَّقَ الْمَظْلُوْمُ بِالظَّالِمِ وَ كَانَ الشُّهُوْدُ الْمَلَآئِكَةِ وَالسَّائِلُ هُوَاللهُ

حدیث میں ہے کہ انسان کے لئے دنیا میں سب سے زیادہ سخت مرحلہ وہ وقت ہوگا جب اس کے جسم سے روح خارج ہوگی اور قیامت میں اس پر سب سے زیادہ سخت مرحلہ وہ وقت ہوگا جب صور پھونکا جائے گا اور قبروں سے مردے باہر نکلیں گے اور مظلوم ظالم کو پکڑے گا (اس وقت) مظلوم کے گواہ ملائکہ ہونگے اور ظالم سے سوال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا"[۱]

عَنْ عَلِیٍّ عليه السلام وَاللهِ لَأَنْ أَبِيتَ عَلَى حَسَكِ السَّعْدَانِ مُسَهَّداً أَوْ أُجَرَّ فِي الْأَغْلَالِ مُصَفَّداً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَلْقَى اللهَ وَرَسُولَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظَالِماً لِبَعْضِ الْعِبَادِ وَغَاصِباً لِشَيْءٍ مِنَ الْحُطَامِ

امیرالمومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں

"خدا کی قسم اگر میں ساری رات صبح تک تیز اور کاٹنے والے کانٹوں پر رہوں یا مجھے زنجیروں سے باندھ کر ان کانٹوں پر مجھے قتل کیا جائے، یہ کام میرے لئے اس سے زیادہ بہتر اور قابل تحمل ہے کہ قیامت کے دن میری خدا اور اس کے رسول سے اس حالت میں ملاقات ہو کہ میرا ایسا نامہ اعمال ہو جس میں لوگوں پر ظلم و ستم یا میرے کسی پر غاصبانہ تصرف کا تذکرہ ہو۔[۲]

سب سے بڑا ظلم

جن پر ظلم و ستم ہو رہا ہو ان کے لئے ضروری ہے کہ قانون لوگوں یا دیگر وسائل کی مدد سے اپنا دفاع کریں اور ظالم کو

---

[۱] علم الیقین صفحہ ۹۱۹
[۲] نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۴

کمزور کریں لیکن (دنیا میں) کچھ ایسے مظلوم بھی موجود ہیں جو نہ تو خود اپنا دفاع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرتا ہے اس طرح کے مظلوم خدا کے حضور متوجہ ہو کر اس کی ختم نہ ہونے والی قدرت سے مدد طلب کرے ہیں، ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس طرح کے ظلم کو سب سے سخت ظلم کا نام دیا ہے۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ: مَا مِنْ مَظْلِمَةٍ أَشَدُّ مِنْ مَظْلِمَةٍ لَا يَجِدُ صَاحِبُهَا عَلَيْهَا عَوْناً إِلَّا اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"کوئی بھی ظلم اس سے زیادہ سخت نہیں ہے کہ مظلوم شخص ظالم کے ظلم کو رفع کرنے کے لئے مدد چاہے اور اس کے پاس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور مددگار نہ ہو"۔[1]

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه السلام قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله لِجَعْفَرٍ عليه السلام حِينَ قَدِمَ مِنَ الْحَبَشَةِ أَيُّ شَيْءٍ أَعْجَبُ مَا رَأَيْتَ قَالَ رَأَيْتُ حَبَشِيَّةً مَرَّتْ وَ عَلَى رَأْسِهَا مِكْتَلٌ فَمَرَّ رَجُلٌ فَزَحَمَهَا فَطَرَحَهَا وَ وَقَعَ الْمِكْتَلُ عَنْ رَأْسِهَا.

فَجَلَسَتْ ثُمَّ قَالَتْ: وَيْلٌ لَكَ مِنْ دَيَّانِ يَوْمِ الدِّينِ إِذَا جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ وَ أَخَذَ مِنَ الظَّالِمِ لِلْمَظْلُومِ فَعَجِبَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

جس وقت جعفر طیارؓ حبشہ سے واپس لوٹ کر آئے تو ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا؛ تم نے حبشہ میں جو چیزیں دیکھیں تمہارے لئے ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز کیا تھی؟

انہوں نے جواب دیا: ایک دن میں راستے سے گذر رہا تھا میں نے ایک خاتون کو دیکھا جس کے سر پر سامان سے بھری ٹوکری تھی راستے میں ایک مرد اس کا مزاحم ہوا جس کی وجہ سے اس کی ٹوکری گر گئی اور سارا سامان زمین پر بکھر گیا۔

عورت زمین پر بیٹھ کر کہنے لگی: قیامت کے دن کے حاکم سے تمہارے لئے افسوس ہے جب وہ فیصلے کی کرسی پر بیٹھے گا اور مظلوم کا حق ظالم سے لے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورت کی باتوں پر بہت حیرت ہوئی۔[2]

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: ظُلَامَةُ الْمَظْلُومِينَ يُمْهِلُهَا اللهُ سُبْحَانَهُ وَلَا يُهْمِلُهَا

---

[1] کافی جلد ۲ صفحہ ۳۳۱

[2] مجموعہ ورام جلد ۲، صفحہ ۱۷۷، الکافی جلد ۸ حدیث ۵۵۷ صفحہ ۳۶۶

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

مظلوموں پر جو ظلم ہوتا ہو اللہ تعالیٰ مہلت تو دیتا ہے اور ظالموں کے ظلم وستم کو مؤخر کر دیتا ہے لیکن ان کی سزا کو ختم نہیں کر دیتا''۔[۱]

بے گناہ کو قتل کرنے کا انجام

تمام مظالم خواہ وہ کسی پر کسی بھی صورت میں واقع ہوں اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہوں گے روایات میں ہے کہ کسی کا ناحق قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ سخت ہے اور دیگر تمام ظالموں سے زیادہ قاتل بارگاہ خداوندی سے دور ہے اسی وجہ سے کسی کو قتل کرنے کا مسئلہ پہلا جرم ہوگا قیامت میں جس کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ سب سے پہلے قاتل کے نامہ اعمال کا محاسبہ کریں گے

عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اَوَّلُ مَا یُقْطٰی یَوْمُ الْقِیَامَةِ الدِّمَآءُ

قیامت کے دن سب سے پہلے جو امر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا وہ خون ہیں جو بے گناہ بہائے گئے ہونگے۔[۲]

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ : اَوَّلُ مَا یَحْکُمُ اللهُ تَعَالٰی فِیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الدِّمَآءُ فَیُوْقِفُ ابْنَیْ آدَمَ فَیَفْصِلُ بَیْنَهُمَا ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمَا مِنْ اَصْحَابِ الدِّمَآءِ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنْهُمْ اَحَدٌ.

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بے گناہ بہائے جانے والے خون کے بارے میں ہوگا حضرت آدمؑ کے دو فرزند ہابیل اور قابیل کو حساب وکتاب کی جگہ پر لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا فیصلہ کرے گا اس کے بعد ان کے بعد والے قاتل ومقتول کو پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ان سب کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا یہاں تک کہ اس گروہ میں سے ایک بھی باقی نہیں بچے گا۔[۳]

شریعت اسلام میں نہ صرف کسی کو قتل کرنا بڑا گناہ اور قاتل کو سخت سزا دی جائے گی اور اس کا سخت محاسبہ ہوگا بلکہ ایک ایسا لفظ کہنا بھی عظیم گناہ ہے جو بے گناہ کے قتل میں معاون ہو، اور یہ ایک لفظ بھی قیامت میں رحمت الٰہی سے دوری کا باعث بنتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ قَالَ: مَنْ اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ کَلِمَةٍ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بَیْنَ عَیْنَیْهِ

---

[۱] غرر صفحہ ۲۲۴

[۲] سفینہ قتل، جلد ۲ صہ ۴۰۷

[۳] عقاب الاعمال۔ صفحہ ۳۲۶

مَكْتُوبٌ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو بھی کسی مومن کے قتل میں آدھے لفظ جتنی بھی مدد کرے وہ قیامت کے دن میدان محشر میں اس طرح آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان با امید، بے نصیب اور رحمت خدا سے دور لکھا ہوا ہوگا۔''

خودکشی

اسلام میں خودکشی بھی گناہان کبیرہ میں سے ہے،شاید بعض لوگ اہل مغرب کی طرح یہ سوچتے ہوں کہ انسان اپنی جان کا خود مالک ہے اور جب بھی چاہے اپنی زندگی کو ختم کرسکتا ہے،لیکن اس طرح ہرگز نہیں ہے۔اسلام کے مقدس اور پاک و پاکیزہ آئین کے مطابق،انسان کا حقیقی مالک اور صاحب اختیار خداوند عالم ہے،اسی نے انسانوں کو اور پورے جہان کو خلق فرمایا ہے تمام عالم ہستی کا حقیقی مالک وہی ہے اس لئے انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے اندر تصرف کرے،اور خداوند عالم نے خودکشی کی اجازت نہیں دی ہے۔

زندگی کی جنگ سے ذلت آمیز شکست کا نام خودکشی ہے جو بھی زندگی کی پریشانیوں اور ناخوشگوار حالات کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ جان بوجھ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کردیتا ہے درحقیقت وہ اپنے اس عمل سے اپنے عاجز وناتواں ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور یہ اعتراف کرلیتا ہے کہ میں نے زندگی کی جنگ میں شکست کھائی ہے،میں نے ثابت قدمی کو کھودیا ہے اور مشکلات اور سختیوں سے نجات پانے کے لئے اپنی زندگی کا خاتمہ کررہا ہوں۔

اگرانسان دنیا کو پہچان لے اوراس کی تبدیلیوں سے غافل نہ ہوتو وہ جان لے گا کہ یہ تکالیف اور مشکلات صرف اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام انسان اپنی زندگی میں مصائب اور پریشانیوں کا شکار ہیں اور کسی کو بھی دنیاوی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل نہیں ہے

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ لَا يَأْمَنُ اَحَدٌ صُرُوفَ الزَّمَانِ وَلَا يَسْلَمُ مِنْ نَوَائِبِ الْاَيَّامِ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''کوئی بھی دنیا کی تبدیلیوں اور دنوں کی پریشانیوں اور مصائب سے محفوظ نہیں ہے۔''

ای دل از پست و بلند روزگار اندیشه کن

در برومندی زقحط برگ و بار اندیشه کن

از نسیمی دفتر ایام برهم می خورد

ازورق گردانی لیل و نہار اندیشه کن

اے دل دنیا کی پستی اور بلندی کے بارے میں فکر کرو باثمر ہونے کے بعد درختوں سے پتوں اور پھلوں کے گرنے کے بارے میں فکر کرو ٹھنڈی ہوا سے دن بھی تبدیل ہو جاتے ہیں دنوں اور راتوں کے پلٹنے کے بارے میں فکر کرو۔

مکتب اسلام کے تربیت یافتہ مومن بندوں نے آئمہ اہلبیتؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا میں زندگی گذارنے کے طور طریقے سیکھ لیئے ہیں۔ وہ دنیا کے مصائب اور پریشانیوں سے خبردار ہیں اور ہمیشہ حوادث کے لئے تیار رہتے ہیں دوسری جانب خدا پر ایمان نے انہیں قوی اور طاقتور بنا دیا ہے اور ان کو اطمینان قلب عطا کیا ہے۔ اس لئے وہ پریشانیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو گم نہیں کرتے بلکہ مشکلات میں بھری زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں وہ دنیا کی سختیوں کو برداشت کرتے ہیں اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کبھی بھی خودکشی کے بارے میں نہیں سوچتے۔

عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ علیہ السلام: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُبْتَلَى بِكُلِّ بَلِيَّةٍ وَ يَمُوتُ بِكُلِّ مَيِّتَةٍ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"مومن بندہ ہر قسم کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کی موت مرتا ہے لیکن خودکشی نہیں کرتا وہ اس طرح کی موت کے ذریعہ دنیا سے نہیں جاتا"[1]

عَنْ اَبِی عَبْدِاللهِ علیہ السلام: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ مُتَعَمِّدًا فَهُوَ فِي النَّارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جو بھی جان بوجھ کر اپنے ارادے کے ساتھ خودکشی کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔"

[1] مجموعہ ورام، جلد ۲ صفحہ ۲۰۴، الکافی جلد ۲ حدیث ۲۵۴ باب شدۃ ابتلاء المؤمن ص: ۵۲

چوتھی فصل

میزان عمل

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ.[1]

ترجمہ:

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور کسی نفس پر ادنیٰ ظلم نہیں کیا جائے گا اور کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہے تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم سب کا حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔''

قیامت اور مواقف قیامت سے متعلق نازل ہونے والی مختلف آیات میں بار بار وزن کے بارے میں بیان ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں میزان عدل وانصاف قائم ہوگا جہاں لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا اچھے لوگوں کو انعام اور برے لوگوں کو سزا دی جائے گی اور کسی پر بھی ظلم وستم نہیں ہوگا۔ اسلام کے پیروکار قرآن مجید اور طرقِ عامہ وخاصہ کے ذریعے بیان ہونے والی روایات کی رو سے اجمالاً میزان پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے دینی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن قیامت میں میزانِ اعمال کی حقیقت کیا ہے اور کس طرح اس کے ذریعے اعمال کا وزن ہوگا؟ اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ اس سلسلے میں تفسیر اور حدیث کے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف احتمالات بیان کئے اسی فصل میں ان احتمالات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

نظام کائنات میں عدل کا کردار:

بحث کے آغاز میں اس نکتہ کو بیان کرنا ضروری ہے کہ عدل کا قیام صرف عالم آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ نظام شمسی بھی جس میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں عدل پر برقرار ہے۔ اور اس تفصیل کے مطابق جس کی وضاحت آگے بیان ہوگی کائنات کا عظیم نظام اور آسمانی ادیان سب کی بنیاد عدل پر رکھی گئی ہے۔

میزان کا معنی:

---

[1] سورہ انبیاء، آیت: ۴۷

قیامت کے میزان کی شناخت کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وزن اور میزان کے وسیع معنیٰ کو سمجھ لیں اور یہ بھی بتادیں کہ یہ لفظ (میزان) مختلف اشیاء کے لئے مختلف صورتوں میں بیان ہوا ہے سب سے پہلے ان آیات کو بیان کیا جائے گا جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور ان کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اس کے بعد ان آیات اور روایات کے بارے میں بحث وگفتگو ہوگی جو قیامت کے وزن اور میزان کو بیان کرتی ہیں۔ لغت میں وزن کا معنی چیزوں کی مقدار کی شناخت ہے اور میزان وزن کرنے والے آلہ کو کہا جاتا ہے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اس لئے جن چیزوں کے ذریعے وزن کیا جائے گا وہ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی لیکن مقدار کے تعین کے لحاظ سے تمام وسائل مشترک ہوتے ہیں اور ان سب کو میزان کا نام دیا جاتا ہے لہٰذا ترازو وزن کے لئے میزان ہے زمین کا طول وارض معین کرنے کے لئے میٹر میزان ہے وولٹ میٹر اور ایمپیئر میٹر کی سوئی بجلی کو ناپنے کے لئے میزان ہے پیٹرول اور گاڑیوں کی اسپیڈ کی سوئی انہیں کے لئے میزان ہوتی ہے اسی طرح مختلف اشیاء کے لئے مختلف چیزیں میزان ہوا کرتی ہیں۔

کائنات کی عجیب خلقت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کائنات کی خلقت اور میزان کی برقراری کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ.

اور اس نے آسمان کو بلند کیا ہے اور انصاف کی ترازو قائم کی ہے۔[1]

عظیم کہکشانوں کے ساتھ کائنات کی بنا اس قدر وسیع اور پیچیدہ ہے کہ آج کا انسان اتنی علمی ترقی اور خردبینوں کے باوجود نہ صرف ان کے اسرار اور رموز کے بارے میں نہیں جان سکا بلکہ اس کی خلقت کی کمیت اور کیفیت کے متعلق اتنا حیرت زدہ ہوا ہے کہ بعض اوقات وہ فضا میں رونما ہونے والے حوادث سے اپنی بے بسی اور ناتوانی کو محسوس کرتا ہے اور اسی طرح وہ پہلے سے زیادہ اپنی جہالت کے بارے میں باخبر ہوجاتا ہے۔

کائنات کے خالق نے اپنے حکیمانہ ارادہ کے ذریعے کائنات کے عظیم تخت کو کروڑوں چھوٹے اور بڑے سیاروں کے ساتھ خلق فرمایا اس نے اسی خلقت کے وقت سے عادلانہ قوانین ومقررات کو ان پر حاکم کردیا اس نے اپنی مرضی سے وزن اور معیار کو برابر گردش کے لئے مقرر فرمایا۔ ان قوانین اور موازن کے ذریعہ اس کائنات کا نظام اپنے مقرر کردہ نظم وضبط کے ساتھ حرکت کررہا ہے۔

---

[1] سورہ رحمن۔ آیت ۷

نظام شمسی کے عادلانہ موازین

کائنات سے باخبر علم فزکس سے آگاہ نجومیوں نے نظام شمسی کے بعض عادلانہ موازین[۱] اپنی علمی کتابوں میں بیان کئے ہیں ان موازین میں سے اگر ایک بھی نہ ہوتا تو انسان اور زمین پر بسنے والے دیگر موجودات کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ اختصار کے سبب ان میں سے فقط دو موارد کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے

سورج اس کے حساب شدہ فاصلے اور اس کے زمین کے ساتھ تناسب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر سورج کی شعاعیں نصف ہوجائیں تو زمین کا درجہ حرارت اس درجے سے بھی کم ہوجائے گا جس میں پانی برف بن جاتا ہے اور اگر اس کی شعاعیں چار گنا ہوجائیں تو تمام دریاؤں اور سمندروں میں جوش آجائے گا''۔

اسی طرح وہ ان کروڑوں چھوٹے بڑے پتھروں کے بارے میں جو روزانہ آسمان سے گرتے اور قرہ ارض میں جل کر راکھ ہوجاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''زمین وآسمان کے درمیان کروڑوں آسمانی پتھر پائے جاتے ہیں۔ زمین روزانہ اپنے قوۂ جاذبہ کی وجہ سے آسمانی پتھروں میں سے کئی پتھر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے ان پتھروں کے گرنے کی سرعت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک سیکنڈ میں ان کی سرعت ستر (۷۰) کلومیٹر تک پہنچ جاتی ہے ان کی اتنی سرعت کی وجہ سے نہ صرف یہ پتھر گرم ہوجاتے ہیں بلکہ حرارت کے سبب سفید بھی ہوجاتے ہیں اور زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی جل کر راکھ بن جاتے ہیں لیکن بعض اوقات ان میں سے ایک پتھر اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ تو جل کر راکھ بن جاتا ہے لیکن دوسرا حصہ زمین پر گرتا ہے۔[۲]

اگر یہ پتھر جل کر راکھ نہ بن جاتے اور روزانہ کروڑوں کی تعداد میں بڑے اور چھوٹے پتھر بغیر کسی مانع کے ایک سیکنڈ میں ستر کلومیٹر کی سرعت کے ساتھ زمین پر گرتے تو کیا زمین پر انسان، حیوان اور اشجار زندہ رہ پاتے؟ کیا وہ ایسے حالات میں زندگی بسر کرسکتے؟

زمین پر تمام موجودات کی زندگی کی بقا کی خاطر حکیم پروردگار نے اس کے تکوینی نظام میں موازین اور مقررات کا ایک سلسلہ بنایا، جن میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ زندگی میں موثر ہے۔ آج کل انسان نے علوم کی ترقی وپیشرفت کی وجہ سے ان نامعلوم موازین اور مقررات میں سے بعض کے بارے میں جان لیا ہے۔

---

[۱] موازین میزان کی جمع ہے۔(مترجم)

[۲] نجوم برای ہمہ، ص ۷٦

نتیجہ:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے عظیم محل کو بنایا، حکیمانہ انداز کے مطابق ہر چیز کو اس میں خلق کیا، اس نے کائنات کے اس محل میں میزان عدل کو بھی رکھا تا کہ مخلوقات اپنی زندگی اچھی طرح سے بسر کرسکیں اور معین وقت تک کائنات ثابت رہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ

بیشک ہم نے ہر شی کو ایک اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے۔[۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ قَالَ بِالْعِزْلِ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

''آسمان اور زمین عدل تکوینی اور اس متعادل نظام کی روشنی میں قائم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔[۲]

جب اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پر میزان قائم کردینے کا اعلان کردیا اور عدل تکوینی کو کائنات کے محل کے نظام کے طور پر معرفی کیا تو اب اس سے اس معاشرے میں معاملات کے دوران تولنے میں خیانت نہ کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق پر تجاوز نہ کرنے کا تربیتی نتیجہ نکلتا ہے۔

اس سلسلے میں ارشاد رب العزت ہے:

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ

''تا کہ تم لوگ وزن میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم کرو اور تولنے میں کم نہ تولو۔[۳]

مہم ترین اجتماعی مسائل

وزن میں عدل وانصاف، اور معاملات میں لوگوں کے حقوق کے خیال رکھنے کا مسئلہ، دونوں مہم ترین اجتماعی مسائل میں سے ہیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ان کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو کم فروشی سے منع کیا گیا ہے۔ ترازو اور پیمانہ میں خیانت ان گناہوں میں سے ہے جو اتحاد واتفاق کے ختم ہونے اور لوگوں کے فساد پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

---

[۱] سورۂ قمر، آیت ۴۹
[۲] تفسیر صافی، ص ۵۱۶
[۳] سورہ رحمن: آیت ۸۔۹

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

"(حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے فرمارہے تھے) اے قوم ناپ تول میں انصاف سے کام لواور لوگوں کو کم چیزیں مت دواور روئے زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو"۔[۱]

قرآن مجید کے جن موارد میں میزان کا لفظ استعمال ہوا ہے ان میں سے وحی تشریعی اور آسمانی کتب کے ضمن میں بھی یہ لفظ ذکر ہوا ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے بارے میں فرماتا ہے:

قرآنی آیات میں میزان

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

"بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں"۔[۲]

پیغمبر اسلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ

"اللہ ہی وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے"۔[۳]

ان آیات میں میزان سے کیا مراد ہے مفسرین نے چند احتمالات ذکر کئے ہیں:

اول: میزان سے دین مراد ہے وہ دین جو آسمانی کتاب سے لیا گیا ہو کیونکہ میزان کا معنی ترازو ہے اور ترازو تولنے کا ایک ذریعہ ہے دین کے میزان کے ذریعے لوگوں کے عقائد کو صحیح یا کمزور ہونے کے لحاظ سے تولا جاتا ہے اور ان کے اخلاق اور اعمال کا وزن کیا جاتا ہے۔

دوم: میزان سے عدل مراد ہے کیونکہ میزان انصاف اور برابری کے تعین کا وسیلہ ہے اور یہ اثر عدل میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے عدل وانصاف کیا جاسکتا ہے۔

سوم: میزان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم اور بابرکت شخصیت مراد ہے کیونکہ آپؐ کتاب الٰہی کے ذریعے لوگوں کو حکم دیتے تھے مذکورہ آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان، کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز ہونی چاہیے کیونکہ کتاب کے

[۱] سورہ ھود، آیت:۸۵

[۲] سورہ الحدید: آیت ۲۵

[۳] شوریٰ، آیت ۱۷

نزول کے وقت کتاب کے ساتھ میزان بھی انبیاء کرام پر نازل ہوا ہے اس لئے میزان سے دین یا عدل بھی مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ دین آسمانی کتب سے لیا گیا ہے لہٰذا کتاب کے نزول کے ساتھ خود بخود دین بھی نازل ہوا ہے اور عدل دین کا عملی اثر ہے اور اس کے جداگانہ نازل ہونے کی ضرورت نہیں۔ جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعاً تمام مسلمانوں، انبیاء کرام اور اپنی امت کے لئے حق و باطل کے درمیان میزان ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان دو آیات میں میزان سے انبیاء کرامؑ مراد ہیں کیونکہ آیت خود بیان کررہی ہے کہ میزان بھی کتاب کی طرح انبیاء کرام پر نازل ہوا اس بناء پر میزان، کتاب اور پیغمبروں کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے۔

میزان سے الہام مراد ہے

بعض روایات کے مطابق جو آنحضرتؐ کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں شاید یہ کہا جاسکے کہ میزان سے ایک قسم کا الہام مراد ہے جس کی حیثیت وحی اور نزول قرآن کے برابر ہے اور وہ آنحضرتؐ کے قلب پر نازل ہوتا ہے جس کی روشنی میں آنحضرتؐ کے سامنے چیزوں کے حقائق ظاہر ہوجاتے ہیں۔ اور جن چیزوں کا حکم واضح طور پر قرآن مجید میں بیان نہیں ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی الہام کے میزان کی بناء پر اس چیز کا حکم بیان فرماتے تھے اور لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے حکم کو کتاب خدا کی طرح سمجھیں اور دین خدا کے طور پر اس پر عمل پیرا ہوں روایات کی کتابوں میں اس مطلب کے بہت سے نمونے موجود ہیں ان میں سے بعض کو ذکر کیا جارہا ہے۔

الٰہی الہام کے چند نمونے

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ سَئَلَ عَلِيَّ ابْنَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ: مَتٰى فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى مَاهِيَ الْيَوْمَ عَلَيْهِ؟ فَقَالَ بِالْمَدِيْنَهِ حِيْنَ ظَهَرَتِ الدَّعْوَةُ وَقَوِيَ الْإِسْلَامُ وَ كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ الْجِهَادَ زَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فِي الصَّلٰوةِ سَبْعَ رَكَعَاتٍ فِي الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْمَغْرِبِ رَكْعَةً وَفِي الْعِشَآءِ الْآخِرَةِ رَكْعَتَيْنِ وَاَقَرَّ الْفَجْرَ عَلٰى مَا فُرِضَتْ بِمَكَّةِ

سعید بن مسیب نے حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام سے سوال کیا کہ یومیہ نمازیں جس طرح ابھی پڑھی جاتی ہیں مسلمانوں پر کب واجب ہوئیں؟

امام نے جواب دیا: جس وقت مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان دعوتِ اسلام دینا شروع کیا اور

اسلام قوی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد کو واجب کیا اس وقت آنحضرتؐ نے یومیہ نمازیوں میں سات (۷) رکعتوں کا اضافہ فرمایا دو رکعتیں ظہر میں، دو رکعتیں عصر میں، ایک رکعت مغرب میں اور دو رکعتیں عشاء میں اضافہ فرمائیں۔ لیکن صبح کی نماز کو جس طرح وہ مکہ میں واجب ہوئی تھی اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور اس میں اضافہ نہ فرمایا۔[۱]

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ الصَّلَاةَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ فَأَضَافَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الرَّكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَ إِلَى الْمَغْرِبِ رَكْعَةً فَصَارَتْ عَدِيلَ الْفَرِيضَةِ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُنَّ إِلَّا فِي سَفَرٍ وَ أَفْرَدَ الرَّكْعَةَ فِي الْمَغْرِبِ فَتَرَكَهَا قَائِمَةً فِي السَّفَرِ وَ الْحَضَرِ فَأَجَازَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ ذَلِكَ كُلَّهُ فَصَارَتِ الْفَرِيضَةُ سَبْعَ عَشْرَةَ رَكْعَةً (إِلَى أَنْ قَالَ) وَ لَمْ يُرَخِّصْ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَحَدٍ تَقْصِيرَ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ ضَمَّهُمَا إِلَى مَا فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بَلْ أَلْزَمَهُمْ ذَلِكَ إِلْزَاماً وَاجِباً مَا لَمْ يُرَخِّصْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَوَافَقَ أَمْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَمْرَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ نَهْيُهُ نَهْيَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ وَجَبَ عَلَى الْعِبَادِ التَّسْلِيمُ لَهُ كَالتَّسْلِيمِ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دن، رات میں دس (۱۰) رکعت نماز کو دو دو کرکے پانچ اوقات میں واجب کیا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو رکعت کا اضافہ کیا اور مغرب میں آپؐ نے ایک رکعت کا اضافہ فرمایا، حضرت رسول خداؐ کا اضافہ فریضہ الٰہی کی طرح لوگوں پر واجب ہوا۔ سوائے سفر کے جہاں چار رکعتیں، دو رکعتیں ہوجاتی ہیں سوائے مغرب کی ایک رکعت کے جو سفر وحضر میں ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اضافہ کی اجازت دی جس کے نتیجہ میں یومیہ فریضہ کی سترہ (۱۷) رکعات ہوگئی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی کہ ان دو رکعتوں کو کم کریں، جنہیں خود آپؐ نے اس میں ضم فرمایا تھا، بلکہ مسافروں کے علاوہ تمام مسلمانوں پر انہیں انجام دینا واجب ہے۔ اس بنا پر پیغمبر کا امر خدا کے حکم کی طرح ہے اور آپؐ کی نہی پروردگار کی نہی کی طرح ہے اور تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کو تسلیم کریں جس طرح وہ امر الٰہی کے سامنے تسلیم ہیں۔[۲]

فَرَضَ اللهُ فِي السَّنَةِ صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ وَ سَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ صَوْمَ شَعْبَانَ وَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ مِثْلَيِ الْفَرِيضَةِ فَأَجَازَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ ذَلِكَ

اللہ تعالیٰ نے سال میں رمضان کے روزوں کو فرض قرار دیا، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ شعبان کے پورے

---

[۱] وسائل، جلد ۳، باب ۱۳، حدیث ۱۹، ص ۳۶

[۲] وسائل، جلد ۳، باب ۱۳، حدیث ۲، ص ۳۱

روزوں اور ہر مہینہ کے تین روزوں کو لوگوں پر مستحب کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی اجازت دے دی۔[1]

وَ حَرَّمَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الْخَمْرَ بِعَيْنِهَا وَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُسْكِرَ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ فَأَجَازَ اللهُ لَهُ ذَالِكَ.

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر شراب کو حرام کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نشہ آور مائع چیز کے ممنوع اور حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔

عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: وَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ دِيَةَ الْعَيْنِ وَ دِيَةَ النَّفْسِ وَ حَرَّمَ النَّبِيْذَ وَ كُلَّ مُسْكِرٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنَ جَاءَ فِيْهِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ لِيَعْلَمَ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَعْصِيْه.

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: آنکھ اور نفس کی دیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمائی، اسی طرح آپؑ نے مست کردینے والے خرما، انگور، گندم، جو اور اس کے علاوہ ہر مست کرنے والی چیز کو حرام قرار دیا۔

ایک شخص جو وہاں موجود تھا عرض کرنے لگا، بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز نازل ہوئی ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون مقرر کیا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں تا کہ آنحضرتؐ کے حکم کی اطاعت کرنے والے اور نافرمانی کرنے والے ظاہر ہوجائیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان احکامات کو بیان کرنا جو کتاب خدا میں بیان نہیں ہوئے ہیں حکیمانہ قواعد وضوابط کی بنا پر تھا جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی تھی۔ یہ بات بعید نہیں کہ یہ ضوابط اور قوانین وہی میزان ہوں جن کا قرآن کی دو آیات میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول کتاب کے ساتھ آنحضرتؐ اور دیگر انبیاء کرامؑ پر نازل ہوتا رہا۔ انبیاء کرام اسی میزان کی بنا پر جو کہ خدا کا الہام ہے ضروری موقعوں پر اپنے پیروکاروں کے لئے قانون وضع فرماتے تھے۔

مذکورہ مطالب سے نتیجہ نکلتا ہے کہ خداوند عالم نے اس کائنات کے عظیم محل میں میزان مقرر فرمایا اس نے حکمت پر مبنی سنن اور قوانین بھی مقرر کئے ہیں جن پر اس نے کائنات کے نظام تکوینی کی بنیاد رکھی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے میں انسانوں کی اجتماعی زندگی کو منظم کرنے اور انہیں اختلافات سے بچانے کے لئے لوگوں کو معاملات اور مبادلات میں میزانِ عدل کی رعایت کی بہت زیادہ تاکید کی ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور معاشرے کو تباہی اور بربادی کی طرف نہ لے جائیں۔

---

[1] کافی جلد ۱ ص ۲۶۶، ص ۲۶۷

خداوند عالم نے نظام تشریع میں بھی انبیاء کرام پر کتاب اور میزان کو نازل کیا، انہیں معاشرے کی اصلاح اور فساد سے آگاہ فرمایا اور ان پر یہ مسئولیت عائد کی کہ لوگوں کو ہدایت کی طرف لے جائیں اور ان کے لئے سعادت اور نیک بختی کی راہ ہموار کریں۔ تمام یہ موازین اور مقررات جو نظام تکوین اور تشریع پر برقرار ہیں سب کا تعلق جہاں طبیعت کے ساتھ ہے تا کہ لوگوں کی زندگی اچھے طریقے سے گزر سکے۔

قیامت میں میزان اعمال کے فوائد

قیامت کے دن میزان، اعمال کا برقرار ہونا، اعمال نامے کی بررسی، اعتقادات اور لوگوں کے صحیح اور غلط کاموں کا وزن کرنا یہ تمام کام مومنوں کو کافروں سے جدا کرنے، بدکردار لوگوں کو باکردار لوگوں سے جدا اور خوب و بد کے درمیان فرق کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں یہ کام بھی روز جزاء کے مراحل میں سے ہیں، یہ بات بہت سی آیات اور روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ

آج کے دن اعمال کا وزن ایک برحق شی ہے پھر جس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہی لوگ نجات پانے والے ہیں اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے نفس کو خسارے میں رکھا کہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کر رہے تھے۔ [1]

از گفتن و شنیدن و وز کردہ ھای بد
در موقف محاسبه یك یك عیان شود
میزان عدل نصب کنند از برای خلق
یك سر سبك بر آید و یك سر گران شود
ھر کس نگه کند به بد و نیك خویشتن
آنجا یکی غمین و یکی شادمان شود

ترجمہ:

غلط گفت وشنید اور بداعمال محاسبہ کے وقت ہر ایک ظاہر ہوگا مخلوقات کے لئے میزان عدل قائم ہوگا۔

---

[1] اعراف۔ آیت:۸۔۹

ایک کا سر ہلکا ہو جائے گا اور دوسرے کا سر سنگین ہو جائے گا جو بھی اپنے اچھے اور برے کاموں پر توجہ رکھے (تو اسے معلوم ہوگا کہ) وہاں ایک غمگین ہوگا اور دوسرا خوش نظر آئے گا۔

رَوٰی هِیشَامُ بْنُ الْحَكَمِ اَنَّهٗ سَئَلَ الزِّنْدِيقُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا مَعْنَى الْمِيْزَانِ؟ قَالَ الْعَدْلُ. قَالَ فَمَا مَعْنَاهُ فِيْ كِتَابِهٖ قَالَ فَمَنْ رَجَحَ عَمَلُهٗ.

ہشام ابن حکم کی روایت کے مطابق ایک زندیق شخص نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ قیامت میں میزان کا کیا معنی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے عدل مراد ہے اس نے کہا: قرآن مجید میں جو یہ جملہ آیا ہے اس کی معنی کیا ہوگی؟

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

یعنی جن کا میزان اعمال سنگین ہوگا۔

امام علیہ السلام نے جواب دیا: اس سے عمل خیر کی برتری اور رجان مراد ہے۔

امام علیہ السلام سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں آپ نے میزانِ عمل کی سنگینی اور اس کے ہلکا ہونے کو ایک اور طریقے سے بیان کیا ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ:

سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ: اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ ثَقَّلَ الْخَيْرَ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا كَثِقْلِهٖ فِيْ مَوَازِيْنِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَفَّفَ الشَّرَّ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا كَخِفَّتِهٖ فِيْ مَوَازِيْنِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعمالِ خیر کو لوگوں پر ثقیل اور وزنی قرار دیا ہے جو اعمال غرائز کے مخالف اور خواہشات نفسانی کے منافی ہوتے ہیں، جو لوگ دنیا میں اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور ان سنگین اور رغبت کے برخلاف کاموں کو انجام دیتے ہیں قیامت کے دن ان کا میزانِ عمل سنگین ہوگا اس طرح وہ ان کی نجات اور نیک بختی کا ذریعہ بنیں گے۔[1]

---

[1] سفینہ جلد ۲ (وزن) ص ۶۴۵

اچھے کاموں کے سخت اور برے کاموں کے آسان ہونے کا سبب

اللہ تعالٰی نے دنیا میں خراب اور غلط کاموں کو لوگوں کے لئے آسان کیا ہے کیونکہ یہ کام نفسانی خواہشات اور اس کی رغبت کے مطابق ہوتے ہیں دنیا میں جو لوگ یہ کام انجام دیتے ہیں قیامت کے دن ان کے میزان عمل میں وزن نہیں ہوگا یہی امران کے نقصان اور گرفتاری کا باعث بنے گا:

چون ترازوی تو کژ بود و دغا
راست چون جو ي ترازوی جزا
چونکه دست چپ بدی در غدرو کاست
نامه چون آید تورا دردست راست

ترجمہ:

''کیونکہ (دنیا میں) تمہارا کردار فریب اور دغا تھا اس وجہ سے تمہیں تمہارا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جارہا ہے ۔سچائی جیسے تمہیں اچھائی کی تلاش ہو،تو تمہیں تمہارا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا''۔

طاعت اور اعمالِ خیر کے سخت ہونے اور اعمال شر اور گناہوں کے آسان ہونے کا مسئلہ دو مختلف تعبیروں سے نہج البلاغہ میں بیان ہوا ہے ایک تعبیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے اور دوسری تعبیر امام علی علیہ السلام کی طرف سے ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَإنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهِ كَانَ يَقُولُ اِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَ اِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ.

''بہشت کو سختیوں اور مصائب نے احاطہ کیا ہوا ہے اور جہنم کی آگ کو شہوات اور نفسانی خواہشات نے لپیٹا ہے''۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اعْلَمُوا أَنَّهُ مَا مِنْ طَاعَةِ اللهِ شَيْءٌ إِلَّا يَأْتِي فِي كُرْهٍ وَ مَا مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ شَيْءٌ إِلَّا يَأْتِي فِي شَهْوَةٍ

''اللہ تعالٰی کی کوئی بھی اطاعت بے رغبتی اور کراہت کے بغیر انجام نہیں پاتی اور اللہ تعالٰی کی کوئی نافرمانی رغبت اور شہوت کے بغیر نہیں کی جاتی ہے''۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ،خطبہ ۱۷۶

ایک اور روایت میں ہے کہ ہر صاحب عمل کے میزان کا سنگین یا ہلکا ہونا، اس کے ظاہر اور باطن میں سے ہر ایک کے ایک دوسرے کی بہ نسبت اچھے یا برے ہونے پر منحصر ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَنْ کَانَ ظَاهِرُهُ اَرْجَحَ مِنْ بَاطِنِهٖ خَفَّ مِیْزَانُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ کَانَ بَاطِنُهُ اَرْجَحَ مِنْ ظَاهِرِهٖ ثَقُلَ مِیْزَانُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: دنیا میں جس کا ظاہر نیکی اور اچھائی کے لحاظ سے باطن سے اچھا ہو تو قیامت کے دن اس کا میزان عمل ہلکا ہوگا اور جس کا باطن اس کی نیکی اور خلوص کے لحاظ سے اس کے ظاہر سے اچھا ہو تو قیامت کے دن اس کا میزان عمل سنگین ہوگا۔[1]

قیامت میں میزان عمل سے کیا مراد ہے؟

قیامت میں میزان عمل کیا ہوگا؟ قیامت کے دن لوگوں کے گفتار اور عمل کا کس طرح وزن کیا جائے گا؟ اور کس طرح ان کا سنگین یا ہلکا ہونا ظاہر ہوگا؟ ان تمام سوالات کے جوابات میں مفسرین، متکلمین اور فیلسوف نے بہت سے احتمالات بیان کئے ہیں۔

ان احتمالات کو اس وجہ سے ذکر کیا جا رہا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے اعمال جو ہر بدن پر قائم ہونے والے اعراض ہیں نہ تو ان کا کوئی مستقل وجود ہے اور نہ ہی یہ جسم اور وزن کے حامل ہوتے ہیں یہ اعراض بدن کی صورتوں کے تبدیل ہونے سے نیست و نابود ہو جاتے ہیں، اس بنا پر قیامت میں انسان کا کوئی بھی دنیاوی عمل نہیں ہوگا، جس کو میزان کے ذریعے وزن کیا جا سکے اور انہیں سبک یا سنگین کا نام دے سکیں۔

اسی نظریہ کی بنا پر مختلف احتمالات کے ذریعے قیامت کے دن اعمال کے وزن کو تاویل کیا گیا ہے۔

بہت سے علمائے خاصہ اور عامہ کا یہ نظریہ ہے کہ قیامت میں میزان عمل سے عدل مراد ہے یعنی قیامت کے دن کے تمام اچھے اور برے اعمال کا عدل کی بنیاد پر وزن کیا جائے گا اور بغیر کسی ظلم و ستم کے سب کو اپنے اعمال کی جزاء کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور کسی نفس پر ادنیٰ ظلم نہیں کیا جائے گا اور کسی کا عمل رائی کے

---

[1] تفسیر در المنثور ج۳، ص۷۰

دانہ کے برابر بھی ہے تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم سب کا حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔[1]

بعض کا کہنا ہے کہ قیامت میں میزان عمل سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان کے اچھے کاموں پر ایک خاص قسم کی نشانی ہوگی اسی طرح ان کے گناہوں سے بھی نشانی ظاہر ہوگی، صاحب عمل اور دیگر تمام افراد ان علامتوں اور نشانیوں کو دیکھیں گے جن سے صاحب عمل کے اچھے یا برے حالات سے سب باخبر ہوجائیں گے اور یہی میزان کے سنگین یا سبک کی معنی ہے۔ اسی طرح بعض کا کہنا ہے کہ محشر میں میزان اعمال سے مراد یہ ہے کہ مومن اور نیک بندے اپنے دنیاوی اچھے گفتار و کردار کی وجہ سے اس طرح ہیں کہ محشر میں موجود لوگ انہیں عظیم اور بزرگ لوگوں کے روپ میں دیکھیں گے جس سے انہیں ان کے وزن اور اہمیت کے بارے میں معلوم ہوجائے گا۔ بے ایمان اور گناہ گار لوگ اس کے برعکس ہیں ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان کی ذلت اور خواری کو سب دیکھ رہے ہوں گے اور دیکھنے والوں کو معلوم ہوجائے گا کہ میدانِ محشر میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے میزان قیامت کے سبک ہونے یا سنگین ہونے کی معنی تمام حقائق کا ظاہر ہوجانا ہے۔

قیامت میں میزان اعمال اور وزن کرنے کی کیفیت کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں دیگر احتمالات بھی بیان ہوئے ہیں لیکن ہم کلام کے طولانی ہونے سے بچنے کے لئے انہیں یہاں ذکر کرنے سے اجتناب کر رہے ہیں۔

میزان کے بارے میں صدرالمتالھین کا نظریہ

جلیل القدر حکیم صدرالمتالھین شیرازی، قیامت میں انسانوں کے اچھے اور برے اعمال کی سنجش کو ان (اعمال) کے روحانی آثار و نتائج کی صورت میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں قیامت میں اعمال کے وزن سے مراد ہر انسان کے نفسیاتی ملکہ کی قدر و منزلت کو جاننا ہے جسے اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اپنے نفس میں ذخیرہ کیا تھا اور وہ اس کی ذات کا حصہ بن چکا ہے قیامت میں وہ (نفسیاتی ملکہ) اپنے مخفی پردے سے نکل کر ظاہر ہوگا، وہ اپنی کتاب اسفار کی چوتھی جلد کے سفر نفس میں کہتے ہیں۔

تتمة۔ واما القول فی میزان الاعمال فاعلم ان لکل عمل من الاعمال البدنیة تاثرا فی النفس کفان ان من باب الحسنات والطاعات کالصلوٰة والصیام والحج والزکوٰة والجهاد وغیره هافله تاثیر فی تنویر النفس و تخلیصها من اسر الشهوات و تطهیر ها عن غواسق الهیولیات و جذبها من الدنیا الیٰ الاخریٰ و من المنزل الادنیٰ الی المحل الاعلیٰ و کذالك لکل عملٍ من الا

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۴۷

عمال السیئة قدراً معینا فی التاثیر فی اظلام جو هر النفس و تکثیفها و تکدیرها و تعلیقها بالدنیا و شهواتها و تقیید سلاسلها واغلالها و عند قیام الساعة وارتفاع الحجب ینکشف لهم حقیقة الا مر فی ذالك و یصارف كل احد مقدار سعیه و عمله ویریٰ رجحان احدیٰ کفتی میزانه وقوة مرتبة نور طاعتة اوظلمة کفرانه.

میزان سے متعلق تتمہ

انسان کے جسم کا ہر عمل نفس پر اثر انداز ہوتا ہے اگر وہ عمل نیکیوں اور اطاعت میں سے ہو مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ، جہاد اور دیگر عبادتیں ہیں تو یہ نفس کے نورانی ہونے اور ضمیر کے روشن ہونے میں اپنا اثر مرتب کریں گے، انسان کو شہوانی قید و بند سے آزاد کریں گے اور اسے دنیا سے آخرت کی طرف اور پستیوں سے بلند اور عظیم مقام تک پہنچا دیں گے۔ اسی طرح ہر گناہ کا نفس کے جوہر کی تباہی اور روح کے ظلمتوں میں پڑ جانے میں اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا اور خواہشات نفسانی سے بہت زیادہ محبت کرنے لگتا ہے اور قید و بند میں جکڑ جاتا ہے اور جب قیامت کا وقت آئے گا اور غیب کے پردے اٹھ جائیں گے تو اس پر پوشیدہ حقائق ظاہر ہوں گے ہر شخص اپنے دنیا میں کئے گئے عمل اور کوشش کے روبرو ہوگا اور دیکھے گا کہ اس کے عمل کے میزان کے پلہ میں سے کونسا پلہ زیادہ سنگین ہے کیا اس کے پروردگار کی اطاعت کے نور کی طاقت زیادہ ہے یا اس کے کفر کی ظلمت زیادہ ہے۔[1]

اس نظریہ کے مطابق اعمال بدن کے عارضی ہونے اور جسم کے ختم ہونے سے اعمال کے معدوم ہونے والی مشکل حل ہوجاتی ہے کیونکہ صدر المتالھین کے بقول، قیامت میں نفسیاتی ملکات جو کہ انسان کے جسم کے اعمال کا نتیجہ ہیں، ان ملکات کا وزن کیا جائے گا اور وہ ملکات ہرگز ختم نہیں ہوتے کیونکہ ان کی جگہ جوہر نفس میں ہے اور نفس کی بقا کے ذریعے یہ بھی ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔

اسی طرح اس نظریہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں جو میزان ملکات نفس کی اہمیت اور وزن کو ظاہر کرتا ہے وہ غیب سے پردوں کا ہٹ جانا اور اسرار اور رموز کا ظاہر ہونا ہے کیونکہ قیامت کے قیام سے انسان کے پوشیدہ امور ظاہر ہوجائیں گے اس طرح ان کی سنگینی یا سبکی معلوم ہوجائے گی اور ہر انسان اپنے میزان کے پلہ کی سنگینی یا سبکی کو دیکھے گا۔

---

[1] اسفار، چاپ سنگی، جلد ۴، ص ۱۷۸

میزان کے بارے میں محمد عبدہ کا نظریہ

آقائی شیخ محمد عبدہ بھی صدرالمتالھین کی طرح قیامت کے وزن کو ملکات نفسانی اور صفات روح کے ساتھ مربوط سمجھتے ہیں البتہ وہ میزان کے مسئلہ پر جو کہ آیات اور روایات میں بیان ہوا ہے خاص توجہ دیتے ہوئے کہتے ہیں: خداوند عالم اس سے عاجز نہیں ہے کہ وہ ملکات روحانی اور نفسیات کے وزن کے لئے وزن کرنے کا کوئی وسیلہ بنائے اور اس کی قدر و منزلت کو معین فرمائے:

واذا كان البشر قد اخترعوا موازين للا عراض كالحر والبردا فيعجز الخالق البارى القادر على كل شى عن وضع ميزان للاعمال النفسانية والبدنية المعبر عنها بالحسنات والسيئات بما احدثته فى الا نفس من الا خلاق والصفات؟ والفقل والعقل متفقان على ان الجزاء انما يكون بصفات النفس الثابتة لا بمجرد ماكان سيئاً لها من الحركات والا عراض الزائلة.

جب انسان گرمی اور سردی کی طرح کے اعراض کے لئے ایک مخصوص میزان بنا سکتا ہے تو پھر کیا قدرت رکھنے والا پروردگار نفسانی اور بدنی اعمال اور ان آثار کے لئے جو نفس اور اخلاق پر اچھے یا برے اثرات مرتب کرتے ہیں کوئی میزان خلق کرنے سے عاجز ہے؟ نقل اور عقل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انعام اور سزاء صرف ان صفات کے لئے ہیں جو نفس میں ثابت ہوں ان حرکات اور اعراض پر سزا یا انعام نہیں دیا جائے گا جو زائل ہو جانے والے ہوں اور ان صفات کے پیدا ہونے کا باعث بنیں۔

اس شرح کے مطابق جو ہم نے تجسیم اعمال کی فصل میں بیان کی ہے، آج کل کے دانشمندوں کا یہ نظریہ ہے کہ انسان جو کام جان بوجھ کر اپنے ارادے سے انجام دیتا ہے اس کے لئے انسان کے اندر موجود انرجی صرف ہوتی ہے، الہٰذا جو شخص رکوع کے عنوان سے عبادت انجام دیتا ہے یا غیبت کے نام سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ ان اعمال کو انجام دینے کے لئے اپنی انرجی کی کچھ مقدار خرچ کرتا ہے انرجی کی بقا اور اس مطلب کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ گناہ اور انرجی ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اعمال کا وزن کرنا یعنی انرجی کا وزن کرنا یہ بات قابل تعقل اور تصور ہے البتہ ہم یہ نہیں جانتے کہ قیامت میں اعمال کا کس طرح وزن کیا جائے گا اور دین کی یہ غیبی خبر کس طرح عملی صورت اختیار کرے گی لیکن انرجی کے ہوتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں آیات و روایات سے چشم پوشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ہم ان کے ظاہر کے خلاف ان کی تاویل و تفسیر کر سکتے ہیں۔

دنیا میں میزان اعمال

یہاں لازم ہے کہ قارئین کرام کی توجہ اس نکتہ کی جانب مبذول کرائیں کہ بعض روایات میں عقائد، اخلاق اور اعمال کو ان کے صحیح یا کمزور ہونے کی تشخیص کے لئے میزان پر لے جانے کے بارے میں کہا گیا ہے لیکن اس بات کا تعلق آخرت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جس طرح باایمان لوگ دنیا میں اپنا حساب کرتے ہیں اور مرنے سے پہلے ہی اپنی وضعیت کو روشن کر لیتے ہیں اسی طرح وہ دنیا میں اپنا وزن کریں اور معنوی لحاظ سے اپنی قدر و منزلت کو معین کر لیں دنیا میں مسلمانوں کے لئے وزن کرنے کا میزان ایک قرآن مجید ہے اور دوسرا آئمہ معصومینؑ کی ذوات مطہرہ ہیں۔

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

يَا جَابِرُ وَ اعْلَمْ بِأَنَّكَ لَا تَكُونُ لَنَا وَلِيّاً حَتَّى لَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْكَ أَهْلُ مِصْرِكَ وَ قَالُوا إِنَّكَ رَجُلُ سَوْءٍ لَمْ يَحْزُنْكَ ذَلِكَ وَ لَوْ قَالُوا إِنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ لَمْ يَسُرَّكَ ذَلِكَ وَ لَكِنِ اعْرِضْ نَفْسَكَ عَلَى مَا فِي كِتَابِ اللهِ فَإِنْ كُنْتَ سَالِكاً سَبِيلَهُ زَاهِداً فِي تَزْهِيدِهِ رَاغِباً فِي تَرْغِيبِهِ خَائِفاً مِنْ تَخْوِيفِهِ فَاثْبُتْ وَ أَبْشِرْ فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّكَ مَا قِيلَ فِيكَ وَ إِنْ كُنْتَ مُبَايِناً لِلْقُرْآنِ فَمَا ذَا الَّذِي يَغُرُّكَ مِنْ نَفْسِكَ.

امام باقرؑ نے جابر جعفی سے فرمایا: جان لو کہ تم اس وقت تک ہمارے دوستوں میں سے نہیں ہو سکتے جب تک تم میں یہ صفات نہ پائی جاتی ہوں، اگر تمہارے شہر کے تمام لوگ کہیں کہ تم برے انسان ہو تو تم ان کی گفتگو سے غمگین نہ ہو جاؤ اور اگر وہ تمہارے بارے میں کہیں کہ تم ایک اچھے انسان ہو تب بھی (ان کی گفتگو کا تم پر اثر نہ ہو) تو ان کی اس بات پر خوش نہ ہو جاؤ بلکہ خود کو کلام الٰہی کے سامنے پیش کرو، اگر تم دیکھو کہ راہ قرآن پر چل رہے ہو، قرآن کی منع کردہ چیزوں کو ترک کر رہے ہو، اور اس کے تقاضا پر عمل پیرا ہو، اور ان چیزوں سے خوفزدہ ہو جن سے قرآن میں ڈرایا گیا ہے تو تم اپنی اس روش پر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ لوگوں کی باتیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی، لیکن اگر تمہارا طور طریقہ قرآن کے خلاف ہو تو کونسی چیز تمہیں فریفتہ کر کے غرور کا باعث بن رہی ہے؟[1]

عَنْ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْحَسَنِيِّ عليه السلام أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى سَيِّدِي عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ عليه السلام فَلَمَّا بَصُرَ بِي قَالَ لِي مَرْحَباً بِكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ أَنْتَ وَلِيُّنَا حَقّاً فَقُلْتُ لَهُ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكَ دِينِي فَإِنْ كَانَ مَرْضِيّاً ثَبَتُّ عَلَيْهِ حَتَّى أَلْقَى اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ قَالَ فَهَاتِ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقُلْتُ إِنِّي أَقُولُ إِلَى

---

[1] بحار الانوار، جلد ۱۷، ص ۱۶۱

أَنْ بَلَغَ فِي ذِكْرِ الْأَئِمَّةِ عليه السلام وَ قَالَ ثُمَّ أَنْتَ يَا مَوْلَایَ فَقَالَ عليه السلام وَ مِنْ بَعْدِي الْحَسَنُ ابْنِي فَكَيْفَ لِلنَّاسِ بِالْخَلَفِ مِنْ بَعْدِهِ قَالَ فَقُلْتُ وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَا مَوْلَایَ فَقَالَ لِأَنَّهُ لَا يُرَى شَخْصُهُ وَ لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ بِاسْمِهِ حَتَّى يَخْرُجَ فَيَمْلَأَ الْأَرْضَ قِسْطاً وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْراً وَ ظُلْماً إِلَى أَنْ قَالَ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عليه السلام هٰذَا وَ اللّٰهِ دِينُ اللّٰهِ الَّذِي ارْتَضَاهُ لِعِبَادِهِ فَاثْبُتْ عَلَيْهِ ثَبَّتَكَ اللّٰهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْآخِرَةِ.

عبدالعظیم الحسنی کہتے ہیں میں حضرت امام ہادی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی آپؑ نے مجھے دیکھا فرمانے لگے: خوش آمدید اے ابوالقاسمؑ واقعاً تم ہمارے حقیقی دوست ہو، میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین آپ کے سامنے بیان کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو تو اس پر ثابت قدم رہوں تا کہ میں خدا سے ملاقات کر سکوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جو تیرا عقیدہ ہے اسے بیان کرو، اس کے بعد عبدالعظیم نے اپنے تمام عقائد توحید، نبوت، امامت، معاد اور مواقف قیامت کے بارے میں بیان کیا جس طرح حدیث کے متن میں بیان ہوا ہے جب اس نے اپنے تمام عقائد بیان کر لئے تو امام ہادی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے ابوالقاسم! خدا کی قسم! یہی خدا کا دین ہے وہ دین جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے منتخب فرمایا اور جو اس کی مرضی ہے تم اسی پر ثابت قدم رہو۔ امام علیہ السلام نے اس کے بعد عبدالعظیم کے بارے میں دعا فرمائی اور بارگاہ خداوندی میں اس کی ثابت قدمی کے لئے دعا کی۔

قیامت میں انبیاء کرام اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام میزان عدل ہوں گے

بعض روایات کے مطابق قیامت کے دن ہر امت کا محاسب اس کا امام اور رہنما ہوگا اس طرح قیامت میں اعمال کا وزن تولنے کے لئے میزان عدل انبیاء کرام اور آئمہ اطہارؑ ہیں۔

عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كُلُّ أُمَّةٍ يُحَاسِبُهَا إِمَامُ زَمَانِهَا وَ يَعْرِفُ الْأَئِمَّةُ أَوْلِيَاءَهُمْ وَ أَعْدَاءَهُمْ بِسِيمَاهُمْ.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قیامت میں ہر امت کا محاسب اس امت کے زمانہ کا امام ہوگا اور آئمہ علیہم السلام اپنے دوستوں اور دشمنوں کو ان کے چہروں سے پہچانیں گے۔ [1]

[1] تفسیر صافی، ص ۱۹۳

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ: سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا" قَالَ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْصِيَاءُ

ہشام بن سالم کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے قرآن میں موجود قیامت میں موازین عدل کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: قیامت میں موازین (وزن کرنے والے) انبیاء کرام اور آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ [1]

امیر المومنین علیہ السلام کے حضور امام سجاد علیہ السلام کا مخصوص سلام

ایک دن نجف اشرف میں امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد گرامی امام سجاد علیہ السلام کے ہمراہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی قبر مطہر پر تشریف لائے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد محترم قبر کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے اور متعدد سلاموں کے ضمن میں آپؑ نے یہ سلام بھی اپنے جد امجد کے حضور پیش کیا۔

اَلسَّلاَمُ عَلٰى يَعْسُوْبِ الْاِيْمَانِ وَمِيْزَانِ الْاَعْمَالِ وَسَيْفِ ذِى الْجَلَالِ.

امام سجاد علیہ السلام نے اس عبارت میں حضرت علی علیہ السلام کی تین صفات کو بیان فرمایا ہے:

اول: یعسوب ایمان، دوم میزان اعمال، سوم: رب ذوالجلال کی تلوار:

ا۔ یعسوب:

شہد کی مکھی کے چھتے کے سردار اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ جس وقت سردار چھتے سے باہر نکلتا ہے تو چھتے میں موجود تمام دوسری مکھیاں بھی خارج ہو جاتی ہیں عربی زبان میں یہ ایک ضرب المثل ہے جسے وہ بعض اوقات استعمال کیا کرتے ہیں اس زیارت میں امام سجاد علیہ السلام نے امیر المومنینؑ کو ایمان کے چھتے کا سردار کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایمان، دیگر مومنین کے ایمان کی بہ نسبت چھتے میں موجود شہد کی مکھیوں کے سردار کی طرح ہے۔ کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام ایمان میں رہبر و رہنما ہیں اور دوسرے تمام مومنین چاہے وہ ایمان کے کسی بھی درجے پر فائز ہوں سب امیر المومنینؑ علیہ السلام کے مطیع اور پیروکار ہیں۔

۲۔ میزان عمل:

اس کا معنی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام، محشر میں اسلام کے پیروکاروں کی قدر و منزلت کے وزن کا وسیلہ ہیں جس بھی مسلمان کی ایمان اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شباہت زیادہ ہوگی اسی لحاظ سے اس کے عمل کے پلہ

---

[1] معانی الاخبار، ص ۳۱

کا وزن زیادہ ہوگا۔

لیکن جس کی شباہت امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ کم ہوگی تو اس کے اعمال کا پلہ ہلکا ہوگا، اور اگر وہ مشرک یا کافر ہوگا تو اس کی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ کوئی مشابہت نہ ہوگی اس طرح وہ مومنوں کی صفوں سے خارج ہو جائے گا۔

۳: رب ذوالجلال کی تلوار:

امام سجاد علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی تلوار کہا ہے کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کی تلوار کے ساتھ بہت محبت تھی گویا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آپ خود تلوار تھے وہ بھی خدا کی تلوار۔ خواہشات نفسانی کی تلوار نہیں۔ یعنی حالانکہ آپ بہت بہادر اور طاقتور تھے پھر بھی آپؑ نے کبھی بھی اپنی تلوار سے ناجائز استفادہ نہ کیا نہ ہی آپ نے خدا کی رضا کے خلاف کوئی قدم اٹھایا۔ آپؑ رب ذوالجلال کی تلوار تھے اس لئے آپؑ ہمیشہ کلمہ حق کی سربلندی کے لئے تلوار چلایا کرتے تھے۔

میزان کے بارے میں مرحوم محدث فیض کاشانیؒ کا نظریہ

عظیم عالم، محدث، فلسفی مرحوم فیض کاشانیؒ نے امام صادق علیہ السلام اور امام سجاد علیہ السلام کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے میزان کو انسان کامل سے تعبیر کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ان میزان کل شی هو المعیار الذی به یعرف قدر ذالك الشی فمیزان یوم القیامة للناس ما یوزن به قدر کل انسان و قیمته علی حسب عقیدته و خلقه و عمله و علمه لتجزیٰ کل نفسٍ بما کسبت ولیس ذالك الا الانسان الکامل اذبه و باقتضاء آثاره و ترك ذالك القرب من طریقته والبعد عنها یعرف مقدار الناس و قدر حسانتهم و سیئاتهم فمیزان کل امة هو نبی تلك الامه و وصی نبیها والشریعة التی اتی بها فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

ہر چیز کا میزان وہ آلہ ہے جس کے ذریعے مورد نظر چیز کی قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور قیامت میں لوگوں کے لئے میزان وہ چیز ہوگی جس سے ہر انسان کی قدر و قیمت کو عقیدہ، اخلاق اور عمل کے لحاظ سے وزن کیا جائے گا تاکہ ہر کوئی اپنے عمل کی جزاء تک پہنچ سکے۔ اور قیامت میں یہ معیار انسان کامل کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوگا۔

کیونکہ انسان کامل اور اس کے اقوال و اعمال کی پیروی یا مخالفت سے لوگوں کی قدر و منزلت اور ان کی نیکیوں یا برائیوں کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر ہر امت کا میزان، اس امت کے انبیاء ان انبیاء کے اوصیاء یا وہ شریعت ہے جو وہ اللہ

تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں لہٰذا جن کا میزان اعمال سنگین ہوگا وہ نجات یافتہ ہوں گے اور جن کا میزان اعمال ہلکا ہوگا وہ نقصان والے گروہ میں شامل ہوں گے۔

اس کے بعد مرحوم فیض کاشانی علیہ الرحمہ ہشام بن سالم کی روایت کو بطور شاہد بیان کرتے ہیں جو انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اور اسکا ذکر پہلے بیان ہو چکا ہے اس کے بعد مذکورہ روایت کو ذکر کرتے ہیں۔

وَفِی رِوایَةٍ اُخریٰ عَنْهُمْ عَلَیْهِمُ السَّلامُ نَحْنُ الْمَوَازِیْنُ القسط.

جو روایت اہلبیت اطہار علیہم السلام سے منقول ہے اس میں وہ فرماتے ہیں ''قیامت میں عدل کے میزان ہم ہیں''۔[1]

قرآن مجید میں میزان کے جمع کا استعمال

قرآن مجید میں بعض مقامات پر لفظ ''میزان'' جو کے مفرد ہے کی جگہ ''موازین'' جو اس کا جمع ہے بیان ہوا ہے مفسرین کرام نے اس کی بعض وجوہات بیان کی ہیں۔

اول: ممکن ہے قیامت میں ہر شخص کے پاس اپنا مخصوص میزان ہو اس وجہ سے تمام افراد کے لئے موازین جو کہ جمع ہے استعمال ہوا ہے۔

دوم: تمام انسانوں کے اعمال کے وزن کرنے کا میزان ایک ہی ہے اور جمع افراد کی تعداد کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔

سوم: یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے اعمال کی تعداد کے لحاظ سے جمع کا لفظ بیان ہوا ہو کیونکہ ہر عمل کا جداگانہ وزن کیا جائے گا۔

چہارم: یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب بعض اوقات جمع کے لفظ کو واحد کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں انہوں نے تفاسیر کی کتب میں اس کے لئے ایک مثال بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی موازین کے جمع لانے کے لئے وجہ بیان کی جاسکتی ہے جس کے شواہد کتاب وسنت میں موجود ہیں اور وہ یہ کہ ایک ہی عمل کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ہر پہلو کے وزن کے لئے اس کے ساتھ مناسبت رکھنے والا ایک میزان ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کے اعمال مختلف جہات سے متعدد موازین سے وزن کئے جائیں گے۔

مثلاً نماز ایک عبادت ہے لیکن اس عبادت کے وزن اور قدر کو معین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والے کا خلوص، اس کے درجات علم، عقل، معرفت اور کے خشوع کا بھی وزن کیا جائے۔ مختصر یہ کہ نماز کا اس کے تمام ابعاد کے ساتھ

---

[1] کلمات مکنونہ، ص ۱۰۹

وزن کیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا وزن نماز کی قدر و منزلت میں موثر ہوگا۔اس مطلب کی مزید وضاحت کے لئے یہاں بعض آیات اور روایات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

موازین اعمال میں موثر چیزیں

(الف)۔خلوص

اس میں کوئی شک نہیں کہ میزان میں عبادت کا اس وقت وزن اور مقام ہوگا اور قیامت میں صاحب عمل اس وقت اس سے فائدہ حاصل کرے گا جب اسے خلوص نیت اور ضمیر کی پاکیزگی سے انجام دیا جائے، عامل شخص اسے صرف خدا کی خاطر انجام دے اس میں ریا کاری اور شرک شامل نہ ہو اور اس میں غیر خدا سہیم اور شریک نہ ہو۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے لہٰذا تم لوگ اخلاص دین کے ساتھ اس کی عبادت کرو کہ ساری تعریف اسی عالمین کے پالنے والے خدا کے لئے ہے''۔[۱]

خلوص سے مراد یہ ہے کہ عبادت صرف خدا کے لئے واقع ہو اور عامل کے لئے اس عمل کا انگیزہ اور محرک خدا کی ذات کے علاوہ کوئی اور نہ ہو البتہ عمل میں خلوص کے بہت سے درجات اور مراتب ہیں عامل کا خلوص جتنا زیادہ ہوگا اسی کے مطابق بارگاہ الٰہی میں اس عمل کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی اور وہ عمل میزان عدل میں اتنا زیادہ سنگین ہوگا۔

آزاد بندوں کی عبادت

درجات میں خلوص کے مطابق فرق آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات میں بھی بیان ہوا ہے۔

إِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ رَغْبَةً فَتِلْكَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ وَ إِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ رَهْبَةً فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيدِ وَإِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللهَ شُكْراً فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ایک گروہ اللہ کی عبادت بہشت میں نعمتوں تک رسائی کے لئے کرتا ہے یہ تاجروں والی عبادت ہے، ایک گروہ خدا کی عبادت اس کے عذاب سے خوف کی وجہ سے کرتا ہے۔ یہ غلاموں والی عبادت ہے۔ ایک گروہ خدا کی عبادت اپنے فریضہ کی ادائیگی اور شکر گزاری کے لئے انجام دیتا ہے۔ یہی آزاد لوگوں والی عبادت ہے۔[۲]

---

[۱] سورہ غافر، آیت ۶۰

[۲] نہج البلاغہ، کلامہ ۲۳۷

حالانکہ یہ تینوں گروہ خدا کی طرف متوجہ ہیں اور صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں ان میں خلوص بھی پایا جاتا ہے لیکن پہلے گروہ کے عمل کا سبب وہ بہشت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے دوسرا گروہ جہنم سے نجات کے لئے عمل انجام دیتا ہے جس جہنم سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے البتہ تیسرا گروہ وہ ہے جس کے عبادت کرنے کا سبب صرف بارگاہ الٰہی میں شکر ادا کرنا ہے پہلے دونوں گروہوں میں پہلے گروہ کی بہ نسبت خلوص نیت اور عمل کی پاکیزگی کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق اور فاصلہ پایا جاتا ہے ہم اس فاصلے کو ایک مثال کے ضمن میں بیان کر سکتے ہیں جو شخص نماز حاجت پڑھتا ہے اس کا یہ عمل صرف خدا کے لئے ہے اور وہ قصد قربت رکھتا ہے لیکن اس عبادت کی انجام دہی کے لئے اسے ابھارنے والی اس کی اپنی حاجت روائی ہے اس طرح جو شخص نماز استسقاء پڑھتا ہے یقیناً اس کا یہ عمل خدا کے لئے ہے اور وہ قصد قربت بھی رکھتا ہے لیکن اس عبادت کے لئے اسے حرکت دینے والا برسات کا برسنا اور بھوک اور قحط سالی سے نجات پانا ہے۔

مرحوم سید نے کتاب عروۃ الوثقیٰ میں نماز استجاری کی فصل میں نماز کے لئے اجیر کی اجرت لینے کو انگیزہ پر ایک اور انگیزہ کا نام دیا ہے اپنے بیان کے ضمن میں نماز حاجت اور نماز استسقاء کو بطور مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حاجت روائی اور برسات کے لئے اجرت لینا محرک ہے اور نماز پڑھنے والا اپنے اس عبادی عمل کو قصد قربت اور خدا کے لئے انجام دے رہا ہے۔

ان نماز پڑھنے والوں میں اللہ کے وہ نیک بندہ بھی ہیں جن کا عبادت میں مقصد صرف اپنے عبودیت کے وظیفہ کو انجام دینا ہوتا ہے وہ نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اپنے آرام دہ بستر کو چھوڑ دیتے ہیں اور خلوت میں جا کر صرف خدا اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے نماز ادا کرتے ہیں اس طرح کا گروہ بھی اپنے عبادی عمل میں خلوص نیت اور قصد قربت رکھتا ہے لیکن دونوں نمازیوں کے خلوص میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے جو حاجت روائی یا برسات کے لئے نماز پڑھتے ہیں ان دونوں نمازوں میں معنوی قدر اور وزن کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہے۔

وہ لوگ جو حاجت روائی یا برسات کے حصول کے لئے نماز پڑھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو بہشت کی تمنا یا جہنم سے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے وظیفہ عبودیت کو انجام دینے یا خدا کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھتے ہیں وہ اولیاء الٰہی کے پیروکار ہیں جن کا عبادت میں ہدف صرف منعم حقیقی کی بارگاہ میں شکر گزاری ہوتا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ:

اِلٰهِی مَا عَبَدْتُكَ خَوْفاً مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِیْ جَنَّتِكَ بَلْ وَجَدْتُكَ اَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خداوندا! میں تیری عبادت جہنم کے خوف یا تیری بہشت کی لالچ کی وجہ سے نہیں کررہا بلکہ میں نے تجھے عبادت کا لائق سمجھا اسی وجہ سے تیری عبادت کررہا ہوں۔[۱]

اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء بھی بہشتیوں کی طرح لذتوں سے استفادہ کرتے ہیں لیکن وہ لذتیں جوان کے عظیم روح اور ان کی عظیم فکر کے ساتھ مناسب ہو جو لذتیں مادی لذتوں سے کئی گنا زیادہ لذیذ ہوتی ہیں امام سجاد علیہ السلام بارہویں مناجات کے ضمن میں بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

وَمَا اَطْيَبَ طَعْمَ حُبِّكَ وَمَا اَعْذَبَ شِرْبَ قُرْبِكَ.

''تیری محبت کا طعام کس قدر لذیذ ہے اور تیرے قرب معنوی کا شربت کس قدر شیریں ہے''۔[۲]

حضرت علی علیہ السلام کا اخلاص

جو عبادت خلوص کے ساتھ انجام دی جائے وہ میزان عمل میں اتنا وزن رکھتی ہے کہ صرف ایک ہی عمل جو مکمل طور پر خلوص کے ساتھ انجام دیا جائے اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو اپنے عامل میں بہت بڑا اثر رکھتا ہے اور اسے جہنم کی مشکلات سے نجات دلا کر جنت میں لے جاسکتا ہے۔

قَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَحِيْمٌ يَشْكُرُ الْقَلِيْلَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ يُرِيْدُبِهِ وَجْهَ اللهِ فَيُدْخِلُهُ اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا پروردگار رحیم ہے اور تمہارے عمل کی جزاء اگرچہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، عطا فرماتا ہے اس کا کوئی بندہ خلوص کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی خلوص کے ساتھ دو رکعت کی وجہ سے جنت میں جگہ دیتا ہے۔[۳]

حضرت علی علیہ السلام جو کہ خلوص کی عظیم مثال تھے آپؑ اپنے تمام اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دیتے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس مقدس وظیفہ جو کہ سعادت کا باعث ہے کی تشویق و ترغیب دیا کرتے تھے۔

وَاَخْلِصْ لِلّٰهِ عَمَلَكَ وَحُبَّكَ وَبُغْضَكَ وَاَخْذَكَ وَتَرْكَكَ وَكَلَامَكَ وَصَمْتَكَ.

آپؑ مومن پیروکاروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

[۱] عروۃ الوثقیٰ، فصل نیت ص ۲۰۸
[۲] مفاتیح الجنان، ص ۱۲۳
[۳] سفینہ خلص، ص ۴۰۸

''اپنے علم اور عمل کو، اپنی دوستی اور دشمنی کو، اپنے پکڑنے اور رہا کرنے کو، اپنے خاموش رہنے اور بات کرنے کو خالصتاً خدا کے لئے قرار دو''۔[1]

جلال الدین محمد بلخی نے تاریخ کے ایک قصہ کو نظم کی صورت میں بیان کیا ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے خلوص کا ایک نمونہ ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

از علی آموز اخلاص عمل
شیر حق را دان منزه از دغل
در غزا بر پهلوانی دست یافت
زود شمشیری بر آورد و شتافت
اوخدو انداخت بروری علی
افتخار هر نبی و هر ولی
در زمان انداخت شمشیر آن علی
کرد اواندر غزایش کاهلی
گشت حیران آن مبارز زین عمل
و ز نمودن عفو و رحم بی محل
گفت برمن تیغ تیز افراشتی
از چه افکندی مرابگذاشتی
آن چه دیدی بهتر از پیکار من
تاشدی تو سست در آشکار من
گفت من تیغ از پی حق می زنم
بنده حقم نه مامور تنم
شیر حقم، نیستم شیر هوی

[1] فہرست، غدر، ص ۹۲

فعل من بر دین من باشد گوا
چون درآمد علتی اندر غزا
تیغ را دیدم نہان کردم سزا
تا حب للہ آید نام من
تاکہ ابغض للہ آید کام من
تاکہ اعط للہ آید جود من
تاکہ امسک للہ آید بود من
بخل من للہ عطا للہ و بس
جملہ للہ ام نیم من آن کس

ترجمہ:

حضرت علی علیہ السلام سے عمل کا اخلاص سیکھو، شیر حق کو ہر قسم کے فریب سے پاک و پاکیزہ جانو آپؑ نے ایک غزوہ میں ایک پہلوان پر اپنی تلوار نکالی جب اس پہلوان نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی وہ علی جو ہر نبی اور ہر ولی کے لئے باعث افتخار تھے تو حضرت علی علیہ السلام نے تلوار نیام میں ڈال دی پہلوان آپؑ کے اس عمل پر بہت حیران ہوا جو بے محل امامؑ نے عفوودرگزر کیا تھا

وہ حضرت علی علیہ السلام سے کہنے لگا: آپؑ نے تیز تلوار مجھ پر نکالی اور پھر کیوں مجھے قتل کرنے کی بجائے چھوڑ دیا

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کے لئے تلوار چلاتا ہوں، میں خدا کا بندہ ہوں، اپنے تن کا غلام نہیں میں شیر خدا ہوں، خواہشاتِ نفسانی کا شیر نہیں میرا فعل، میرے دین کی گواہی دے رہا ہے

جب غزوہ میں مجھے ایک علت کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے تیری سزا معاف کردی تاکہ مجھ پر احب للہ خدا کے لئے محبت اور اسی کے لئے بغض کرنے والے کا نام آئے تاکہ پتہ چلے کہ میں صرف خدا کے لئے عطا کرتا ہوں۔

میرا بخل اللہ کے لئے میری عطا اسی ذات کے لئے ہے میں تمام کام صرف اور صرف خدا کے لئے کرتا ہوں

خلاصہ

موازین قیامت میں جن چیزوں کو وزن کیا جائے گا ان میں سے ایک خلوص نیت بھی ہے، دنیا میں جس عمل کے

ساتھ بھی زیادہ خلوص ہوگا قیامت کے دن اس کا وزن زیادہ ہوگا، صاحب عمل کے میزان عمل کے پلہ کو سنگین بنانے میں خلوص کا بہت زیادہ اثر ہے، سب سے زیادہ خلوص ان اعمال میں پایا جاتا ہے جن کی انجام دہی میں عامل کا کوئی فائدہ شامل نہ ہو، اور عامل کو اس عمل پر ابھارنے والی چیز صرف رضائے الٰہی کا حصول ایسے عمل کی مثال اس حدیث کے ضمن میں بھی بیان ہوئی ہے۔

وَ رُوِیَ أَنَّ اللہَ تَعَالَیٰ قَالَ لِمُوسیٰ عليه السلام هَلْ عَمِلْتَ لِی عَمَلًا قَطُّ قَالَ صَلَّيْتُ لَكَ وَ صُمْتُ وَ تَصَدَّقْتُ قَالَ اللہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَیٰ لَهُ أَمَّا الصَّلَاةُ فَلَكَ بُرْهَانٌ وَ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَ الصَّدَقَةُ ظِلٌّ وَ الزَّكَاةُ نُورٌ فَأَيُّ عَمَلٍ عَمِلْتَ لِی قَالَ مُوسیٰ عليه السلام دُلَّنِی عَلَى الْعَمَلِ الَّذِی هُوَ لَكَ قَالَ يَا مُوسیٰ هَلْ وَالَيْتَ لِی وَلِيّاً فَعَلِمَ مُوسیٰ أَنَّ أَفْضَلَ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللہِ

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کیا تم نے کبھی کوئی عمل صرف میرے لئے انجام دیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے تیری خاطر نماز پڑھی ہے، روزہ رکھا ہے، صدقہ دیا ہے اور تیرا ذکر انجام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نماز عبودیت کی دلیل ہے، روزہ جہنم کے لئے ڈھال ہے، صدقہ قیامت کا سایہ ہے اور ذکر نور ہے۔ تم نے کونسا عمل صرف میرے لئے انجام دیا ہے؟ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: بارالٰہا! مجھے اس عمل کے بارے میں بتائیے جو فقط آپ ہی کے لئے ہو۔ خداوند عالم نے فرمایا: اے موسیٰؑ کیا تم نے میرے دوست کو اپنا دوست اور میرے دشمن کو اپنا دشمن سمجھا ہے؟ اس سے حضرت موسیٰ سمجھ گئے کہ سب سے افضل عمل خدا کے لئے دوستی اور خدا کے لئے دشمنی کرنا ہے۔[1]

(ب)۔ عقل

ایک اور امر جس کی وجہ سے قیامت میں نیک اور بد لوگوں کے موازین اعمال میں اثر پڑے گا اور ان کی قدر و منزلت کے وزن کو گھٹایا یا بڑھایا جائے گا اعمال انجام دینے والوں کی عقل کے درجات ہیں، نیک لوگوں کی عقل جتنی زیادہ کامل ہوگی، ان کے اعمال کا وزن اسی مقدار میں زیادہ ہو جائے گا اور بدکردار لوگوں کی عقل جس قدر کامل ہوگی اسی مقدار میں ان کا جرم سنگین ہوگا۔

قیامت میں لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کا وزن صاحبانِ عمل کی عقل کے مطابق ہوگا۔

---

[1] سفینہ، جلد اول، (حبیب)، ص ۲۰۱

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلامُ قَالَ إِنَّمَا یُدَاقُّ اللهُ الْعِبَادَ فِی الْحِسَابِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی قَدْرِ مَا آتَاهُمْ مِنَ الْعُقُولِ فِی الدُّنْیَا

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں کی حساب رسی میں اللہ تعالیٰ کی دقت ان کی عقل کی مقدار کی مناسبت سے ہوگی جو عقل اس نے انہیں دنیا میں عطا فرمائی ہے۔[1]

نہ صرف قیامت میں لوگوں کے اعمال کے میزان کا آسان اور سخت ہونا ان کے عقل پر منحصر ہے بلکہ نیک لوگوں کا انعام اور برے لوگوں کی سزا بھی اسی پر منحصر ہے لہٰذا اچھے اور برے لوگوں کی عقل جتنی زیادہ ہوگی اسی اندازہ کے مطابق اچھے لوگوں کا اجر زیادہ ہوگا اور برے لوگوں کی سزا اتنی ہی زیادہ سخت ہوگی۔

قُلْتُ لِأَبِی عَبْدِ اللهِ علیہ السلام فُلَانٌ مِنْ عِبَادَتِهِ وَ دِینِهِ وَ فَضْلِهِ فَقَالَ کَیْفَ عَقْلُهُ قُلْتُ لَا أَدْرِی فَقَالَ إِنَّ الثَّوَابَ عَلٰی قَدْرِ الْعَقْلِ

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: فلاں شخص عبادت، دین اور فضیلت کے لحاظ سے ایسا ہے،

امامؑ نے فرمایا: اس کی عقل کیسی ہے؟

میں نے عرض کیا: معلوم نہیں،

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہر انسان کے اعمال کی جزا اس کی عقل کی مقدار کے مطابق ہے۔[2]

نتیجہ

عقل کا قوی یا ضعیف ہونا بھی خلوص کے درجات کی طرح ان ابعاد میں سے ہے۔ جو عمل کے وزن میں اپنا اثر چھوڑ کر میزان کے ثقیل یا خفیف ہونے کا باعث بنتے ہیں۔

(ج)۔علم

تیسرا عامل جو قیامت کے دن لوگوں کی نیکیوں کے وزن میں موثر ہوگا اور عمل کی قدر و منزلت کو بڑھا کر صاحب

---

[1] کافی، جلد اول ص ۱۲

[2] کافی، جلد اول ص ۱۲

میزان کے پلہ کے سنگین ہونے کا باعث بنے گا علم ہے وہ قلیل عبادت جسے کوئی عالم انجام دیتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں اس کا وزن غیر عالم زاہدوں اور پرہیز گاروں کی عبادت سے کئی گنا زیادہ ہوگا اور میزان عمل میں اس کا وزن بھی بہت سنگین ہوگا، روایات میں یہ مطلب اچھی طرح بیان ہوا ہے۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ رَكْعَةٌ يُصَلِّيهَا الْفَقِيهُ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ أَلْفَ رَكْعَةٍ يُصَلِّيهَا الْعَابِدُ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نماز کی ایک رکعت جو فقیہ عالم شخص ادا کرتا ہے، عابد کی ستر ہزار رکعتوں سے افضل ہے۔[1]

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بَعَثَ اللهُ الْعَالِمَ وَ الْعَابِدَ فَإِذَا وَقَفَا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ قِيلَ لِلْعَابِدِ انْطَلِقْ إِلَى الْجَنَّةِ وَ قِيلَ لِلْعَالِمِ قِفْ تَشْفَعْ لِلنَّاسِ بِحُسْنِ تَأْدِيبِكَ لَهُمْ

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے عالم اور عابد (دونوں) کو اٹھایا جائے گا جب یہ دونوں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ تم بہشت میں جاؤ اور عالم سے کہا جائے گا، اپنے حسن مقام کے مطابق لوگوں کی شفاعت کرو۔

نہ صرف محشر میں عالم اور عابد کی عبادتوں کا وزن برابر نہ ہوگا بلکہ روایات میں ہے کہ یہ فرق علماء اور شہداء کے درمیان بھی موجود ہوگا روایات میں شہید کی فداکاری پر عالم کی برتری کو نہایت ہی لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عالم اور مجاہد

عالم اور مجاہد دونوں دین کے خدمت گزار ہیں اور دونوں کا مقصد کلمہ حق کی سربلندی، پاکیزگی اور فضیلت کو عام کرنا ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ عالم شرک اور کفر کے مقابل داخلی جنگ لڑتا ہے اور مجاہد مشرکین اور کفار کے ساتھ خارجی جنگ میں سرگرم رہتا ہے عالم اور مجاہد دونوں انسانوں کی سعادت اور نیک بختی کے لئے کوشش کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ انسانوں کے لئے راہ ہموار کر کے ان کے لئے تکامل کا باعث بنیں، عالم کوشش کرتا ہے کہ گمراہی اور انحراف کو دور کرے، اخلاقی اور اعتقادی امراض کا علاج کرے لوگوں کو مومن بنا کر ان کے درمیان دوستی اور محبت کا پیغام عام کرے اور مجاہد کوشش کرتا ہے کہ گمراہ اور منحرف لوگوں کو ختم کرے، معاشرے کے فاسد اور ناقابل علاج لوگوں کو ختم کرے، دوسرے لوگوں کو ان کی شر سے نجات دلائے، عالم کے کام کا وسیلہ قلم اور زبان ہوتا ہے اور مجاہد کے کام کا ذریعہ گرم اور سرد اسلاح ہے۔

---

[1] بحار، جلد اول، ص ۷۴، ۷۵

عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلامُ قَالَ: اَلسَّیْفُ فَاتِقٌ وَالدِّیْنُ رَاتِقٌ فَالدِّیْنُ یَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالسَّیْفُ یَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ.

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: تلوار جدائی اور فاصلے کا عامل ہے اور دین اتصال اور پیوستگی کا باعث ہے پس دین امر بالمعروف کرتا ہے اور تلوار نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہے۔[1]

عالم اپنے قلم میں موجود سیاہی کے ذریعے لڑتا ہے وہ دلیل کے ساتھ اپنے مطالب صفات پر لکھ کر دشمن کو علمی دلائل کے ذریعے شکست دیتا ہے، اور مجاہد اپنی رگوں میں دوڑنے والے خون سے میدان جنگ کو رنگین کر کے دشمن کو نیست و نابود کر دیتا ہے قیامت کے دن ان دونوں اسلحوں کا وزن کیا جائے گا تا کہ جو زیادہ وزن کا حامل ہے اس کا پتہ چل جائے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللهِ عَلَیْہِ السَّلامُ: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ جَمَعَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ النَّاسَ فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ وَ وُضِعَتِ الْمَوَازِیْنُ فَتُوْزَنُ دِمَاءُ الشُّھَدَاءِ مَعَ مِدَادِ الْعُلَمَاءِ فَیُرَجَّحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ عَلٰی دِمَاءِ الشُّھَدَا.

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اولین و آخرین تمام مخلوقات کو ایک ہی زمین میں جمع کرے گا، موازین (ترازو) کو برقرار کیا جائے گا اور (اس میں) شہیدوں کے خون اور علماء کے قلم کا وزن کیا جائے گا اور یہ نتیجہ نکلے گا کہ علماء کے قلم کا وزن شہداء کے خون سے زیادہ سنگین ہے۔[2]

---

[1] غرر الحکم، ص ۱۰۰

[2] مشکوۃ الانور، ص ۱۳۷، امالی صدوق، مجلسی ۳۲، ص ۱۰۲

پانچویں فصل

حساب قیامت

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

''اس دن سے ڈرو جب تم سب پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے جاؤ گے اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کیئے کا پورا پورا بدلے ملے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔[1]

قیامت کے دن انسانوں کے نامۂ اعمال، عقائد، اور اعمال کی جانچ پڑتال اور عدل کے ذریعے تولے جانے کے بعد تمام انسانوں کی وضعیت واضح ہوجائے گی جس کے نتیجہ میں مؤحد و مشرک، مومن و کافر، مظلوم و ظالم، مقروض و قرض خواہ اور پاک و ناپاک سب پہنچائے جائیں گے۔ یہ شناخت عدل اور حق کو صاحبانِ حق تک پہنچانے کی اساسی اور بنیادی شرط ہے قیامت میں تمام انسانوں کے محشور ہونے کی کیفیت ایک جیسی نہیں ہوگی بلکہ سب انسان ایک دوسرے سے مختلف ہوکر قیامت میں حاضر ہوں گے۔ اس ظاہری فرق سے ان کے عقائد کے درست یا غلط ہونے اور ان کے اعمال کے خوب یا بد ہونے کے بارے میں معلوم ہوجائے گا۔ لوگ اسی فرق کے ذریعہ محاسبہ سے پہلے ہی اپنی حقیقت سے باخبر ہوجائیں گے اور ہر انسان اجمالی طور پر سمجھ لے گا کہ وہ متقی اور پاک لوگوں میں سے ہے یا بدبخت اور ناپاک لوگوں میں ہے۔

قیامت میں نیک اور متقی لوگوں کا استقبال

اس دن متقی اور پرہیز گار لوگوں کی قدر و منزلت ظاہر ہوجائے گی ان کے ضمیر کا نور ان کی پیشانیوں پر روشن ہوگا اور لوگوں کو ان کے باایمان ہونے اور صحیح اعمال کے بارے میں معلوم ہوجائے گا۔

اسی طرح اس دن گناہگاروں اور ناپاک لوگوں کے ضمیر کی تاریکی اور باطن کی پلیدی بھی ظاہر ہوجائے گی ان کے تمام مخفی راز فاش ہوجائیں گے اور اہل محشر ان کے باطن کی خباثت کے بارے میں جان لیں گے اس سلسلے میں قرآن وسنت سے آگاہی کے لئے یہاں چند آیات اور روایات کو بیان کیا جارہا ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا

---

[1] بقرہ، آیت ۲۸۱

قیامت کے دن ہم صاحبانِ تقویٰ کو رحمان کی بارگاہ میں مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔[۱]

وفد: لغت میں وفد معزز اور محترم گروہ کو کہا جاتا ہے جو بزرگوں کی ملاقات کے لئے جاتے ہیں اور ان کی فضل اور عنایتوں میں شامل ہوتے ہیں۔

بہت سی روایات میں ہے کہ قیامت میں لوگ حفاۃ وعراۃ یعنی پا برہنہ اور ننگے محشور ہوں گے، لیکن عامہ اور خاصہ کی تفاسیر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی روایات منقول ہیں کہ قیامت میں متقی لوگ سوار محشور کئے جائیں گے۔

عَنِ النَّبِيِّ اللهِ عَلَيْهِ وَآلِهِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا قَالَ أَمَا وَاللهِ مَا يُحْشَرُوْنَ عَلٰى أَقْدَامِهِمْ وَلَا يُسَاقُوْنَ سَوْقاً وَلٰكِنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ بِنُوْقٍ مِنَ الْجَنَّةِ لَمْ تَنْظُرِ الْخَلَائِقُ إِلٰى مِثْلِهَا

قیامت کے دن صاحبان تقویٰ کو رحمان کی بارگاہ میں مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔[۲]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم متقی افراد اپنے قدموں سے محشر میں نہیں آئیں گے اور ملائکہ انہیں میدانِ قیامت کی طرف نہیں لے جا رہے ہوں گے بلکہ ان کے لئے بہشتی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن اونٹنیوں کو مخلوقات میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔[۳]

عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْداً، فَقَالَ: يَا عَلِيُّ إِنَّ الْوَفْدَ لَا يَكُوْنُ إِلَّا رُكْبَاناً أُولٰئِكَ رِجَالٌ اِتَّقَوُا اللهَ فَأَحَبَّهُمُ اللهُ عَزَّ ذِكْرُهُ وَاخْتَصَّهُمْ وَرَضِيَ أَعْمَالَهُمْ فَسَمَّاهُمُ الْمُتَّقِيْنَ ثُمَّ قَالَ يَا عَلِيُّ أَمَا وَالَّذِيْ خَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَى النَّسَمَةَ إِنَّهُمْ لَيَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَسْتَقْبِلُهُمْ بِنُوْقٍ مِنْ نُوْقِ الْعِزِّ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موردِ بحث آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: وفد سوار گروہ کے علاوہ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ متقی لوگوں کا گروہ ہے، اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور انہیں اپنے لئے مخصوص کیا ہے وہ ان کے اعمال سے راضی وخشنود ہے اور اس نے ان کا نام متقین رکھا

---

[۱] سورہ مریم، آیت ۸۵

[۲] سورہ مریم، آیت ۸۵

[۳] تفسیر در المنشور، ج ۴، ص ۲۸۰

ہے اس کے بعد فرمانے لگے:

اے علی علیہ السلام! اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو زمین میں توڑ کر اس سے صاحب روح موجودات کو خلق فرمایا: یہ با تقویٰ گروہ جب اپنی اپنی قبروں سے باہر آئیں گے تو ملائکہ محترم اور بزرگ اونٹینوں کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے۔[1]

قیامت میں نور کی تقسیم

قرآن مجید میں خدا پر ایمان اور ہدایت کو نور کہا گیا ہے اور کفر اور گمراہی کو ظلمت کا نام دیا گیا ہے وہ لوگ جو اس کائنات میں خدا پر ایمان رکھتے اور تعلیمات الٰہی کو قبول کرتے ہیں وہ باطنی نورانیت کے حامل ہوتے ہیں بے ایمان اور گمراہ لوگ ان کے برعکس ہیں جن کے ضمیر سیاہ اور تاریک ہوتے ہیں:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

''کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور قرار دیا جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے اس کی مثال اس کی جیسی ہوسکتی ہے جو تاریکیوں میں ہو اور ان سے نکل بھی نہ سکتا ہو۔۔۔''[2]

اس سوال کا جواب واضح اور روشن ہے اور کبھی بھی یہ دونوں (نور اور ظلمت) ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے لیکن یہ نور اور ظلمت جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں بیان ہوا ہے اس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے اس لئے اس مادی اور محسوس کائنات میں نہ تو باایمان لوگوں کے چہروں پر روشنی اور نورانیت ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی کفار کے چہروں میں ظلمت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لیکن عالم آخرت جس میں تمام پردے اٹھ جائیں گے اور پوشیدہ امور ظاہر ہوں گے وہاں یہ مخفی فرق بھی آشکار ہوجائے گا۔

جب محشر میں مومن اور نیک لوگ قدم رکھیں گے تو نور کی موجیں ان کے آگے آگے چل رہی ہوں گی اور وہاں موجود لوگ اس کا مشاہدہ کررہے ہوں گے قرآن مجید میں اس سلسلے میں ارشاد رب العزت ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

''اس دن تم باایمان مرد اور باایمان عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ایمان ان کے آگے آگے اور داہنے طرف چل رہا ہے۔۔۔''[3]

---

[1] تفسیر برہان، جلد ۳، ص ۴۴

[2] انعام: آیت ۱۲۲

[3] سورہ الحدید، آیت: ۱۲

چونکہ مومن مرد اور خواتین کا قیامت میں یہ نور ان کے معنوی اور ایمانی پہلو کی وجہ سے ہوگا اور دنیا میں مومنوں کے ایمان کے درجات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اس بناء پر یقینا قیامت میں ان کی نورانیت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔

يُقْسَمُ النُّوْرُ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيامَةِ عَلٰى قَدْرِ اِيمَانِهِم.

اس آیت کے ذیل میں تفسیر قمی میں ہے کہ ''قیامت میں لوگوں کے درمیان نور کی تقسیم ان کے ایمان کے درجہ کے مطابق ہوگی''۔[1]

قَالَ قَتَادَةُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُضِئُ لَهٗ كَما بَيْنَ عَدَنَ اِلٰى صَنْعَاءِ وَ دُوْنَ ذَالِكَ حَتّٰى اَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ لَا يُضِئُ لَهٗ نُوْرُهٗ اِلَّا مَوْضِعَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ وَيُؤْتَوْنَ نُوْرَهُمْ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ نُوْرُهٗ مِثْلُ الْجَبَلِ وَ اَدْنَاهُمْ نُوْرًا نُوْرُهٗ عَلٰى اِبْهَامِهٖ يَطْفَأُ مَرَّةً وَيَقِدُ اُخْرٰى o

قتادہ کہتے ہیں مومن کا نور عدن اور صنعا جتنے فاصلے جتنی بڑی فضا کو روشن کرسکتا ہے اور یہ نور لوگوں کے درمیان موجود فرق کے مطابق نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں کا نور صرف ان کے پاؤں کی جگہ کو روشن کرے گا، عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ مومنوں کے نور کا نکلنا ان کے اعمال کے مطابق ہوگا، بعض افراد کا نور پہاڑ جتنا ہوگا، وہ لوگ جن کے اعمال کم ہوں گے نور صرف ان کی انگلی کے سروں پر ہوگا وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔[2]

آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی روایات کے مطابق دنیا میں جن مومنوں کے آپس میں روابط پاک و پاکیزہ اور بے لوث ہیں اور وہ صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں قیامت میں ان کے اس عظیم عمل کی وجہ سے ان کے چہرے نورانی اور درخشاں ہوں گے۔

عَنْ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ الْمُتَحَابِّينَ فِي اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ قَدْ أَضَاءَ نُورُ وُجُوهِهِمْ وَ نُورُ أَجْسَادِهِمْ وَ نُورُ مَنَابِرِهِمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى يُعْرَفُوا بِهِ فَيُقَالُ هَؤُلَاءِ الْمُتَحَابُّونَ فِي اللهِ

ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: وہ لوگ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے، ان کے چہروں، ان کے بدن اور ان

[1] تفسیر قمی، جلد ۲، ص ۳۰۱
[2] تفسیر مجمع البیان، جلد ۹، ص ۱۰، ص ۲۳۵

کے منبروں کا نور ہر چیز کو منور کرے گا، یہاں تک کہ وہ اسی نور کے ذریعے پہچانیں جائیں گے اوران کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ وہی ہیں جو صرف خدا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔[1]

باایمان اور نیک لوگوں کے مقابلے میں، مشرک اور گناہ گار لوگ ہیں وہ جب میدان محشر میں قدم رکھیں گے تو ان کے اندر سے ظلمت اور تاریکی باہر نکل رہی ہوگی جو ان کے چہروں کو سیاہ بنالے گی، قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ

اورتم روز قیامت دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر بہتان باندھا ہے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔[2]

عَنْ سُوْدَةَ بْنِ كُلَيْبٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ فَقَالَ كُلُّ اِمَامٍ انْتَحَلَ اِمَامَةً لَيْسَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ: قُلْتُ وَاِنْ كَانَ عَلَوِيًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنْ كَانَ عَلَوِيًّا قُلْتُ وَاِنْ كَانَ فَاطِمِيًّا قَالَ وَاِنْ كَانَ فَاطِمِيًّا ۝

سودة بن کلیب کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس (مذکورہ) آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: جو بھی یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کی رہبری اور امامت کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ اس آیت میں شامل ہوگا اور قیامت میں اس کا چہرہ سیاہ ہوگا۔

میں نے عرض کیا اگر وہ مدعی علوی ہو تو؟ آپؑ نے فرمایا: اگرچہ وہ علوی ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے عرض کیا اگر وہ فاطمی ہو تو؟ آپؑ نے فرمایا: اگرچہ فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔[3]

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر قیامت کے دن ایک گروہ کے چہروں پر روشنی اور دوسرے گروہ کے چہروں پر تاریکی اور ظلمت کو بہشتوں اور جہنمیوں کے عنوان سے بیان فرمایا ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۚ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

”جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے نیکی بھی ہے اور اضافہ بھی ہے اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی ہوگی اور نہ

---

[1] کافی، جلد ۲، ص ۱۲۵

[2] سورہ زمر، آیت ۶۰

[3] تفسیر مجمع البیان، جلد ۷، ۸، ص ۴۰۴

ذلت، وہ جنت والے ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جن لوگوں نے برائیاں کمائی ہیں ان کے لئے ہر برائی کے بدلے ویسی ہی برائی ہے اور ان کے چہروں پر گناہوں کی سیاہی بھی ہوگی اور انہیں عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہرے پر جیسے سیاہ رات کی تاریکی کا پردہ ڈال دیا گیا ہو۔ وہ اہل جہنم ہیں اور اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ [۱]

امام سجاد علیہ السلام دعا کے ضمن میں بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

وَبَيِّضْ وُجُوهَنَا يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوهُ الظَّلَمَةِ.

خداوندا! ہمارے چہروں کو اس دن سفید کرنا، جس دن ظالموں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ [۲]

قیامت میں متقین کا سوار ہو کر آنا اسی طرح وہ نور جو مومنین کے آگے چل رہا ہوگا اس کا مشاہدہ کرنا، نیز ظلمت جو اس دن مشرکین اور کفار کے چہروں پر ہوگی، یہ تمام علامات ہیں جو اجمالی طور پر بیان کر رہی ہیں کہ اس دن ایک گروہ سعادت مند ہوگا اور دوسرا گروہ بد بخت ہوگا۔

حساب قیامت

لیکن انسانوں کی تفصیلی وضعیت اور قطعی فیصلہ نامہ اعمال کے محاسبہ اور اسے تولنے کے بعد معلوم ہوگا، اسی وقت نیک لوگوں کے مراتب اور بدکردار افراد کی بدی کے درجات کے بارے میں بھی معلوم ہو جائے گا، اور گنہگار افراد اوامر الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے سزا پائیں گے اور بارگاہ الٰہی میں شرمسار نظر آئیں گے۔ اسی طرح لوگوں سے وابستہ جن ناجائز اعمال کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور ان کے جان و مال میں ناجائز تصرف کیا ہوگا وہ ان سے بھی باخبر ہو جائیں گے اور خود کو ان کا مقروض اور مسئول سمجھنے لگیں گے محشر میں موجود تمام لوگ پریشانی اور اضطراب میں مبتلا ہوں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ اگر وقت کے ساتھ محاسبہ کیا گیا اور ہر چھوٹے بڑے کام کا مواخذہ کیا گیا اور کسی کو بھی معافی نہ دی گئی تو تمام لوگ حتیٰ کہ نیک اور صالح افراد بھی اپنے اعمال کی وجہ سے گرفتار ہو جائیں گے اور کم و بیش انہیں بھی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دقیق حساب رسی کی سنگینی اور خطرناک عاقبت کو متعدد روایات میں بیان فرمایا ہے جن کا ذکر عامہ اور خاصہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ كُلُّ مُحَاسَبٍ مُعَذَّبٌ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللهِ فَأَيْنَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَ

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت ۲۶، ۲۷

[۲] صحیفہ سجادیہ، دعا ۴۲

جَلَّ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً [۱] قَالَ ذَاكَ الْعَرْضُ يَعْنِي التَّصَفُّحَ

امام محمد باقر علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس کا بھی محاسبہ کیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس آسان حساب کے بارے میں فرمایا ہے: وہ کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: یہ آسان حساب نامہ عمل کا پیش ہونا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب عمل کے گناہوں سے درگزر کرے گا اور اسے اپنے عفو و مغفرت میں شامل کرے گا۔ [۲]

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ: لَيْسَ اَحَدٌ يُحَاسَبُ اِلَّا هَلَكَ فَقُلْتُ أَلَيْسَ اللهُ يَقُوْلُ: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِساباً يَسِيراً ٥ قَالَ ذَالِكَ بِالْحِسَابِ وَلٰكِنْ ذَالِكَ الْعَرْضُ وَمَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ هَلَكَ ٥

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی کا بھی حساب نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

راوی نے عرض کیا: کیا اس طرح نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال ہو گا اس سے آسان حساب ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: ''یہ حساب نہیں بلکہ یہ نامہ اعمال کا پیش ہونا ہے کیونکہ اگر کسی کے حساب میں دقت کی جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ [۳]

قیامت میں رحمت الٰہی کی وسعت

جیسا کہ آیات و روایات میں ہے اور گذشتہ فصلوں میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر لوگوں پر اپنی رحمت اور فضل کو خود پر لازم قرار دیا ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم قرار دی ہے۔ [۴]

بعض روایات کے مطابق جو رحمت اور عطوفیت عالم آخرت کے تکوینی نظام میں حکم پروردگار سے قائم ہوگی اس کا مرتبہ دنیا میں اس کی رحمت اور عطوفیت سے کئی گناہ زیادہ ہوگا۔ بعبارت دیگر جس طرح عالم آخرت کی تمام نعمتیں کمیت اور

---

[۱] سورہ انشقاق آیت ۸

[۲] بحار، جلد ۳، ص ۲۶۷

[۳] تفسیر در المنثور، جلد ۶، ص ۳۲۹

[۴] انعام، آیت ۵۴

کیفیت کے اعتبار سے دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہوں گی۔ اسی طرح اس عالم کی رحمت اور عطوفیت بھی دنیاوی رحمتوں سے زیادہ ہوگی۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ خَلَقَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِأَةَ رَحْمَةٍ فَجَعَلَ مِنْهَا فِى الْاَرْضِ رَحْمَةً فِيْهَا تَعْطِفُ الْوَالِدَةُ عَلٰى وَلَدِهَا وَالْوَحْشُ وَالطَّيْرُ بَعْضُهَا عَلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ

حضرت سلمانؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی خلقت کے دن ایک سو رحمتیں خلق فرمائیں، ان سو رحمتوں میں سے ایک رحمت کو اس نے زمین پر مقرر کیا اسی ایک رحمت کی وجہ سے ماں اپنے بچوں سے محبت کرتی ہے اور اسی ایک رحمت کی وجہ سے درندے اور پرندے اپنے اپنے بچوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور جب قیامت کا دن آئے گا تو خداوند عالم اس ایک رحمت کو بقیہ نوے رحمتوں سے مکمل اور پورا کرے گا۔ [1]

عالم آخرت وہ عالم ہے جہاں عام لوگوں کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت بڑھ جائے گی اور وہ بہت زیادہ مہر و محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آئیں گے، خداوند عالم اپنے بندوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ذات ہے اس لئے وہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کا لطف و کرم اور فیض وسیع ہو جائے اور اس کے بندے دنیا سے زیادہ اس عالم میں اس کی رحمت کی نعمت سے استفادہ کریں، روایات کے مطابق ایسا ہی ہوگا۔ لیکن گنہگار لوگ اس عفو سے محروم رہیں گے اور وہ غفران الٰہی میں شامل نہیں ہوں گے، اس کے علاوہ تمام لوگ کم و بیش اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے استفادہ کریں گے اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے، یہ وہ شناخت ہے جو مسلمانوں نے مکتب اسلام سے سیکھی ہے اور یہ ایسا حسن ظن ہے جو قرآن مجید کے پیروکار اپنے کریم رب کے بارے میں رکھتے ہیں۔

حُكِيَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَنْ يَتَوَلّٰى حِسَابَ الْخَلْقِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللهُ تَعَالٰى فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ هُوَ بِنَفْسِهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ نَعَمْ فَضَحِكَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ النَّبِيُّ بِمَ ضَحِكْتَ يَا اَعْرَابِيُّ؟

فَقَالَ اِنَّ الْكَرِيْمَ اِذَا قَدَرَ عَفٰى وَاِذَا حَاسَبَ سَامَحَ فِى الْحِسَابِ وَلَا يُنَاقِشُ فِيْهِ

منقول ہے کہ ایک اعرابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: قیامت میں مخلوقات کا حساب کس کی طرف سے لیا جائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ پھر اس نے پوچھا: کیا خداوند

---

[1] تفسیر در المنثور، جلد ۳، ص ۶

عالم خود حساب لے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں اعرابی یہ سن کر ہنسنے لگا: آنحضرتؐ نے فرمایا: تم کیوں ہنس رہے ہو؟ اس نے عرض کیا: جب کریم اور بزرگوار شخص خود کسی پر مسلط ہوجاتا ہے تو اسے معاف کردیتا ہے اور جب وہ خود حساب لیتا ہے تو درگذر کرتا ہے۔[۱]

قابل بخشش اور نا قابل بخشش گناہ

قابل بخشش اور نا قابل بخشش گناہوں کے بارے میں جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قابل بخشش گناہوں کے بارے میں جان لیں، قیامت میں امور کا حل وفصل کس طرح ہوگا اور جو حق لوگ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں ان کا حساب کس طرح ہوگا اس فصل میں قرآن وسنت کی رو سے ان امور کے بارے میں بحث ہوگی تا کہ کسی حد تک قارئین کرام کے سامنے یہ بات واضح ہوجائے اور وہ اپنے آئندہ کے بارے میں باخبر رہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک مہم گناہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ گرفتار ہوں گے اور کسی بھی طرح ان کی مشکل دور نہیں ہوگی۔لقمان حکیم نے شرک کو ظلم عظیم کا نام دیا ہے۔اور صراحت کے ساتھ قرآن مجید اور آئمہ اہلبیتؑ کی روایات میں بیان ہوا ہے کہ یہ گناہ ہرگز معاف نہیں ہوگا۔جو شخص مشرک ہوکر اس دنیا سے جائے وہ قیامت میں مشرکوں کی صف میں ہوگا اور گروہ مشرکین کے لئے بارگاہ خداوندی میں کوئی جگہ نہیں۔اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ مشرک کو وہ معاف نہیں کرے گا اور شرک ایسا گناہ ہے جو کبھی بھی اس کے عفو ومغفرت میں شامل نہیں ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرسکتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے اور جو بھی اس کا شریک بنائے گا اس نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔[۲]

مکتب انبیاء میں خدا کے ساتھ شرک کو عظیم گناہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ گناہ بہت سی مادی اور معنوی بدبختیوں کا باعث ہے یہ معاشرے کو پستی اور ضلالت کی طرف لے جاتا ہے اور انسانوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان مہیا کرتا ہے۔

---

[۱] علم الیقین، ص ۹۶۱
[۲] نساء۔ آیت ۴۸

مشرکوں کے دو عظیم گناہ

مشرک لوگ دو عظیم ظلم انجام دے کر خود کو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے دور کر دیتے ہیں۔

اوّل:

وہ نعمت عقل کا انکار کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے کام نہیں لیتے جس کی وجہ سے وہ ہدایت سے دور رہتے ہیں نا چیز مخلوق کو اپنا خالق بنا کر اس کے سامنے عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اس طرح وہ عملاً اپنی انسانی قدر و قیمت کو پامال کر دیتے ہیں قرآن مجید میں ان انسانوں کو جو عقل سے کام نہیں لیتے اور غور و فکر نہیں کرتے، تمام حشرات الارض اور حیوانات سے پست قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ

اللہ کے نزدیک بدترین زمین پر چلنے والے وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں۔[۱]

دوم:

وہ خود کو بارگاہ الٰہی میں ادب کرنے کی اجازت نہیں دیتے اپنے پروردگار کو اپنا معبود نہیں مانتے اور نہ ہی اس کی بندگی کا طوق اپنی گردن میں ڈالتے ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے تاکہ خود کو ظالموں کے گروہ سے نجات دلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو پروردگار پر افتراء کرے اور اس کے خلاف الزام لگائے۔[۲]

قدرت مند خالق نے عالم ہستی کو خلق فرمایا اور نظام خلقت میں اس نے ہر موجود کے لئے مخصوص خاصیت اور اثر مقرر کیا تاکہ ان خواص اور آثار کی فعالیت کے ذریعے کائنات کا عمومی نظام برقرار رہے اور خلقت کا یہ عظیم کارخانہ اپنی تکوینی حرکت کو جاری رکھ سکے۔

اس مطلب کا تعلق عقل، ادراک اور علمی مقدمات کے ساتھ ہے۔ لیکن مشترک لوگ اپنے مشرکانہ عقائد میں تقلید یا تعصب کی وجہ سے عقل اور علم کے راستے سے منصرف ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ حقائق کو نہیں مانتے وہ سمجھتے ہیں کہ بعض آسمانی سیارے یا زمین سے نکلنے والی اشیا فوق العادہ موجودات ہیں اور ان کے پاس عظیم قدر اور نظام خلقت سے زیادہ ان میں

---

[۱] انفال، آیت: ۲۲

[۲] کہف، آیت ۱۰

طاقت پائی جاتی ہے وہ زندگی کے مختلف مراحل میں ان کی طاقت سے استفادہ کے لئے انہیں اپنا معبود بنا لیتے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اس عمل کی وجہ سے وہ خود کو اللہ تعالی کی وسیع رحمت سے محروم کر لیتے ہیں۔

اگر مشرک اپنی زندگی ہی میں سنبھل جائیں اور اپنی عقل سے کام لے کر شرک کو ترک کریں اور خلوصِ نیت سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس گناہ کو معاف فرمائے گا اور یہ مشرکانہ موت سے نجات پائیں گے۔ لیکن اگر وہ اپنی مشرکانہ زندگی کو جاری رکھیں اور اسی طرح مشرکانہ طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں اور انہیں اسی حالت میں موت آجائے تو قیامت میں ان کا گناہ معاف نہیں ہوگا اور وہ عذاب ابدی میں مبتلا ہوں گے۔

گناہوں کی اقسام

شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور گنہگار امر الٰہی کی نافرمانی کی وجہ سے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔

مثلاً: اس نے نماز نہ پڑھی ہو، روزہ نہ رکھا ہو، زنا یا شراب نوشی کا مرتکب ہوا ہو۔ اس طرح کے گناہ، خداوند عالم کی مشیت کے مطابق عفو اور مغفرت کے قابل ہوتے ہیں۔

حقوق العباد

دوسری قسم وہ گناہ ہیں جن کے دو طرف ہوتے ہیں گنہگار خدا کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا اور اس حد سے تجاوز کر لیتا ہے جو شریعت میں بیان ہوئی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے حقوق پر تجاوز کرتا ہے جیسے کسی بے گناہ کو قتل کرنا، اموال کی چوری کرنا مسلمانوں کی غیبت اور ان پر تہمت لگانا، یہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے جب دونوں اطراف (خدا اور بندہ) کی طرف سے حل وفصل ہو جائے۔

الٰہی پہلو کے سلسلے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق اہل ایمان کو معاف کر دے گا اور انہیں عفو و مغفرت میں شامل کرے گا اس طرح کے گناہوں کے سلسلے میں سب سے بڑی مشکل لوگوں کی طرف سے حل وفصل ہے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مظلوموں کے حق کو پامال نہیں کرے گا اور اس وقت تک ظالم کو نہیں چھوڑے گا جب تک خود مظلوم گنہگار کو معاف کر دے یا اس پر موجود اپنے حق سے درگزر کرے یا دنیا میں ان کے حق پر جو ظلم ہوا ہے اس کا جبران کیا جائے اور مظلوم اپنا ضائع شدہ حق حاصل کر لے۔

اعمال کا ایک دوسرے کے ساتھ مقائسہ

قیامت میں لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے اور ان کے درمیان حل اور فصل والی روایات بیان کرنے سے قبل، گنہگاروں سے وابستہ اس روایات کو بیان کیا جا رہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا ذکر ہے۔

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ يُوقَفُ الْعَبْدُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ تَعَالَى فَيَقُولُ قِيسُوا بَيْنَ نِعَمَتِي عَلَيْهِ وَ بَيْنَ عَمَلِهِ فَتَسْتَغْرِقُ النِّعَمُ الْعَمَلَ فَيَقُولُونَ قَدِ اسْتَغْرَقَ النِّعَمُ الْعَمَلَ فَيَقُولُ هَبُوا لَهُ النِّعَمَ وَ قِيسُوا بَيْنَ الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ مِنْهُ فَإِنِ اسْتَوَى الْعَمَلَانِ أَذْهَبَ اللهُ الشَّرَّ بِالْخَيْرِ وَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَ إِنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ أَعْطَاهُ اللهُ بِفَضْلِهِ وَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِ فَضْلٌ وَ هُوَ مِنْ أَهْلِ التَّقْوَى وَ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ تَعَالَى وَ اتَّقَى الشِّرْكَ بِهِ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَغْفِرَةِ يَغْفِرُ اللهُ لَهُ بِرَحْمَتِهِ إِنْ شَاءَ وَ يَتَفَضَّلُ عَلَيْهِ بِعَفْوِهِ

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: قیامت میں ایک بندے کو بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا، میں نے اسے دنیا میں نعمت دی تھی اسے اس کے عمل کے ساتھ مقائسہ کرو جب وہ مقائسہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کو عطا کردہ نعمت زیادہ ہے اور وہ نعمت اس کے تمام اعمال پر حاوی ہے وہ اس مقائسہ کا نتیجہ بیان کریں گے حکم پروردگار ہوگا میری نعمت اسے بخش دو اور اس کے اچھے اور برے اعمال کا مقائسہ کرو۔ اگر اس کے دونوں اعمال برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کے اعمال خیر کی وجہ سے معاف کردے گا اور اسے بہشت میں لے جایا جائے گا۔ اور اگر اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کی کثرت کی وجہ سے اسے اپنے فضل سے مستفید فرمائے گا۔ اور اگر اس کی برائیاں زیادہ ہوں گی تو اگر وہ شخص زندگی میں متقی اور شرک سے پاک رہا ہوگا تو وہ مغفرت کے لئے مناسب ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے بخش دے گا اور اپنے عفو اور درگذر سے اس پر فضل فرمائے گا۔ [1]

گناہوں کی قسمیں

اَبِي رِفْعَةَ قَالَ صَعِدَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ علیہ السلام بِالْكُوفَةِ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَ أَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الذُّنُوبَ ثَلَاثَةٌ ثُمَّ أَمْسَكَ فَقَالَ لَهُ حَبَّةُ الْعُرَنِيُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قُلْتَ الذُّنُوبُ ثَلَاثَةٌ ثُمَّ أَمْسَكْتَ فَقَالَ مَا ذَكَرْتُهَا إِلَّا وَ أَنَا أُرِيدُ أَنْ أُفَسِّرَهَا وَ لَكِنْ عَرَضَ لِي بُهْرٌ حَالَ بَيْنِي وَ بَيْنَ الْكَلَامِ نَعَمِ الذُّنُوبُ ثَلَاثَةٌ فَذَنْبٌ مَغْفُورٌ وَ ذَنْبٌ غَيْرُ مَغْفُورٍ وَ ذَنْبٌ نَرْجُو لِصَاحِبِهِ وَ نَخَافُ عَلَيْهِ

---

[1] بحار، جلد ۳، ص ۲۶۷

قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَبَيِّنْهَا لَنَا قَالَ نَعَمْ أَمَّا الذَّنْبُ الْمَغْفُورُ فَعَبْدٌ عَاقَبَهُ اللهُ عَلَى ذَنْبِهِ فِي الدُّنْيَا فَاللهُ أَحْكَمُ وَأَكْرَمُ مِنْ أَنْ يُعَاقِبَ عَبْدَهُ مَرَّتَيْنِ

ابی رفعہ کہتے ہیں (ایک دن) حضرت علی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور فرمانے لگے: اے لوگو! گناہ تین قسم کے ہوتے ہیں یہ کہہ کر آپؑ خاموش ہو گئے، وہاں موجود حبہ عرنی نامی ایک شخص نے عرض کیا: گناہوں کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے گناہوں کا نام وضاحت بیان کرنے کے لئے لیا ہے لیکن سانس لینے کی وجہ سے میں بات نہ کر سکا۔

جی ہاں گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔

اول: وہ گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے

دوم: وہ گناہ جن کو وہ معاف نہیں کرتا۔

سوم: وہ گناہ جن کے صاحب گناہ کے لئے ہم عفو الٰہی کے امیدوار ہیں۔

البتہ امید رکھنے کے باوجود ہم اس کے عذاب سے بھی خوفزدہ ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ عرض کرنے لگے: اے امیر المومنینؑ جو مطلب آپؑ نے بیان فرمایا ہے اس کی مزید وضاحت بیان فرمائیں۔ امیر المومنینؑ ان کی درخواست کو قبول فرما کر ہر ایک کی وضاحت بیان کرنے لگے۔ آپؑ نے پہلی قسم کے بارے میں فرمایا: وہ گناہ جن کے صاحب کو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ حکیم اور باعظمت ہے کہ دوبارہ اس شخص کو اسی گناہ کی وجہ سے قیامت میں عذاب میں مبتلا کرے اس طرح کے گناہوں کے بارے میں امیر المومنینؑ کے کلام کی وضاحت کے لئے چند احتمالات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ شرعی حدود اور وہ سزائیں جو شرع مقدس میں گنہگاروں کے لئے وضع ہوئی ہیں درحقیقت وہ سزائیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں غیر شرعی اعمال کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ شاید حدیث کے اس جملہ میں حضرت علی علیہ السلام کا مقصد یہ ہو کہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کا مرتکب ہو مثلاً: وہ کسی کا بے گناہ قتل کر دے، زنا کرے یا شراب نوشی کرے، اگر دنیا میں قاتل پر شرعی حد جاری کی جائے، یا حاکم زانی یا شرابی کے بارے میں حد شرعی جاری کرے تو ان گناہگار لوگوں کو دنیا ہی میں سزا مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں اس جرم کی سزا دوبارہ آخرت میں نہیں دے گا۔

۲۔ وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللهِ فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

''اور اللہ نے اس قریہ کی بھی مثال بیان کی ہے جو محفوظ اور مطمئن تھی اور اس کا رزق ہر طرف سے باقاعدہ آرہا تھا لیکن اس قریہ کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو خدا نے انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھا دیا صرف ان کے ان اعمال کی بنا پر کہ جو وہ انجام دے رہے تھے۔[۱]

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کفران نعمت کا گناہ انجام دیں اگر انہیں اس جہان میں سزا دی جائے اور وہ بدامنی اور بھوک میں مبتلا ہو جائیں تو قیامت میں ان کو اسی گناہ کا عذاب دوبارہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ امیر المومنینؑ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اس بات سے عظیم اور بزرگوار ہے کہ اپنے بندہ کو ایک گناہ کے لئے دو مرتبہ سزا دے۔

۳۔ دنیا میں بعض گناہوں کی وجہ سے شرعی سزا کے علاوہ گنہگار عارضہ تکوینی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ گنہگار کو اسی عارضہ کے ذریعے سزا دیتا ہے مثلاً: جو شخص بڑے عرصے تک شراب نوشی کرتا رہے اور اس کا عادی ہو جائے، رفتہ رفتہ وہ جگر کی دردناک بیماری میں مبتلا ہو جائے اور مرنے تک اسے اذیت پہنچتی رہے، شاید ہم حدیث کے جملہ کی رو سے یہ کہہ سکیں کہ اگر کوئی دنیا میں اپنے کسی گناہ کی وجہ سے اس گناہ کے سبب کسی عذاب میں مبتلا رہا ہو تو قیامت میں اسی گناہ کی وجہ سے اسے دوبارہ عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ خداوند عالم اس بات سے حکیم اور بزرگوار ہے کہ اپنے بندہ کو ایک گناہ کے لئے دو مرتبہ سزا دے۔

بیماری، گناہوں کا کفارہ

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اس قدر وسیع ہے کہ بعض روایات کے مطابق جب مومن بیمار ہو جائے اور مرض میں مبتلا ہو تو رحمان پروردگار ان کی بیماری کے دنوں کی تکالیف کو ان کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتا ہے اور ان کے بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا مَرِضَ الْمُسْلِمُ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ كَاَحْسَنِ مَا كَانَ یَعْمَلُ فِیْ صِحَّتِهٖ وَتَسَاقَطَتْ ذُنُوْبُهٗ كَمَا یَتَسَاقَطُ وَرَقُ الشَّجَرِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کوئی مسلمان بیمار ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے ان بہترین حسنات کی طرح جو وہ سلامتی کی حالت میں انجام دیا کرتا تھا، اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے اور اس کے گناہوں کو درختوں کے پتوں کی طرح گرا دیتا ہے۔[۲]

---

[۱] سورہ نحل، آیت ۱۱۲

[۲] مکارم الاخلاق ص ۱۹۵

ایک گناہ پر دو سزائیں

یاد رہے کہ تمام گناہ شراب نوشی اور زنا کی طرح نہیں ہیں جن کے لئے اگر گنہگار کو دنیا میں سزا مل جائے تو وہ اس گناہ کے اخری عذاب سے محفوظ رہے بلکہ آیات الٰہی کا انکار اور انبیاء کرام کے ساتھ دشمنی رکھنا ایسے کبیرہ گناہ ہیں گناہگار جن کو انجام دینے کی وجہ سے دنیاوی عذاب کے علاوہ آخری عذاب سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس بارے میں ارشاد رب العزت ہے:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ

پھر قوم عاد نے زمین میں ناحق بلندی اور برتری سے کام لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے کو کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے وہ بہر حال ان سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے لیکن یہ لوگ ہماری نشانیوں کا انکار کرنے والے تھے ٥ تو ہم نے بھی ان کے اوپر تیز وتند آندھی کو ان کی نحوست کے دنوں میں بھیج دیا تا کہ انہیں زندگانی دنیا میں بھی رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کن ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ [۱]

نتیجہ

حضرت علی علیہ السلام نے گناہوں کی تقسیم میں سب سے پہلے اس گناہ کا نام لیا جسے قیامت میں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا اس میں وہ گناہ شامل ہیں جن کے انجام دینے والے کو کسی بھی صورت میں دنیا میں سزا دی جا چکی ہو امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس بات سے عظیم اور بزرگوار ہے کہ اپنے بندے کو ایک گناہ کے لئے دو مرتبہ سزا دے۔

یہاں اس نکتہ کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس طرح کے گناہوں پر عفو الٰہی فقط ان کے شامل حال ہوگا جو فقط اللہ تعالیٰ کے مقروض اور مسئول ہوں، ان کا گناہ پروردگار کے حقوق کی رعایت نہ کرنا اور شرح مقدس کی حدود سے تجاوز کرنا ہو لیکن جو لوگ مخلوق کے مقروض ہوں، ان کا یہ گناہ لوگوں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

مثلاً انہوں نے لوگوں کے مال، جان یا ان سے وابستہ کسی اور چیز میں ناجائز تصرف کیا ہو تو ایسے لوگ اس روایت

---

[۱] سورہ فصلت: آیت ۱۵۔۱۶

میں شامل نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے گناہگاروں سے سخت حساب لے گا اور کسی کو یہ اجازت نہیں دے گا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع کرے اور ظالم بغیر سزا کے آزاد ہو جائے، اگر چہ وہ ظالم دنیا میں اپنے گناہ کی سزا پا چکا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس طرح کے گناہوں کو غیر قابل مغفرت قرار دے کر اسے حدیث کے دوسرے حصے میں بیان فرمایا ہے:

بندوں کے حقوق

أَمَّا الذَّنْبُ الَّذِي لَا يُغْفَرُ فَمَظَالِمُ الْعِبَادِ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِذَا بَرَزَ لِخَلْقِهِ أَقْسَمَ قَسَماً عَلَى نَفْسِهِ فَقَالَ وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي لَا يَجُوزُنِي ظُلْمُ ظَالِمٍ وَ لَوْ كَفٌّ بِكَفٍّ وَ لَوْ مَسْحَةٌ بِكَفٍّ وَ لَوْ نَطْحَةٌ مَا بَيْنَ الْقَرْنَاءِ إِلَى الْجَمَّاءِ فَيَقْتَصُّ لِلْعِبَادِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ حَتَّى لَا تَبْقَى لِأَحَدٍ عَلَى أَحَدٍ مَظْلِمَةٌ

وہ گناہ جو بخشے نہیں جائیں گے وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم وستم ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مظلوموں کا حق لینے اور ظالموں کو سزا دینے کے وقت اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہے کہ کسی بھی ظالم کا ظلم اس کی عدالت سے بغیر تحقیق و برسی کے نہیں گزرے گا اور وہ اس سے درگذر نہیں فرمائے گا اگر چہ وہ چھوٹا ظلم ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کوئی ناحق اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر مارے تا کہ وہ اس طرح اسے اس کے حق سے محروم رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ مکمل طور پر ضائع شدہ حقوق کا قصاص لے گا تا کہ کسی کا کسی پر کوئی حق نہ رہ جائے۔ [1]

جس طرح دنیاوی سزائیں گنہگاروں کو لوگوں کے مالی اور اجناس کے حقوق سے بری الذمہ نہیں کرتیں اسی طرح لوگوں کے حقوق پر ناجائز تصرف کے بعد توبہ و استغفار بھی گناہ کو ختم نہیں کر سکتا اور نہ ہی لوگوں کے حساب کو ختم کرتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی گنہگار اسی جہان میں توبہ و استغفار کے ساتھ صاحبان حقوق کے حقوق ادا کرے اور ان کی خوشنودی حاصل کر لے ورنہ قیامت کے دن اسے ان کے اموال کے ذرہ ذرہ کا حساب دینا پڑے گا۔

عَنْ شَيْخٍ مِنَ النَّخَعِ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ علیہ السلام إِنِّي لَمْ أَزَلْ وَالِياً مُنْذُ زَمَنِ الْحَجَّاجِ إِلَى يَوْمِي هَذَا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَدْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَا حَتَّى تُؤَدِّيَ إِلَى كُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ

نخع کا ایک بوڑھا شخص کہتا ہے میں نے امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں حجاج کے دور سے آج تک اسلامی شہروں میں حاکم رہا ہوں کیا میرے لئے توبہ ہے اور کیا میں توبہ کے ذریعے خود کو اپنی گذشتہ آلودگیوں سے پاک

---

[1] کافی، جلد ۲، ص ۴۴۳

کر سکتا ہوں؟ امامؑ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے دوبارہ اپنے سوال کو تکرار کیا۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا: صرف توبہ تیری نجات کا باعث نہیں بن سکتی جب تک تم صاحبانِ حق تک ان کے حقوق نہ پہنچا دو۔

قیامت میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوگا

اس کائنات میں لوگوں کے حساب کا حل وفصل یا نقد وجنس کے ذریعے ہوتا ہے یا زمین یا پانی کے ذریعے یا عہدہ اور مفاد کے ذریعے سے ہوتا ہے یا ڈرایا، دھمکایا جاتا ہے یا دوست اور رشتہ دار مداخلت کر کے حساب وکتاب کر لیتے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن نہ تو جنس ونقد ہوگا اور نہ ہی وہاں کوئی کسی کو عہدہ اور مقام دینے کی طاقت رکھتا ہوگا اسی طرح کوئی کسی کو ڈرا، یا دھمکا بھی نہیں سکتا تا کہ اس طرح سے اپنا حساب وکتاب پورا کر سکے۔

اس کے دوست اور رشتہ دار اگرچہ قیامت میں ہوں گے لیکن وہ بھی مشکلات حل نہیں کر پائیں گے کیونکہ اس دن ہر شخص اپنی اپنی مشکلات میں گرفتار ہوگا۔ اس لئے وہ کسی اور کی نجات کا باعث نہیں بن سکے گا۔ صرف وہاں اللہ کے مقرب بندے اور اولیاء اللہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے مناسب سمجھیں گے اس کی شفاعت کریں گے اس طرح سے وہ انہیں مشکلات اور پریشانیوں سے نجات دلائیں گے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

جس دن کوئی دوست دوسرے دوست کے کام آنے والا نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی علاوہ اس کے جس پر خدا رحم کرے کہ بیشک وہ بڑے بخشنے والا اور مہربان ہے۔ [۱]

قیامت میں حقوق العباد کے حل وفصل کا طریقہ

اگر قیامت کے دن صاحبانِ حق مقروض کو معاف نہ کریں اور اپنے حق کا مطالبہ کریں عامہ اور خاصہ کی روایات کے مطابق اس صورت میں صرف حساب اس طرح ہو سکے گا کہ مقروض کی نیکیوں کو قرض خواہ کے اعمال نامے میں منتقل کیا جائے گا اور اگر مقروض کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو اسی نسبت سے قرض خواہ کی برائیوں کو مقروض کے نامہ اعمال میں ڈالا جائے گا یہاں دو خاصہ کی اور دو عامہ کی احادیث کو بیان کیا جا رہا ہے ایک دن امام سجاد علیہ السلام مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے قیامت کے امور سے وابستہ اپنے والد گرامی سے منقول حدیث جو آپؑ نے اپنے والد محترم حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے نقل کی تھی، کی وضاحت فرما رہے تھے اتنے میں وہاں موجود ایک شخص نے آپ سے بحث سے مناسبت کی وجہ سے ایک سوال پوچھا۔

---

[۱] سورہ دخان، آیت ۴۱، ۴۲

فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ عِنْدَ الرَّجُلِ الْكَافِرِ مَظْلِمَةٌ أَيَّ شَيْءٍ يَأْخُذُ مِنَ الْكَافِرِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عليه السلام يُطْرَحُ عَنِ الْمُسْلِمِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ بِقَدْرِ مَا لَهُ عَلَى الْكَافِرِ فَيُعَذَّبُ الْكَافِرُ بِهَا مَعَ عَذَابِهِ بِكُفْرِهِ عَذَاباً بِقَدْرِ مَا لِلْمُسْلِمِ قِبَلَهُ مِنْ مَظْلِمَةٍ فَقَالَ لَهُ الْقُرَشِيُّ فَإِذَا كَانَتِ الْمَظْلِمَةُ لِلْمُسْلِمِ عِنْدَ مُسْلِمٍ كَيْفَ تُؤْخَذُ مَظْلِمَتُهُ مِنَ الْمُسْلِمِ قَالَ يُؤْخَذُ لِلْمَظْلُومِ مِنَ الظَّالِمِ مِنْ حَسَنَاتِهِ بِقَدْرِ حَقِّ الْمَظْلُومِ فَتُزَادُ عَلَى حَسَنَاتِ الْمَظْلُومِ فَقَالَ لَهُ الْقُرَشِيُّ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلظَّالِمِ حَسَنَاتٌ قَالَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلظَّالِمِ حَسَنَاتٌ فَإِنَّ لِلْمَظْلُومِ سَيِّئَاتٍ يُؤْخَذُ مِنْ سَيِّئَاتِ الْمَظْلُومِ فَتُزَادُ عَلَى سَيِّئَاتِ الظَّالِمِ

قریش میں سے ایک شخص نے امام سجادؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مومن کا کسی کافر پر کوئی حق ہو تو وہ اپنے حق کے مقابلے میں کونسی چیز کافر سے لے گا جو کہ جہنمی ہے؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: جتنا حق مسلمان اس کافر پر رکھتا ہے اسی مقدار میں مسلمان کے گناہ کم ہو کر کافر کے اعمال نامہ میں چلے جائیں گے اور کافر اپنے کفر کے عذاب کے علاوہ اس گناہ کے عذاب میں بھی مبتلا ہوگا جو مسلمان کی طرف سے اس کے پاس آیا ہے۔

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کوئی حق ہو تو وہ کس طرح اس سے اپنا حق لے گا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا ''ظالم کی نیکیاں مظلوم کے حق کے مطابق کم ہو کر مظلوم کی نیکیوں میں چلی جائیں گی۔ دوبارہ سوال کرنے والے نے عرض کیا اگر ظالم کے پاس کوئی نیکی نہ ہو تو مظلوم کا حق کس طرح سے لیا جائے گا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا اس صورت میں حق کی مقدار کے مطابق، مظلوم کے گناہ ظالم کی نامہ اعمال میں ڈالے جائیں گے۔ [1]

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فِي حَدِيثِ الْمَنَاهِي قَالَ: مَنْ ظَلَمَ امْرَأَةً مَهْرَهَا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ زَانٍ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدِي زَوَّجْتُكَ أَمَتِي عَلَى عَهْدِي فَلَمْ تُوفِ بِعَهْدِي وَ ظَلَمْتَ أَمَتِي فَيُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهِ فَيُدْفَعُ إِلَيْهَا بِقَدْرِ حَقِّهَا فَإِذَا لَمْ تَبْقَ لَهُ حَسَنَةٌ أَمَرَ بِهِ إِلَى النَّارِ بِنَكْثِهِ لِلْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

امام صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ: آنحضرتؐ نے حدیث مناہی میں فرمایا ہے کہ جو بھی اپنی بیوی سے اس کے حق مہر کے سلسلے میں ظلم کرے وہ شخص بارگاہ خداوندی میں زانی کی طرح ہے

[1] کافی جلد ۸ صفحہ ۱۰۶

۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ اے میرے بندے! میں نے اپنے عہد و پیمان سے ایک عورت کو تیرا ہمسر بنایا لیکن تو نے عہد و پیمان کو وفا نہ کیا اور اس پر ظلم کیا اسی وقت اس کے حق کی مقدار کے مطابق مرد کی نیکیاں عورت کے اعمال نامہ میں ڈالی جائیں گی اور اگر مرد کے لئے کوئی نیکی نہیں بچے گی تو عہد شکنی کے جرم میں حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جایا جائے حدیث کے آخر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ''اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْؤُلاً'' یعنی اور اپنے عہدوں کو پورا کرنا کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔[۱] تلاوت فرمائی۔

مفلس کون؟

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ قَالَ: هَلْ أَ تَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ فَقِیلَ الْمُفْلِسُ فِینَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ لَهُ فَقَالَ الْمُفْلِسُ مِنْ أُمَّتِی مَنْ یَأْتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِیَامٍ وَزَکَاةٍ وَیَأْتِی قَدْ شَتَمَ وَقَذَفَ هَذَا وَأَکَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَیُعْطَی هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَإِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ یُقْضَی مَا عَلَیْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ سب نے جو اب دیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نماز، زکوۃ اور روزہ تو ہے لیکن جب وہ محشر میں آئیگا تو اس کی یہ نیکیاں کسی پر ظلم کرنے، کسی کو گالی دینے، کسی پر زنا کی تہمت لگانے، کسی کے اموال پر نا جائز تصرف کرنے، کسی کا قتل کرنے اور کسی کو تھپڑ مارنے کے جبران کی وجہ سے اس کی نیکیاں تقسیم کی جائیں گی۔ اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو صاحبان حق کے گناہوں کو اس کے اعمال نامے میں ڈالا جائے گا اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔[۲]

قیامت میں قرض کی ادائیگی

اَخْرَجَ الطَّبَرَانِیُّ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَفَعَهُ: اَنَّ فِیْ جَهَنَّمَ جِسْرًا لَهُ سَبْعُ قَنَاطِرَ عَلٰی اَوْسَطِهِ الْقَضَاءُ فَیُجَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰی اِذَا انْتَهٰی اِلَی الْقَنْطَرَةِ الْوُسْطٰی قِیْلَ لَهُ مَاذَا عَلَیْكَ مِنَ الدَّیْوْنِ فَیَقُوْلُ

---

[۱] اسراء آیت ۳۴

[۲] مسند احمد، جلد ۲ ص ۳۰۳ صحیح مسلم جلد ۸ ص ۱۸

رَبِّ عَلَیَّ کَذَا وَ کَذَا فَیُقَالُ لَہٗ اِقْضِ دَیْنَکَ فَیَقُوْلُ مَالِیْ شَیْءٌ فَیُقَالُ خُذُوْا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَلَا یَزَالُ یُؤْ خَذُ مِنْ حَسَنَاتِہٖ حَتّٰی مَا یَبْقٰی لَہٗ حَسَنَۃٌ فَیُقَالُ خُذُوْا مِنْ سَیِّاٰتِ مَنْ یَطْلُبُہٗ فَرَکِّبُوْا عَلَیْہِ

جہنم میں ایک ایسی پل ہے جو سات مواقف پر مشتمل ہے اس کا درمیانی موقف قرض کی ادائیگی کے ساتھ مربوط ہے۔ایک شخص کو لایا جائے گا یہاں تک وہ اس موقف پر پہنچے گا اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ذمہ کتنا قرض ہے؟ وہ اپنے قرض کی تفصیل بارگاہ الٰہی میں بیان کرے گا پھر کہا جائے گا اپنا قرض ادا کرو وہ کہے گا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جو میں ادا کرسکو حکم ہوگا کہ اس کی نیکیوں میں سے لے لو، یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔حکم ہوگا کہ قرض خواہ کے گناہ مقروض کے نامہ اعمال میں ڈال دو۔

قیامت میں حبطِ اعمال

قیامت میں اس طرح کا حساب و کتاب نیک خدا پرست لوگوں کے لئے بہت زیادہ غم انگیز اور اذیت کا باعث ہوگا کیونکہ وہ دنیا میں دین کے مطابق بہت سے عبادات اور اعمال خیر انجام دیتے تھے وہ نمازیں پڑھتے تھے روزہ رکھتے تھے زکوۃ ادا کرتے تھے فریضہ حج انجام دیتے تھے راہ خدا میں صدقہ دیتے تھے اس کے علاوہ اور بہت سے فرائض اور سنن بجالاتے تھے وہ یہ تمام کام آخرت میں اپنی نجات اور کامیابی کے لئے انجام دیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنی پوری زندگی میں جس طرح ہونا چاہیے حق اور عدالت کی رعایت نہیں کر پاتے اور نہ ہی وہ اپنی زبان کو لوگوں کے اموال میں تصرف سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اس لئے آج انہیں اس اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا، اور وہ اپنی ان تمام نیکیوں کو اپنے قرض خواہوں کے حوالے کریں گے۔جو نیکیاں ان کی ساری عمر کا محصول اور انہیں قیامت کی وحشت سے نجات دلانے والی تھیں۔مجبوراً وہ ان کے گناہوں کو بھی قبول کر کے اپنے گناہوں میں شامل کریں گے اس طرح وہ ان تمام گناہوں کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وہ اس واقعہ سے بہت زیادہ غمگین ہوں گے اور اپنے ماضی پر افسوس کریں گے اور ان تمام ناجائز کاموں کی وجہ سے پشیمان ہوں گے جنہیں انہوں نے دنیا میں انجام دیا تھا۔لیکن انہیں نہ تو غم کوئی فائدہ پہنچائے گا اور نہ ہی افسوس اور ندامت ان کی نجات کا باعث بنے گا۔

باایمان انسان ان خطاؤں میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں؟ وہ کیوں دنیا کی دوروزہ زندگی کے لئے دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہیں اس طرح وہ خود کو دنیا میں مقروض کر کے آخرت میں اپنے صالح اعمال یعنی اپنے دینی ذخائر کے ذریعے صاحبان حق کے ضائع شدہ اموال کا جبران کر کے خود مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں جہنم کی طرف جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ أَمَا إِنَّہٗ مَا ظَفِرَ أَحَدٌ بِخَیْرٍ مِنْ ظَفَرٍ بِالظُّلْمِ أَمَا إِنَّ

الْمَظْلُومَ يَأْخُذُ مِنْ دِينِ الظَّالِمِ أَكْثَرَ مِمَّا يَأْخُذُ الظَّالِمُ مِنْ مَالِ الْمَظْلُومِ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: آگاہ رہو! کامیابی اور نصرت اس کے لئے نہیں ہے جو ظلم وستم کے ذریعے کامیاب ہوا ہو۔ یاد رکھو مظلوم کا ظالم سے اپنا قرض وصول کرنا مظلوم سے جو مال اس نے حاصل کیا ہے اس مال سے زیادہ ہوگا۔[۱]

يَوْمُ الْعَدْلِ عَلَى الظَّالِمِ أَشَدُّ مِنْ يَوْمِ الْجَوْرِ عَلَى الْمَظْلُومِ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ظالم پر عدل او انصاف کا دن، مظلوم پر ظلم وستم کے دن سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

روز مظلوم اگر تیرہ و گر مشئوم است

روز ظالم بہ یقین تیرہ تر از مظلوم است

ترجمہ:

''مظلوم پر اگر ظلم والا دن سخت ہوتا ہے تو ظالم پر عدل کا دن اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔''

انسان جب تک زندہ ہے اسے تلخ اور ناگوار حالات کا سامان کرنا پڑتا ہے لیکن عمر کے ختم ہوجانے اور موت کے واقع ہونے سے عمل کا دورانیہ ختم ہوجاتا ہے اور حساب وکتاب کا وقت شروع ہوتا ہے قرآن مجید میں لوگوں کو قیامت کے عظیم خطرے اور ان کے اعمال کی جزاء سے ہوشیار کیا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

''اس دن سے ڈرو جب تم سب پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے جاؤ گے۔ اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔[۲]

قیامت میں حقوق العباد کی معافی

قیامت کے حساس اور خطرناک لحات میں ایک چیز مومنوں کے لئے امید کی کرن بن کر ابھرے گی اور اس سے انہیں سکون اور آرام ملے گا وہ چیز بعض روایات کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اپنے حقوق بندوں کو معاف کردے گا بلکہ لوگوں کے حقوق کے بارے میں بھی فضل وکرم فرمائے گا۔ عذاب میں مبتلا لوگوں کو نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ صاحبان حق سے اپنے حقوق معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا کہے گا اور انہیں یہ بشارت دے گا کہ جو بھی کسی پر اپنے حق کو یا اپنے مقروض کو معاف کرے گا اسے میری طرف سے انعام دیا جائے گا۔ محشر میں موجود لوگوں کے لئے بشارت کو امام

---

[۱] کافی، جلد ۲، ص ۳۳۴

[۲] سورہ بقرہ، آیت ۲۸۱

سجاد اور امام علی علیہما السلام نے اپنی ایک حدیث کے ضمن میں بیان فرمایا ہے:

فَيُشْرِفُ الْجَبَّارُ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ: أَنَا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا الْحَكَمُ الْعَدْلُ الَّذِي لَا يَجُوْرُ الْيَوْمَ أَحْكُمُ بَيْنَكُمْ بِعَدْلِي وَ قِسْطِي لَا يُظْلَمُ الْيَوْمَ عِنْدِي أَحَدٌ الْيَوْمَ آخُذُ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ بِحَقِّهِ وَ لِصَاحِبِ الْمَظْلِمَةِ بِالْمَظْلِمَةِ بِالْقِصَاصِ مِنَ الْحَسَنَاتِ وَ السَّيِّئَاتِ وَ أُثِيبُ عَلَى الْهِبَاتِ.

''اللہ تعالیٰ اہل محشر کو شرفیاب کرے گا اور فرمائے گا: میں خدا ہوں میرے سوا کوئی بھی حاکم عدل نہیں ہے آج میں اپنے عدل و انصاف سے تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا میری عدالت میں کسی پر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ آج میں قوی سے ضعیف کا حق لوں گا اور مظلوم کے لئے نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے قصاص کروں گا اور جو لوگ اپنا حق بخش دیں گے اور اپنے مقروض سے درگزر کریں گے انہیں ان کی اس بزرگواری اور درگذر پر انعام دوں گا۔ [۱]

اس دن بہت سے لوگ اپنے مقروضوں سے اپنے حق کا مطالبہ کریں گے اسی طرح بڑا عرصہ گزر جائے گا اور سب محشر کے عذاب سے ناراحت ہوجائیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ جس طرح بھی ممکن ہو انہیں اس مصیبت سے چھٹکارا دیا جائے۔

فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنْ عِنْدِ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى يُسْمِعُ آخِرُهُمْ كَمَا يُسْمِعُ أَوَّلُهُمْ يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ أَنْصِتُوا لِدَاعِي اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى وَ اسْمَعُوا إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى يَقُوْلُ [لَكُمْ] أَنَا الْوَهَّابُ إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَوَاهَبُوا فَتَوَاهَبُوا وَ إِنْ لَمْ تَوَاهَبُوا أَخَذْتُ لَكُمْ بِمَظَالِمِكُمْ قَالَ فَيَفْرَحُونَ بِذَلِكَ لِشِدَّةِ جَهْدِهِمْ وَ ضِيقِ مَسْلَكِهِمْ وَ تَزَاحُمِهِمْ قَالَ فَيَهَبُ بَعْضُهُمْ مَظَالِمَهُمْ رَجَاءَ أَنْ يَتَخَلَّصُوا مِمَّا هُمْ فِيهِ وَ يَبْقَى بَعْضُهُمْ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَظَالِمُنَا أَعْظَمُ مِنْ أَنْ نَهَبَهَا.

اتنے میں خداوند عالم کی طرف سے ایک منادی آواز دے گا جسے تمام اہل محشر سنیں گے منادی کہے گا: اے اہل محشر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بخشنے والا ہوں، اگر تم عفو و درگزر چاہتے ہو تو ایک دوسرے کو معاف کردو۔ اگر تم معاف نہیں کرو گے تو تم پر ہونے والے مظالم کو میں ظالموں سے لوں گا۔ یہ آواز سن کر لوگ خوش ہوجائیں گے بعض اپنے حقوق اس امید سے معاف کردیں گے کہ انہیں قیامت کی سختیوں اور تکالیف سے نجات مل جائے گی۔ لیکن بعض لوگ اپنے حقوق معاف نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے حقوق انہیں معاف کرنے اور درگزر کرنے سے زیادہ بڑے ہیں۔ [۲]

---

[۱] کافی جلد ۸، ص ۱۰۰

[۲] کافی جلد ۸، ص ۱۰۶

اس کے بعد منادیء پروردگار، فرشتہ رضوان جو کہ جنت کا داروغہ ہے کو پکارے گا، اور اسے حکم خدا ہوگا کہ اہل محشر کو بہشت کا ایک قصر دکھایا جائے۔ رضوان امر خدا پر عمل کرے گا اور بہشت کا ایک قصر اہل محشر کو دکھائے گا سب اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور دل میں اس کی تمنا کریں گے۔

فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنْ عِنْدِ اللهِ تَعَالَى يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ هَذَا لِكُلِّ مَنْ عَفَا عَنْ مُؤْمِنٍ قَالَ فَيَعْفُونَ كُلُّهُمْ إِلَّا الْقَلِيلَ

اتنے میں منادیء پروردگار ندا دے گا کہ اے لوگو! اُس طرح کا محل اُس کے اختیار میں دیا جائے گا جو اپنے مقروض مومن کو معاف کرے گا اور اس کے جو حقوق اس پر ہیں ان سے درگزر کرے گا۔ یہ سن کر تمام لوگ اپنے حقوق سے درگزر کریں گے سوائے قلیل تعداد کے جو درگزر نہیں کریں گے۔[1]

مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان گناہ گاروں کو معاف کرنا جو مشرک نہیں ہیں خدا کی خاص عنایت کی وجہ سے ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو معاف کرتا ہے جنہیں معاف کرنا صرف اس کے اختیار میں ہے اور دوسری طرف وہ گناہ ہیں جو مخلوق کے ساتھ وابستہ ہیں، لوگ ان کی معافی میں حصہ دار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو معاف کرنے پر بھی خاص توجہ فرماتا ہے اور صاحبانِ حق کو ان کی معافی کے لئے تشویق دیتا ہے اور انہیں انعام دینے کا وعدہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق سے درگزر کرتے ہوئے گناہ گاروں کو معاف کردیں اور انہیں قیامت کی تکالیف سے آزادی دلائیں۔

مشیت الٰہی کے بغیر کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا

اللہ تعالیٰ نے مطلقاً گناہوں کی معافی کا وعدہ اس لئے نہیں کیا تاکہ باایمان لوگ عفو وبخشش کی امید پر غرور میں مبتلا نہ ہوجائیں، ایسا نہ ہو کہ یہ چیز انہیں منحرف کردے اور وہ گناہ انجام دینے لگیں۔

اس وجہ سے اس نے بغیر قید و بند کے لوگوں کو عفو کا امیدار نہیں بنایا بلکہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں واضح طور پر گناہوں کی معافی کو اپنے ساتھ وابستہ قرار دیا ہے اس کی مغفرت صرف اسے نصیب ہوگی جس کے بارے میں وہ چاہے گا لہٰذا اگر کسی گناہ گار کو اللہ تعالیٰ معاف نہ کرنا چاہے تو اس کی رحمت کی وسعت کے باوجود وہ اس گناہ گار کے شامل حال نہیں ہوگی اور اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

اِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا

---

[1] کافی، جلد ۸، ۱۰۸

اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرسکتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے۔[۱]

یعنی اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے تو انہیں ہرگز معافی نہیں ملے گی خواہ ان کے گناہ حقوق اللہ کے ساتھ مربوط ہوں یا حقوق العباد کے ساتھ۔ قیامت کے دن وہ قلیل لوگ جو اپنے حقوق سے درگزر نہیں کریں گے اور جس پر ان کا حق ہوگا اسے معاف نہیں کریں گے ان کے مصادیق شاید وہ لوگ ہوں جن کی معافی کا اللہ نے ارادہ نہیں کیا ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ گناہوں کی معافی کے سلسلے میں مشیت پروردگار کس گروہ کے ساتھ ہے اور کس گروہ کے ساتھ نہیں۔ البتہ بعض آیات اور روایات میں بعض لوگوں کے لئے ایسی صفات بیان ہوئی ہیں جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ عفو الٰہی کے لئے مناسب نہیں اور مشیت الٰہی ان صفات کے حامل لوگوں کے شامل حال نہیں ہوگی۔ ان آیات میں سے ایک یہ آیت بھی ہے:

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا تھا اور انہیں زندگانی دنیا نے دھوکہ دیا تھا تو آج ہم انہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا دیدہ و دانستہ انکار کررہے تھے۔[۲]

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بن مُسْلِمٍ قَالَ سَأَلْتُ الرِّضَا عَلِيَّ بْنَ مُوسَى عليه السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ نَسُوا اللهَ فَنَسِيَهُمْ فَقَالَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَا يَنْسَى وَ لَا يَسْهُو وَ إِنَّمَا يَنْسَى وَ يَسْهُو الْمَخْلُوقُ الْمُحْدَثُ أَلَا تَسْمَعُهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ وَ ما كانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وَ إِنَّمَا يُجَازِي مَنْ نَسِيَهُ وَ نَسِيَ لِقَاءَ يَوْمِهِ بِأَنْ يُنْسِيَهُمْ أَنْفُسَهُمْ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى لا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنْساهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولئِكَ هُمُ الْفاسِقُونَ وَ قَالَ تَعَالَى فَالْيَوْمَ نَنْساهُمْ كَما نَسُوا لِقاءَ يَوْمِهِمْ هذا أَيْ نَتْرُكُهُمْ كَمَا تَرَكُوا الِاسْتِعْدَادَ لِلِقَاءِ يَوْمِهِمْ هَذَا

عبد العزیز ابن مسلم نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا جس میں ارشاد رب العزت ہے:

---

[۱] سورہ نساء، آیت ۴۸

[۲] سورہ اعراف، آیت ۵۱

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ

انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں بھی نظر انداز کر دیا۔[1]

امام علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نہ تو بھول جاتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس سہو ہے کیونکہ سہو اور نسیان مخلوقات کی صفات میں سے ہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے خود سے فراموش کے بارے میں نفی کی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔[2]

خدا کو فراموش کرنے کی سزا

جو لوگ اپنے خدا کو بھول جاتے ہیں ان کے لئے خدا کا عذاب یہ ہے کہ وہ خود فراموشی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ وہ خود کو بھی بھلا بیٹھے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو بھی بھلا دیا اور وہ سب واقعی فاسق اور بدکار ہیں۔[3]

امام علیہ السلام نے وضاحت بیان کی کہ ان بدعمل گمراہوں کو فراموش کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد انہیں ان کے حال پر چھوڑنا ہے اور وہ ان پر اپنی رحمت اور مغفرت نازل نہیں کرے گا۔ جیسا کہ انہوں نے بھی دنیا میں قیامت کو بھلا دیا تھا اور روز جزاء کو دیکھنے کے لئے اپنی آمادگی اور تیاری کو ترک کر دیا تھا۔[4]

جو بھی چاہتا ہے کہ قیامت میں اس کی رسائی اللہ تعالیٰ کے فیض تک ہو اور وہ اس کی رحمت سے فراموش شدہ افراد کے گروہ میں شامل نہ ہو تو اسے چاہیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور اس کی رضا اور خشنودی کی رعایت کرتے ہوئے اس کام کو انجام دے۔

---

[1] سورہ توبہ، آیت ۶۷
[2] مریم، آیت ۶۴
[3] حشر، آیت ۱۹
[4] تفسیر برہان، جلد ۲، ص ۲۳

فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

اب تم ہم کو یاد کرو تا کہ ہم تمہیں یاد رکھیں اور ہمارا شکریہ ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو۔[۱]

عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: ذِكْرُ اللهِ لِاَهْلِ الطَّاعَةِ اَكْبَرُ مِنْ ذِكْرِهِمْ اِيَّاهُ

اللہ تعالیٰ کا اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں کو یاد کرنا، ان بندوں کا اسے یاد کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔[۲]

عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ يَا بْنَ آدَمَ اُذْكُرْنِي فِي مَلَاءٍ اَذْكُرْكَ فِي مَلَاءٍ خَيْرٌ مَنْ مَلَئِكَ

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرزند آدم علیہ السلام! تم مجھے لوگوں کے گروہ میں یاد کرو میں تجھے تیرے گروہ سے زیادہ بہتر گروہ میں یاد کروں گا۔[۳]

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت ۱۵۲
[۲] تفسیر صافی ص ۵۲
[۳] تفسیر صافی ۵۲

چھٹی فصل

پل صراط

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ گے اسی کے پروردگار نے ہدایت کی ہے کہ اس طرح شاید متقی اور پرہیز گار بن جاؤ۔[1]

قیامت میں ''صراط'' میزان اور حساب کی طرح دین اسلام کے پیروکاروں کے عقائد میں سے ہے جس کے بارے میں بہت سی عامہ اور خاصہ کی روایات بیان ہوئی ہیں آئمہ معصومین علیہم السلام نے غیبی خبروں کے ضمن میں اس کا اعلان کیا، اور اس کی بعض خصوصیات کو بھی بیان فرمایا ہے قیامت میں صراط کے مسئلہ کو قارئین کرام کے لئے واضح کرنے کے لئے تاکہ وہ اس سلسلے میں آیات اور روایات سے مزید آگاہی حاصل کر سکیں ہم اس بحث کو اسی موضوع صراط کے ساتھ مخصوص کر رہے ہیں۔

عام مسلمان جنہوں نے صراط سے متعلق علماء کرام سے سنا یا خود کتابوں میں پڑھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: قیامت میں ''صراط'' بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ایک راستہ ہے اور یہ ایسی پل ہے جسے جہنم کے اوپر رکھا جائے گا اور اس کی انتہاء جنت پر ہوگی جو بھی سلامتی کے ساتھ اس پل کو طے کرے گا وہ سعادت ابدی تک پہنچ کر ہمیشہ کے لئے بہشت میں رہے گا اور جو اس باریک راستہ سے نہیں گزر پائے گا وہ جہنم کی آگ میں گر کر ہمیشہ کے لئے عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گا۔

صراط سے کیا مراد ہے اور اس سے کس طرح گزریں گے؟

ہر انسان یہ بات جاننا چاہتا ہے کہ یہ راستہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا کیا اس کے متعلق اسلام اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات میں بھی بیان ہوا ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات روایات

---

[1] سورہ انعام، آیت ۱۵۳

میں بیان ہوئی ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ اور کس طرح اس راستے سے گزرنا ممکن ہوگا۔؟

پہلے سوال کا جواب مثبت ہے عامہ اور خاصہ کی روایات میں پل صراط کے بال سے باریک ہونے اور تلوار سے زیادہ تیز ہونے کے بارے میں بیان ہوا ہے اسی مناسبت سے اس فصل میں بعض احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

عَنْ سَعْدانَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَئَلْتُهُ عَنِ الصِّرَاطِ فَقَالَ هُوَ اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَاَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ

سعد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے صراط کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ [1]

دوسرے سوال کا جواب بھی روایات کی روشنی میں پل صراط کی اصلیت اور اس سے عبور کی کیفیت کے بارے میں دیں گے لیکن تقریب اذھان اور مطلب کی وضاحت کے لئے پہلے مقدمہ بیان کیا جا رہا ہے۔

ہم نے پہلے بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہر انسان کی آخرت سے مراد اس کی دنیا کا پلٹنا ہے وہ آخرت کے مواقف میں جو چیز بھی دیکھے گا اور اسے جو بھی انعام یا سزا ملے گی سب اس کی دنیا کے عقائد، افکار، اخلاق اور رفتار و کردار کا عکس العمل ہوگا۔ آخرت کے صراط سے گزرنا بھی اس کی دنیا سے وابستہ ہے کہ اس نے دنیا میں کونسا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے دن کس راستے پر چل کر بسر کئے۔ جو شخص اس کائنات میں انسانیت کی صراط مستقیم پر چلتا رہا ہو وہ آسانی سے پل صراط سے گزر کر ابدی سعادت پر فائز ہوگا لیکن جو شخص اس دنیا میں انسانی راستہ ترک کر دے اور منحرف ہو جائے اور اس میں حیوانی صفات پائی جاتی ہوں وہ پل صراط سے نہیں گزر پائے گا بالآخر وہ پل سے گرے گا۔

صراط اور سبیل میں فرق

صراط اور سبیل دونوں کی معنی ہدف اور مقصد تک پہنچنے والا راستہ ہے دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ صراط خیر اور سعادت بخش راستے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے لئے صراط مستقیم استعمال کیا جاتا ہے لیکن سبیل کی اس سے زیادہ وسیع معنی ہے۔

ویستعمل السبیل لکل ما یتوسل به الی شی خیراً کان او شرا

راغب کہتے ہیں لفظ سبیل ہر اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دوسری چیز تک پہنچنے کا وسیلہ بنے۔ خواہ وہ مورد نظر شی

[1] تفسیر قمی، جلد اول ۲۹

خیر ہو یا شر ہو۔[1]

اس کائنات کی تمام زندہ موجودات اپنی اپنی جگہ زندگی گزارنے کے لئے ایک راستہ طے کرتی ہیں جو ان کے لئے صراط مستقیم ہے اس راستہ کو حکیم پروردگار معین فرماتا ہے وہ اس راستے کو طے کرنے سے اس فعالیت کو انجام دیتا ہے جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہے وہ اپنی زندگی کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے مناسب کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

چونکہ تمام حیوانات اور حشرات کے پاس اپنے عمل کا اختیار نہیں ہوتا اس لئے وہ اپنے صراط مستقیم کو جبر تکوینی کے ذریعے طے کرتے ہیں اور اس راستے پر چلتے ہیں جو حکیم پروردگار نے ان کے لئے مقرر فرمایا بغیر اس کے انتخاب میں کسی طرح کی مداخلت کرنے کے۔

مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ

اور کوئی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ میرے پروردگار کا راستہ بالکل سیدھا ہے۔[2]

انسانی زندگی کے دو مختلف پہلو

انسان کے پاس صراط مستقیم کے لئے دو طرح کے پہلو ہیں ایک حیوانی پہلو اور دوسرا انسانی پہلو۔

انسان حیوانی پہلو میں دیگر تمام حیوانات کی طرح مجبور ہے اور وہ اپنی مرضی کے بغیر اس راستہ کو طے کرتا ہے جسے حکیم پروردگار نے اس کے لئے معین کیا ہے، انسان بغیر کسی اعتراض کے اپنے اس پہلو پر چلتا ہے اور وہ اس کی مخالفت کی ہرگز طاقت نہیں رکھتا۔ مثلاً وہ راستہ جس پر انسان کا دل، رگیں، آنتیں، معدہ اور اس طرح کے دیگر اعضاء و جوارح انسان کے زندہ رہنے کے لئے طے کرتے ہیں یہ سب خدا کی طرف سے معین کردہ صراط مستقیم ہے یہ سعادت اور نیک بختی کے لئے راہ راست ہے جو انسان کی حکیمانہ خلقت کے نظام میں مقرر کیا گیا ہے اس راہ کے انتخاب کے لئے انسان کا ارادہ اور اختیار نہیں چل سکتا۔

انسانی پہلو میں تمام انسان آزاد ہیں اور جس راستہ کا انتخاب کرنا چاہیں کر سکتے ہیں چاہے وہ راستہ راہ مستقیم اور سعادت بخش ہو یا منحرف اور نقصان دہ راستہ ہو، البتہ انسانوں پر اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت تشریعی کی ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لی، اور پروردگار عالم نے مختلف زمانوں میں انبیاء کرام کے ذریعے انسانوں کے کمال تک پہنچنے کے تمام پروگرام بھی بھیجے البتہ اس ہدایت کو قبول کرنے یا رد کرنے پر انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا۔

---

[1] مفردات سبل

[2] ھود۔ ۵٦

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

یقیناً ہم نے اسے راستہ کی ہدایت دے دی ہے چاہے وہ شکر گزار ہو جائے یا کفرانِ نعمت کرنے والا ہو جائے۔[1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گناہانِ کبیرہ جیسے خدا کے ساتھ شرک، اپنی اولاد کو قتل کرنا، پاکدامنی کے منافی اعمال انجام دینا، قتل نفس، یتیموں کے اموال پر ناجائز تصرف اور اس طرح کے دیگر گناہوں کا نام لے کر لوگوں کو ان گناہوں سے آلودہ ہونے سے منع فرمایا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ.

اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہِ خدا سے الگ ہو جاؤ گے اسی کی پروردگار نے ہدایت دی ہے کہ اس طرح شاید متقی اور پرہیز گار بن جاؤ۔[2]

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ : كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَخَطَّ خَطًّا فَكَذَا أَمَامَهُ فَقَالَ هٰذَا سَبِيلُ اللهِ وَ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِينِهِ وَ خَطَّيْنِ عَنْ شِمَالِهِ وَ قَالَ هٰذَا سَبِيلُ الشَّيْطَانِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ وَ تَلَا "وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ"

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں ایک دن ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے۔ آپؐ نے اپنے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ خدا کا راستہ ہے اس کے بعد آپؐ نے دو خط اپنے داہنے طرف اور دو خط اپنے بائیں طرف کھینچے اور فرمایا: یہ شیطان کا راستہ ہے اس کے بعد آپؐ نے اپنا ہاتھ درمیان خط پر رکھا اور مورد بحث آیت کریمہ کی تلاوت فرمائیں؛

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور بیشک آپ لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں اس خدا کا راستہ جس کے اختیار میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔[3]

---

[1] سورہ دہر، آیت ۳

[2] سورہ انعام آیت ۱۵۳

[3] سورہ شوریٰ، آیت ۵۲۔ ۵۳

انسان کا حیوانی پہلو

انسان حیوانی پہلو میں اپنی نفسانی اور طبیعی خواہشات کا پیروکار ہوتا ہے انسان کی نفسیاتی خواہشیں اندھی اور بہری ہوتی ہیں وہ اصلاح اور فساد کو نہیں سمجھتیں وہ اپنے لئے مطلقاً آزادی کی طلبگار ہوتی ہیں انہیں کسی قسم کی قید و بند ہرگز پسند نہیں ہوتی۔ لیکن یہ کام انسان کے انسانی اور معنوی پہلو کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ جو بھی انسان ہونا انسان کی طرح جینا اور انسانوں کی طرح مرنا چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے عقل کے حوالے کرے، اپنی شہوات پر کنٹرول کرے اور افراط و تفریط میں مبتلا نہ ہو، یہی عادلانہ طریقہ اختیار کرنا صراط مستقیم اور انبیاء کرام کی دعوت کا اصل مقصد ہے جو بھی اس راستے پر اچھی طرح چلے گا وہ آخرت میں بھی پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے گا۔

صراط دنیا اور صراط آخرت

دنیا میں صراط مستقیم کی انتہاء انسانیت کے عظیم درجہ پر فائز ہونا ہے۔ اور آخرت میں صراط مستقیم کی انتہاء بہشت حاصل کرنے پر ہوتی ہے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے آباء و اجداد سے اور انہوں نے حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

وَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ صِرَاطَانِ صِرَاطٌ فِي الدُّنْيَا وَ صِرَاطٌ فِي الْآخِرَةِ فَأَمَّا الطَّرِيقُ الْمُسْتَقِيمُ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ مَا قَصُرَ عَنِ الْغُلُوِّ وَ ارْتَفَعَ عَنِ التَّقْصِيرِ وَ اسْتَقَامَ فَلَمْ يَعْدِلْ إِلَى شَيْءٍ مِنَ الْبَاطِلِ وَ الطَّرِيقُ الْآخَرُ طَرِيقُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّةِ

صراط مستقیم دو راستے ہیں: ایک صراط دنیا اور دوسرا صراط آخرت۔

صراط دنیا وہ راستہ ہے جو غلو اور زیادہ روی سے نیچے اور کوتاہی سے بلند ہو، یہ وہ راستہ ہے جو ہرگز تعادل اور میانہ روی سے خارج نہیں ہوتا۔ اور یہ باطل کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ لیکن صراط آخرت وہ راستہ ہے جس کو طے کرنے کے بعد مومن بہشت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی ابدی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ [1]

اس روایت میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ دنیا میں صراط مستقیم تعادل اور میانہ روی کو کہا گیا ہے جس راستے میں افراط و تفریق نہ ہو اور جس کے پروگرام ہرگز باطل سے آلودہ نہ ہوں اور نہ ہی وہ انحراف کی طرف مائل ہوں اور صراط آخرت اس راستے کو کہا گیا ہے جو مومنوں کو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

---

[1] معانی الاخبار ص ۳۳

یہ بات واضح ہے کہ انسان کو دنیا میں حق اور عدل کی راہ کی پہچان اور راہ سعادت کو معین کرنے کے لئے حقیقت سے آشنا ایک معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی پیروی اور اس کے گفتار و کردار پر عمل کرکے وہ راستے کو انحراف سے اور ہدایت کو گمراہی سے جدا کر سکے۔ یہ اطمینان بخش معلم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق جانشینوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے ایک اور روایت میں صراط مستقیم امام معصوم کو کہا گیا ہے۔

عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ علیہ السلام عَنِ الصِّرَاطِ فَقَالَ هُوَ الطَّرِيقُ إِلَى مَعْرِفَةِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُمَا صِرَاطَانِ صِرَاطٌ فِي الدُّنْيَا وَ صِرَاطٌ فِي الْآخِرَةِ فَأَمَّا الصِّرَاطُ الَّذِي فِي الدُّنْيَا فَهُوَ الْإِمَامُ الْمَفْرُوضُ الطَّاعَةُ مَنْ عَرَفَهُ فِي الدُّنْيَا وَ اقْتَدَى بِهُدَاهُ مَرَّ عَلَى الصِّرَاطِ الَّذِي هُوَ جِسْرُ جَهَنَّمَ فِي الْآخِرَةِ وَ مَنْ لَمْ يَعْرِفْهُ فِي الدُّنْيَا زَلَّتْ قَدَمُهُ عَنِ الصِّرَاطِ فِي الْآخِرَةِ فَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ

مفضل ابن عمر کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے صراط کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: صراط اللہ کی شناخت کا راستہ ہے اور وہ دو راستے ہیں۔ ایک صراط دنیا میں ہے اور دوسرا آخرت میں۔

صراط دنیا وہ امام ہے جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر واجب ہے جو بھی اسے پہچانے اس کی پیروی کرے، اور عملی طور پر اس کی ہدایت کی اقتدا کرے وہ صراط قیامت سے آسانی سے گزرے گا جو کہ جہنم پر واقع ایک پل ہے اور جو شخص دنیا میں امام کی معرفت نہ رکھتا ہو۔ آخرت کی صراط پر اس کے قدموں میں لغزش آجائے گی اور وہ جہنم میں گر جائے گا۔[1]

صراط راست که داند در آن جهان رفتن
کس که خود کند اینجا به راست رفتاری

ترجمہ:

اس عالم (آخرت) میں جانے کے بعد اس کے لئے صراط سیدھا راستہ ہوگا۔ جو اس دنیا میں خود سیدھا چلتا رہا ہو۔

صراط دنیا اور صراط آخرت کے درمیان مقائسہ سے پیدا ہونے والے سوالات اور ان کے جواب

ہم نے بطور مقدمہ صراط دنیا، صراط آخرت اور ان دونوں کے درمیان ارتباط کے بارے میں بیان کیا۔ اب ہم

---

[1] معانی الاخبار ص ۳۲

اختصار کے ساتھ صراط قیامت کو صراط دنیا کے ساتھ مقائسہ کرنے سے پیدا ہونے والے سوالات کے اہم نکات کی وضاحت کریں گے۔

اول: مذکورہ حدیث جو کہ مفضل نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے آپؑ اس حدیث میں فرماتے ہیں: صراط آخرت وہ پل ہے جو جہنم کے اوپر واقع ہوگی۔ دنیا میں جو بھی امام کی معرفت رکھتا ہو اور اس کے حکم کی اطاعت کرے، وہ صراط قیامت سے آسانی کے ساتھ گزر جائے گی لیکن جس کے پاس امام کی معرفت اور اطاعت نہ ہو وہ لغزش میں مبتلا ہو کر جہنم میں گر پڑے گا۔

نفسانی خواہشات اور حیوانی پہلو جسے اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ فیصلے سے انسان کے اندر رکھا گیا ہے جہنم کی طرح جلا دینے والے ہیں اور ان کے شعلے ہمیشہ بلند ہو کر انسان کی سعادت کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں اس آگ پر کنٹرول کرنا چاہے اور خواہشات نفسانی کو صرف جائز طریقوں سے استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اگر بغیر قید و بند کے خواہشات نفسانی کی پیروی کی گئی تو انسان کی سعادت تک رسائی کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام غصے کے بارے میں فرماتے ہیں:

الْغَضَبُ نَارٌ مُوقَدَةٌ مَنْ كَظَمَهُ أَطْفَأَهَا وَمَنْ أَطْلَقَهُ كَانَ أَوَّلَ مُحْتَرِقٍ بِهَا

غصہ، شعلہ ور آگ ہے جو شخص غصہ پر کنٹرول کرتا ہے وہ اس کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے اور جو اسے آزاد چھوڑ دیتا ہے سب سے پہلے وہی اس کے شعلوں میں جلے گا۔[1]

میانہ روی

دین خدا یعنی صراط مستقیم خواہشات نفسانی میں میانہ روی اور تعادل سکھا تا ہے یہ دین بھی خواہشات نفسانی کے جہنم پر ایک پل کی طرح ہے متدین اور احکام دین پر عمل کرنے والے لوگ اسی اعتدال کے راستے پر چلتے ہیں۔ وہ خواہشات نفسانی کے متعلق افراط وتفریط کا شکار نہیں ہوتے اس وجہ سے وہ اس صراط مستقیم سے منہ موڑ کر غضب اور شہوت کے جہنم میں نہیں گھرتے۔ لیکن جو لوگ دین خدا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کی پرواہ نہیں کرتے الٰہی تعلیمات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور خدا کی اطاعت کی بجائے اپنی خواہشات نفسانی کی اطاعت کرتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ خواہشات نفسانی اور شہوت کے پیچھے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

---

[1] مستدرک الوسائل، جلد ۲، ص ۳۲۶

خشم تو تخم سعیر دوزخ است
هین بکش این دو زخت را کاین فخ است
کشتن این نار نبود جزبه نور
نور دین اطفا کند خشم و غرور
تانه بینی نور دین ایمن مباش
کاتش پنهان شودیک روز فاش
گر تو بی نور آوری حلمی به دست
آتشت زنده است در خاکستر است

ترجمہ:

تمہارا غصہ جہنم کی وادی کا بیج ہے تم اپنی اس جہنم کو نکال دو یہی قابل فخر بات ہے۔

اس آگ کو نور کے سوا ختم نہیں کیا جا سکتا نور الٰہی غصہ اور غرور کو بجھا دیتا ہے۔تم جب تک نور ایمان کو نہ دیکھو آرام سے نہ بیٹھو۔کیونکہ یہ پوشیدہ آگ ایک دن ظاہر ہوگی۔

اگر نور کے بغیر حلم و بردباری تک رسائی حاصل کرلو۔تو یہ خاکستر میں پوشیدہ جلتی ہوئی انگاری ہوگی۔(حلم و بردباری نہیں ہوگا)

لوگوں کا قیامت کے پل صراط سے عبور کرنا جو پل آخرت میں جہنم کے اوپر واقع ہوگی۔دنیا میں ان کے دین خدا کی صراط مستقیم سے گذرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔جو بھی امام معصوم کی رہنمائی سے دین کے راستے پر اچھی طرح چلا ہوگا۔نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کی ہوگی اور خواہشات نفسانی کی جہنم میں نہ گرا ہوگا وہ صراط قیامت کو آسانی سے عبور کرلے گا اور جہنم کی آگ کا شکار نہیں ہوگا۔

عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَنْ مَلَكَ نَفْسَهُ إِذَا رَغِبَ وَ إِذَا رَهِبَ وَ إِذَا اشْتَهَى وَإِذَا غَضِبَ وَإِذَا رَضِيَ وَإِذَا سَخِطَ حَرَّمَ اللهُ جَسَدَهُ عَلَى النَّارِ

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو اپنے نفس کا مالک ہوجائے اور رغبت اور خوف کے وقت، آرزو اور غصہ کے وقت، خوشنودی اور ناخشنودی کے وقت حق کی راہ سے خارج نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیا

ہے۔[1]

لیکن جس خواہشات نفسانی کے پیروکار نے دنیا میں دین کی راہ سے منہ پھیر لیا ہو، صرف اپنی نفسانی خواہشات کی اطاعت کرتا ہو، ناجائز تمناؤں کے پیچھے جائے تو وہ بالآخر خواہشات کے جہنم میں گر پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا مقدر اسی کے مشابہ ہوگا اور وہ صراط آخرت سے جہنم کی آگ میں گر جائے گا۔

کیا دنیا میں بھی صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے

مذکورہ روایت میں یہ بات واضح طور پر بیان ہوئی ہے کہ: صراط قیامت بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی ہم نے یہ بھی بیان کیا کہ صراط قیامت، صراط دنیا کے پلٹنے کا نام ہے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا صراط مستقیم یعنی دین خدا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے؟ اس سوال کا جواب مثبت ہے کیونکہ جو چاہتا ہے کہ حقیقی مسلمان اور قرآن کا حقیقی پیروکار رہو وہ اعتقادات اور اسلامی اعمال میں بہت سے دقیق مسائل میں مبتلا ہوتا ہے جو کہ واقعاً بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہیں۔

مثال:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ قَالَ: الشرك أَخْفَى مِنْ دَبِیبِ الذَّرِّ عَلَى الصَّفَا فِی اللَّیْلَةِ الظَّلْمَاءِ وَاَدْنَاهُ اَنْ یُحِبَّ عَلٰی شَیْءٍ مِنَ الْجَوْرِ وَ یُبْغِضُ عَلٰی شَیْءٍ مِنَ الْعَدْلِ وَ هَلِ الدِّیْنُ اِلَّا الْحُبُّ وَالْبُغْضُ فِی اللهِ قَالَ اللهُ تَعَالٰی اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسان کے ضمیر میں شرک کا نفوذ تاریک رات میں سخت پتھر پر چھوٹی چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے شرک کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان ظلم وستم کو پسند کرے یا عدل وانصاف کو دشمن سمجھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا دین خدا کی راہ میں حب اور بغض کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

اس کے بعد آپؐ نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی؛

اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔[2]

ضعیف وناتوان چیونٹی کا شب کی تاریکی میں پتھر پر چلنا ہمارے لئے اتنا مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے کہ ہم جتنا بھی اس کے قریب ہوں اس کے عبور کرنے کو ہرگز درک نہیں کر پاتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں اپنے پیروکاروں کو ایک بہت

---

[1] مشکوٰۃ الانوار، ص ۲۴۷

[2] سورہ آل عمران، آیت ۳۱

بڑے خطرے کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔آپؑ انہیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ شرک ممکن ہے چیونٹی کے چلنے سے زیادہ مخفیانہ طور پر تمہارے دل میں اپنی جگہ بنالے اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔

اس حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث پر توجہ کرنے سے اگر یہ کہا جائے کہ دین خدا یعنی صراط مستقیم دنیا میں بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے تو اس بات میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

بلکہ اس طرح ایک سنگین اور دقیق حقیقت بیان ہوجائے گی اس کے علاوہ مذکورہ حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ خدا کے ساتھ کم از کم شرک یہ ہے کہ انسان کسی بھی قسم کے ظلم وستم کو پسند کرتا ہو یا کسی طرح کی عدالت کا مخالف ہو۔مثلاً رشوت لینا ظلم ہے لیکن پیسہ کو سب کچھ سمجھنے والے، اور مقام ومرتبہ کے طلبگار بے ایمان لوگ اس ظلم کو پسند کرتے ہیں۔سیاہ وسفید افراد کے حقوق کا برابر ہونا عدل ہے لیکن متعصب قوم پرست اس عدل کو دشمن سمجھتے ہیں۔اس فضول اور شرک آلود دوستی اور دشمنی سے اجتناب کرنا چاہیے جو کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے جو چاہتا ہے کہ دین خدا کے صراط مستقیم پر چلے اسے چاہئے کہ اس دقیق اور باریک راستے کو شائستگی کے ساتھ طے کرے۔لیکن متاسفانہ اس طرح کی غیر شرعی اور نقصان دہ دوستیاں اور دشمنیاں خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے بہت زیادہ ہیں۔اور مختلف صورتوں میں انسانوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔

اچھی زندگی کے دو اصول

اگر دنیا میں انسان دین کے باریک راستہ کو طے کرنا چاہتا ہے اور صراط مستقیم سے منحرف نہیں ہونا چاہتا تو اسے ہمیشہ دو اصولوں کی طرف توجہ رکھنی چاہیے:

اول: سوچ وفکر کے آلہ سے استفادہ کرے، دین کی اسی طرح معرفت حاصل کرے جس طرح معرفت حاصل کرنے کا حق ہے اور اس کے احکامات اور دقیق باتوں کو اچھی طرح سے دیکھ لے۔

دوم: انسان کو چاہیے کہ بغیر قید و بند کے فرمان الٰہی کا مطیع وفرمانبردار رہے اور دین کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونے کا مضبوط ارادہ کرلے، اگر کسی وقت اس کے نفس میں کوئی غیر شرعی تمنا پیدا ہو تو اس سے منہ پھیر لے اور ناجائز کاموں کی مخالفت کرے۔

قوۂ نظریہ اور قوۂ عملیہ

عالیقدر حکیم صدر المتالھین شیرازی نے اپنی کتاب اسفار کے قیامت سے مربوط مباحث میں، انسان کے ساتھ مخصوص صراط یعنی دین خدا جو خدا کی طرف سے معین کردہ صراط مستقیم ہے اور اس صراط کی تبلیغ پر مامور انبیاء کرام کے بارے

میں مفصل بحث کی ہے انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے منہ موڑنا جہنم میں گرنے کا باعث بنتا ہے انہوں نے ان دو بنیادی اصولوں کو ''قوۃ نظریہ اور قوۃ عملیہ'' کا نام دیا ہے وہ اس مطلب کی وضاحت بیان کرنے کے لئے کہ صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ کہتے ہیں:

لان کمال الانسان منوط باستعمال قویته القوة النظرية فلا صابة الحق و نور اليقين فی سلوك الانظار الدقیقة التی هی فی الدقة واللطافة ادق من الشعر اذا تمثلت بکثیر واما القوة العملية فبتعديل القوى الثلث التی هی الشهوية و الغضبيه و الفكرية فی اعمالها التحصيل للنفس حالته اعتدالية متوسطه۔ بين الاطراف غاية التوسط الان الاطراف كلها مذمومة يوجب السقوط فی الجحيم و منزل البعداء والا شقياء المردو دين و قد علمت ان التوسط الحقيقی بين الاطراف المتضادة بمنزلة الخلو عنها والخلو عن هذه الاطراف المسمىٰ بالعدالة منشاء الخلاص عن الجحيم وهی احد من السيف فاذن الصراط له وجهان احد هما ادق من الشعر والآخر احد من السيف

انسان کا کمال دو قوتوں قوۃ نظری اور قوۃ عملی سے استفادہ کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔

قوہ نظری سے حق کی معرفت کے لئے استفادہ کیا جاتا ہے حقیقت تک رسائی اور علم ویقین کے نور سے منور ہونا بہت زیادہ دقیق ہوتا ہے اگر اس کا تصور کرنا چاہیں تو وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

قوہ عملی سے استفادہ تین قوتوں یعنی شہوت، غضب اور فکر میں میانہ روی اور تعادل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان تینوں قوتوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے سے انسان کے نفس میں میانہ روی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے جو افراط اور تفریط کے لئے حدوسط (درمیانہ حد) ہے۔ انسان اسی تعادل اور میانہ روی کے ذریعہ کمال تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ اس اعتدال کے دونوں اطراف شدت اور کمزوری ہیں اور دونوں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں جہنم میں جانے کا باعث ہیں جو کہ اشقیاء اور بدبخت افراد کے رہنے کی جگہ ہے۔

اور یہ حقیقی حدوسط (میانہ روی) جسے اعتدال کہا جاتا ہے جو عذاب خدا سے نجات کا باعث ہے یہ اعتدال تلوار سے زیادہ کاٹنے والا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند عالم کے صراط مستقیم کے دو اطراف ہیں۔ ایک طرف بال سے باریک اور دوسرا طرف تلوار سے زیادہ تیز ہے۔[1]

---

[1] اسفار۔ جلد ۴، ص ۱۷۳

بال سے زیادہ باریک طرف دین میں تفقہ اور عقائد اور احکام کا دقیق علم حاصل کرنا ہے اور تلوار سے تیز طرف، احکامات دین کو عملی جامہ پہنانا اور عادلانہ زندگی بسر کرنا ہے جس کے لئے شہوات اور غیر شرعی خواہشات سے منہ موڑنا ضروری ہے۔

قوۂ نظریہ اور عملیہ کا رہنما

کیا انسان قوہ نظری جو بال سے زیادہ باریک ہے کا علم حقیقت سے باخبر اور آگاہ معلم کے بغیر حاصل کر کے اس کے عمق تک پہنچ سکتا ہے؟

کیا انسان کا قوہ عملی، اس قوہ کے تعادل کو جو قوہ تلوار سے زیادہ تیز ہوتا ہے مربی اور رہبر کے بغیر اپنے اندر جگہ دے سکتا ہے؟

کیا انسان رہنما کے بغیر اس راستے کو سلامتی کے ساتھ طے کر سکے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔

یقیناً ان تمام سوالات کا جواب منفی ہے اور ایسا ہونا ناممکن ہے اسی وجہ سے ایک روایت میں صراط کے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی تاریکی کے بارے میں بھی بیان ہوا ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ قَالَ: اَلصِّراطُ اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَاَحَدُّ مِنَ السَّیْفِ وَاَظْلَمُ مِنَ اللَّیْلِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صراط، بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز اور رات سے زیادہ تاریک ہوگا۔[1]

انبیاء کرام اور ان کے اوصیاء علیہم السلام کا نور ہدایت اس باریک صراط کے لئے رہنما اور اس تاریک راستے کو روشن کرنے والا ہے یا یہ کہیں کہ خود انبیاء کرام اور اوصیاء کا گفتار اور ان کا دقیق کردار صراط مستقیم ہے، وہ روایات جن میں امامؑ کو صراط مستقیم کہا گیا ہے وہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ

---

[1] علم الیقین، ص ۲۶۹

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: صراط المستقیم امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں ۔[1]

دنیا میں خدا کی طرف سے معین کردہ صراط مستقیم اتنا باریک اور دقیق ہے کہ اس راستے کی معرفت کے لئے نہ صرف عام انسانوں کو امام کی رہنمائی کی ضرورت ہے بلکہ عالم اور دین شناس لوگ بھی خواہ وہ کسی بھی مقام ومنزلت پر فائز ہوں امام کی رہنمائی کے محتاج ہیں اگر آئمہ علیہم السلام ضرورت کے وقت ان کی رہنمائی نہ فرماتے تو وہ حق سے منحرف ہوجاتے صفوان بن مہران اسدی المعروف صفوان جمال جو اہلبیت علیہم السلام کے محبتوں اور امام صادق اور امام کاظم علیہ السلام جیسے معصوم اماموں کے اصحاب میں سے تھے۔

انہیں جمال اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ ان کے پاس کچھ اونٹ تھے جنہیں وہ وزن اٹھانے یا مسافرت کے لئے کرایہ پر دیتے تھے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے وہ اپنا گزر سفر کیا کرتے تھے اس کے چند خدام بھی تھے جو اونٹو ں پر سامان رکھتے اور اتارتے تھے۔

وہ خود حالانکہ روات احادیث اور علماء دین میں سے تھے اور انہوں نے بہت سے مطالب امام صادق علیہ السلام کے دروس سے حاصل کئے تھے پھر بھی انہیں صراط مستقیم طے کرنے کے لئے امام معصوم جو کہ دقیق رہنما ہیں کی ضرورت تھی اور اگر ضرورت کے وقت ان کی رہنمائی نہ کی جاتی تو وہ دین کی باریک اور دقیق راہ سے منحرف ہوجاتے ۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مِهْرَانِ الْجَمَّالَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى اَبِي الْحَسَنِ الْاَوَلِ علیہ السلام فَقَالَ لِي يَا صَفْوَانُ كُلُّ شَيْءٍ مِنْكَ حَسَنٌ جَمِيلٌ مَا خَلَا شَيْئاً وَاحِداً قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ أَيُّ شَيْءٍ قَالَ إِكْرَاؤُكَ جِمَالَكَ مِنْ هَذَا الرَّجُلِ يَعْنِي هَارُونَ قُلْتُ وَ اللهِ مَا أَكْرَيْتُهُ أَشِراً وَ لَا بَطِراً وَ لَا لِلصَّيْدِ وَ لَا لِلَّهْوِ وَ لَكِنِّي أَكْرَيْتُهُ لِهَذَا الطَّرِيقِ يَعْنِي طَرِيقَ مَكَّةَ وَ لَا أَتَوَلَّاهُ بِنَفْسِي وَ لَكِنِّي أَبْعَثُ مَعَهُ غِلْمَانِي فَقَالَ لِي يَا صَفْوَانُ أَيَقَعُ كِرَاؤُكَ عَلَيْهِمْ قُلْتُ نَعَمْ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَقَالَ لِي أَتُحِبُّ بَقَاءَهُمْ حَتَّى يَخْرُجَ كِرَاؤُكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَنْ أَحَبَّ بَقَاءَهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ وَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ كَانَ وَرَدَ النَّارَ قَالَ صَفْوَانُ فَذَهَبْتُ فَبِعْتُ جِمَالِي عَنْ آخِرِهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ إِلَى هَارُونَ

فَدَعَانِي فَقَالَ لِي يَا صَفْوَانُ بَلَغَنِي أَنَّكَ بِعْتَ جِمَالَكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ لِمَ قُلْتُ أَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ وَ إِنَّ الْغِلْمَانَ لَا يَفُونَ بِالْأَعْمَالِ فَقَالَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ إِنِّي لَأَعْلَمُ مَنْ أَشَارَ عَلَيْكَ بِهَذَا أَشَارَ عَلَيْكَ بِهَذَا مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ قُلْتُ مَا لِي وَ لِمُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ فَقَالَ دَعْ هَذَا عَنْكَ فَوَ اللهِ لَوْ لَا حُسْنُ

[1] معانی الاخبار ص ۳۲

صُحْبَتِكَ لَقَتَلْتُكَ

صفوان بن مھران کہتے ہیں ایک دن میں حضرت امام موسیٰ بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؑ نے مجھ سے فرمایا:صفوان ایک کام کے علاوہ تیرے سب کام اچھے ہیں میں نے عرض کیا وہ کونسا کام ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تم نے اپنے اونٹ اس شخص یعنی ہارون کے حوالے کئے ہیں صفوان نے عرض کیا خدا کی قسم میں نے اپنے اونٹ اسے تفریح، عیاشی اور شکار کے لئے نہیں دیئے۔

اس کے علاوہ میں خود اس کے ساتھ نہیں گیا بلکہ میں نے اپنے غلام اس کے ساتھ بھیجے ہیں امامؑ نے فرمایا: کیا اس کے ذمہ تمہارا کرایہ رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں امامؑ نے فرمایا کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ وہ باقی رہے اور تمہارا کرایہ ادا کرے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں امامؑ نے فرمایا جو بھی ان کے باقی رہنے کو پسند کرتا ہو ان کے ساتھ ہوگا اور جو بھی ان میں سے ہو وہ جہنمی ہے صفوان کہتے ہیں میں نے جا کر اپنے تمام اونٹ فروخت کر دیئے جب یہ خبر ہارون کو معلوم ہوئی تو اس نے مجھے طلب کر کے کہا: صفوان مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے اپنے تمام اونٹ بیچ دیئے ہیں میں نے جواب دیا جی ہاں پھر اس نے پوچھا تم نے اپنے اونٹ کیوں فروخت کئے ہیں؟ میں نے کہا میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے سفر اور حضر میں اس کام پر رکھا تھا وہ کام میں کوتاہی کر رہے تھے اس نے کہا تمہارا یہ جواب غلط ہے مجھے معلوم ہے تم نے یہ کام کیو ں کیا ہے کیوں کہ موسیٰ بن جعفرؑ نے اس کام کے کرنے پر تمہیں اشارہ کیا تھا۔

صفوان نے کہا: مجھے موسیٰ بن جعفرؑ کے ساتھ کیا کام؟ ہارون کہنے لگا اس بات کو چھوڑو خدا کی قسم اگر میری تیرے ساتھ اچھی دوستی نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا۔[1]

خدا کی طرف سے معین کردہ صراد مستقیم اتنا باریک اور دقیق ہے کہ صفوان جیسا دینی مسائل کا جاننے والا بھی انحراف میں مبتلا ہو رہا ہے اور ہر وقت کے امام، حضرت امام موسیٰ بن جعفر انہیں ان کی خطا کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں اور وہ بھی فورا اس خطرہ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اس طرح وہ خطرہ کے عامل کو ختم کر کے خود کو غلط راستے سے دور کر دیتے ہیں۔

تم اپنی نماز پوری پڑھو

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ دَخَلَ رَجُلَانِ عَلَى أَبِي الْحَسَنِ الرِّضَاؑ بِخُرَاسَانَ فَسَأَلَاهُ عَنِ التَّقْصِيرِ فَقَالَ لِأَحَدِهِمَا وَجَبَ عَلَيْكَ التَّقْصِيرُ لِأَنَّكَ قَصَدْتَنِي وَ قَالَ لِلْآخَرِ وَجَبَ عَلَيْكَ التَّمَامُ

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۱۳۱

لِأَنَّكَ قَصَدْتَ السُّلْطَانَ

ابوسعید خراسانی کہتے ہیں خراسان میں دو آدمی امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قصر نماز کے بارے میں پوچھنے لگے امامؑ نے ان میں سے ایک شخص سے فرمایا تم پر قصر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ تم میری زیارت کے لئے آئے ہو اور دوسرے شخص نے فرمایا: تمہیں مکمل نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ تم نے بادشاہ کی زیارت کے ارادے سے سفر کیا ہے۔

شاید پوری نماز پڑھنے والے شخص کو یہ تصور بھی نہیں ہوگا کہ دنیا میں صراط مستقیم اتنا باریک اور تیز ہے کہ اگر کوئی سفر پر جائے اور اس کے دل میں غاصب خلیفہ سے ملاقات کا ارادہ ہو تو اس کا یہ سفر گناہ ہے اور اسے اپنی نماز پوری پڑھنی ہوگی۔

مومنوں کے تکامل اور معنویات میں فرق کی وجہ

نہ صرف صراط قیامت جو کہ جہنم پر واقع ایک پل ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی بلکہ دنیا میں دین خدا بھی جو کہ اللہ تعالی کی طرف سے معین کردہ صراط مستقیم ہے اور اسے خواہشات نفسانی کی جہنم کے اوپر رکھا جاتا ہے یہ دین بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اگر امام معصومؑ رہنمائی کے لئے نہ ہو اس دقیق راستے سے سلامتی کے ساتھ گزرنا ناممکن ہوتا، انسان فساد اور تباہی کا شکار ہو جاتا اور بالآخر غصہ، شہوت اور اس طرح کی دوسری خواہشات نفسانی کے جہنم میں گر جاتا۔

یہ بات بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ جب ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے تمام پیروکار دین کی معرفت اور شناخت کے اعتبار سے برابر نہیں تو یقیناً اسلام کے دقیق صراط کی معرفت بھی ان سب میں مساوی نہیں ہوگی اسی معرفت کے فرق کی وجہ سے ان کے ایمان کے تکامل اور معنویات میں فرق پایا جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ :قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ یَا بُنَیَّ اِعْرِفْ مَنَازِلَ الشِّیْعَةِ عَلٰی قَدْرِ رِوَایَتِهِمْ وَمَعْرِفَتِهِمْ فَاِنَّ الْمَعْرِفَةَ هِیَ الدِّرَایَةُ لِلرِّوَایَةِ وَبِالدِّرَایَاتِ لِلرِّوَایَاتِ یَعْلُوْ الْمُؤْمِنُ اِلٰی اَقْصٰی دَرَجَاتِ الْاِیْمَانِ

امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے حدیث بیان کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے میرے عزیز فرزند! شیعوں کے درجات اور منازل کو ان کی روایت اور معرفت کی مقدار سے پہچانو بے شک معرفت، روایت کو سمجھنا ہے اور مومن روایت کو سمجھنے کے ذریعے ایمان کے عالی ترین مدارج پر فائز ہو سکتا ہے۔[1]

---

[1] بحار جلد ا ص ۱۱۸

پل صراط سے کس طرح گزریں گے؟

دنیا میں جب لوگوں نے اپنی عمر کفر والحاد میں بسر کی اور خدا کے صراط مستقیم سے غافل رہے وہ آخرت میں صراط قیامت سے نہیں گزر پائیں گے اس راہ میں ان کے قدموں میں لغزش واقع ہوگی جس کے نتیجے میں وہ جہنم میں گریں گے۔

لیکن باایمان لوگ جو صراط مستقیم پر چلا کرتے تھے اور دنیا میں اپنے وظیفۂ شرعیہ پر عمل پیرا ہوتے تھے وہ بالآخر بہشت برین میں جائیں گے۔

چونکہ کائنات کے پروردگار پر ان کے ایمان کے درجات مختلف تھے اور فرائض کی انجام دہی اور محرمات سے اجتناب میں ان کی قدرت مختلف تھی اسی وجہ سے ان کا صراط سے گزرنا بھی مختلف ہوگا۔

بعض افراد وہ راستہ سرعت سے طے کریں گے اور بعض آہستہ آہستہ اس راستے سے گزریں گے۔

یہ بات خاصہ اور عامہ کی روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الصَّادِقِ علیہ السلام قَالَ النَّاسُ يَمُرُّونَ عَلَى الصِّرَاطِ طَبَقَاتٍ وَ الصِّرَاطُ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَ مِنْ حَدِّ السَّيْفِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ مِثْلَ الْبَرْقِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ مِثْلَ عَدْوِ الْفَرَسِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ حَبْواً وَ مِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ مَشْياً وَ مِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ مُتَعَلِّقاً قَدْ تَأْخُذُ النَّارُ مِنْهُ شَيْئاً وَ تَتْرُكُ شَيْئاً

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگ صراط سے عبور میں مختلف طبقات کے ہیں وہ صراط جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی بعض لوگ بجلی کی طرح گزریں گے بعض گھوڑے کی طرح دوڑتے جائیں گے بعض ہاتھ اور زانوں کے بل جائیں گے بعض یہ راستہ دو پاؤں کے ذریعے طے کریں گے اور بعض صراط پر لٹکے ہوئے ہوں گے اور بعض اوقات ان کے جسم کے حصوں کو آگ پکڑ لے گی۔[1]

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: يَرِدُ النَّاسُ عَلَى الصِّرَاطِ جَمِيْعًا وُرُوْدُهُمْ قِيَامُهُمْ حَوْلَ النَّارِ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ عَنِ الصِّرَاطِ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مِثْلَ الْبَرْقِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مِثْلَ الطَّيْرِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَا جَوَ دِ الْخَيْلِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَا جَوَ دِ الْإِبِلِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ كَعَدْوِ الرَّجُلِ حَتّٰى آخِرُ هُمْ مِرَارًا رَجُلٍ نُوْرُهُ عَلٰى مَوْضِعِ إِبْهَامِ قَدَمَيْهِ يَمُرُّ مُتَكَفِّئًا بِهِ الصِّرَاطُ

ابن مسعود کی روایت کے مطابق سب لوگ صراط پر سے گزریں گے البتہ صراط سے گزرتے وقت انہیں جہنم کے

[1] امالی صدوق مجلس ۳۳ ص ۱۰۸

اطراف میں قیام کرنا پڑے گا۔

تمام لوگ اپنے اعمال کے مطابق گزریں جو اعمال وہ دنیا میں انجام دیتے تھے بعض افراد بجلی کی طرح گزریں گے بعض کا گزر ہوا کی طرح ہوگا بعض پرندہ کی طرح بعض بہترین دوڑنے والے گھوڑے کی طرح بعض انسان کے دوڑنے کی طرح بالآخران میں سے آخری جن کے پاؤں کی انگلیوں میں نور ہوگا سستی اور اضطراب سے صراط سے گزریں گے۔[1]

ابن المسعود کی روایت کے مطابق لوگوں کا صراط آخرت سے گزرنا اور ان کا اس خطرناک اور دقیق جگہ سے خارج ہونا دنیا میں ان کے اعمال کے مطابق ہوگا چونکہ واجبات کی ادائیگی اور محرکات سے دوری کے اعتبار سے لوگوں کے اعمال مختلف ہوتے ہیں ان کا صراط قیامت سے عبور کرنا بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

مثال:

ایک خیانت کار اور بدکردار شخص ایک لاکھ تومان (تومان ایرانی کرنسی کو کہا جاتا ہے) لے کر مسلمانوں کے پاس آتا ہے تا کہ وہ یہ رقم کسی ایسے شخص کے حوالے کرے جو جھوٹی گواہی دینے کے لئے تیار ہو سب سے پہلے وہ ایک متقی اور با ایمان شخص سے ملتا ہے اس کے سامنے ایک لاکھ تومان رکھ کر اپنا غلط ارادہ اس کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن متقی انسان اس کی غلط فکر کے بارے میں سن کر اس پر غصہ ہوتا ہے اور کہتا ہے اے خیانت کار مجھ سے دور ہو جاؤ اس کے بعد وہ دوسرے شخص کے پاس جاتا ہے اور پیسہ اور اپنے غلط ارادہ کے بارے میں اسے آگاہ کرتا ہے وہ کچھ دیر تک رقم کو دیکھتا ہے لیکن چونکہ نیک اور پرہیزگار انسان ہے اس وجہ سے وہ بھی پہلے شخص کی طرح اس خیانت کار سے دور ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ تیسرے چوتھے اور پانچویں شخص کے پاس جاتا ہے وہ بھی با ایمان اور نیک لوگ ہیں اور مالِ حرام سے دوری کرتے ہیں لیکن پہلے اور دوسرے شخص کی طرح فوراً فیصلہ کر کے رقم دینے والے سے دور نہیں جاسکتے لہذا وہ ذرا ٹھہر کر کبھی رقم کو دیکھتے ہیں اور کبھی رقم دینے والے کو دیکھتے ہیں اس کے بعد گواہی کے متعلق اس سے دریافت کرتے ہیں اس کی باتیں سن کر وہ اس کے غلط کام سے اپنا منہ پھیر کر اس سے دور چلے جاتے ہیں۔

اس کے بعد خیانت کار چھٹے آدمی کے پاس جاتا ہے وہ بھی اگرچہ با ایمان ہے لیکن اس کا ایمان ضعیف ہے جب رقم دینے والا اپنا مقصد اس کے سامنے بیان کرتا ہے تو اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے کبھی وہ غور سے رقم کو دیکھتا ہے اور کبھی مطلب کے متعلق باتیں کرتا اور گواہی کے بارے میں پوچھتا ہے آخر کار کہتا ہے کہ میں فوراً کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا مجھے سوچنے کیلئے ایک رات کی مہلت دیں اور کبھی وہ سوچنے کے لئے چند راتوں کی مہلت چاہتا ہے، مہلت کا وقت ختم

---

[1] تفسیر دار المنشور رجلد ۴ ص ۲۸۱

ہونے کے بعد وہ اسی کے ارادہ کو رد کر کے جھوٹی گواہی دینے سے انکار کر دیتا ہے البتہ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس نے کتنی تکلیف اور پریشانی کے بعد رقم لینے سے انکار کیا ہے کس طرح اس نے مادی فائدے سے چشم پوشی کر کے خود کو گناہ سے بچا لیا ہے۔

اگرچہ دنیا میں یہ چند لوگ دین خدا کے پیروکار اور صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں، ان لوگوں نے دین خدا اور محرمات الٰہی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو حرام مال سے آلودہ نہ کیا اور جھوٹی گواہی دینے سے خود کو بچا کر سلامتی کے ساتھ شریعت کے راستے پر گامزن رہے لیکن ان تینوں میں فرق ہے کیونکہ پہلا شخص فوراً فیصلہ کر کے خیانت کار سے دور ہو گیا دوسرے نے تھوڑا توقف کرنے کے بعد فیصلہ سنایا اور تیسرے چوتھے اور پانچویں شخص نے تھوڑے فاصلے کے بعد خود کو اس سے بچا لیا لیکن چھٹے شخص نے ایک دو راتیں غور و فکر کے بعد خود کو ہلاکت سے بچایا درحقیقت اس نے بڑی تکالیف اور پریشانی کے بعد صراط مستقیم کو طے کیا۔

جس طرح دنیا میں سب مومن اپنے ایمانی درجات اور اعمال کے اختلاف سے صراط الٰہی یعنی دین خدا کو فرق کے ساتھ طے کرتے ہیں آخرت میں بھی یہ فرق نظر آئے گا اور صراط قیامت سے ان کا گزرنا برابر نہیں ہو گا ابن مسعود کی حدیث کے مطابق یہ فرق دنیا میں ان کے اعمال کی وجہ سے ہو گا۔

مذکورہ شرح کے مطابق آئمہ معصومین علیہ السلام نے صراط دنیا اور صراط آخرت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اس طرح انہوں نے ان دونوں کے ایک دوسرے کے ساتھ روابط کی نشاندہی کی ہے بعض احادیث میں اللہ تعالی کی طرف سے معین کردہ صراط مستقیم کو دنیا میں متعادل اور افراط و تقریر سے پاک راستہ کہا گیا ہے بعض روایات میں دنیا میں صراط مستقیم امام معصوم اور ان کے گفتار و کردار کی اطاعت کو کہا گیا ہے دراصل اس طرح کی تمام روایت کا مقصد امام معصوم کی زبانی خدا اور دین خدا کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

انسانی صورت

ایک روایت میں انسانی صورت کو تمام اچھائیوں تک رسائی اور تک پہنچنے کے لئے صراط مستقیم کہا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ عَلَیْهِ السَّلاَمُ قَالَ: اِنَّ الصُّوْرَةَ الْاِنْسَانِیَّةَ هِیَ الطَّرِیْقُ الْمُسْتَقِیْمُ اِلٰی کُلِّ خَیْرٍ وَالْجِسْرُ الْمَمْدُوْدُ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: انسانی صورت تمام خوبیوں اور اچھائیوں تک رسائی کے لئے مستقیم راہ اور بہشت اور

جہنم کے اوپر واقع پل ہے۔[1]

البتہ انسانی صورت جو ہر نیکی اور اچھائی تک پہنچنے کے لئے راستہ ہے اور امام علیہ السلام نے اسے سیدھا راستہ کہا ہے اس سے انسان کی یہ ظاہری شکل وصورت مراد نہیں ہے کیونکہ ہر نیک اور بد ہر پاک اور ناپاک کی یہی صورت ہے۔ لہٰذا اسے صراط سعادت اور کمال تک رسائی کا سبب نہیں کہا جا سکتا۔

گربہ صورت آدمی انسان بُدی

احمد و ابوجهل هم یکسان بودی

ترجمہ:

اگر آدمی کی شکل وصورت کا نام انسان ہوتا تو احمد اور ابوجہل برابر ہوتے۔

نومولود بچہ جب شکم مادر سے دنیا میں قدم رکھتا ہے اس کی صورت اگرچہ انسان والی ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ حیوان بالفعل اور انسان بالقوہ ہوتا ہے۔ البتہ ابتداء میں جس چیز کا اس میں مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ کھانا، سونا، قوہ جاذبہ اور دافعہ کا ہونا، حرکت وفریاد اور اس طرح کی دیگر حیوانی صفات کا اس میں ہونا ہے لیکن انسانیت جو معیار کمال ہے تمام متولد ہونے والے بچوں میں قوت اور استعداد کے طور پر پوشیدہ ہوتی ہے اگر کسی بچے کی اس کی زندگی کے شروع ہی سے مراقبت کی جائے اور وہ صحیح تربیت اور اچھے مربیوں کے تحت تربیت رہے اسی طرح بڑا ہونے کے بعد یہ بچہ خودسازی کیلئے کوشش جاری رکھے اپنے اندر پوشیدہ استعداد کو عملی جامہ پہنائے ان انسانی ذخائر سے استفادہ کرے جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور اپنے آپ کو انسانی صفات سے مزین کرے تو وہ حقیقی انسان بن کر انسانی صورت اختیار کرے گا جو صورت امام جعفر صادقؑ کے فرمان کے مطابق ہر نیکی اور اچھائی تک رسائی کا باعث ہے۔

لیکن اگر یہی انسان اپنی عقل سے استفادہ نہ کرے، اپنے اخلاقی وجدان کو ختم کردے یا انسان کو فضیلت اور کمال تک پہنچانے والی چیزوں پر توجہ نہ دے، بلکہ اپنی خواہشات نفسانی کا پیروکار ہو، اور اپنی پوری زندگی شہوات اور حیوانی عادات میں بسر کرے تو یہ انسانی صورت میں حیوان ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام اس منحرف گروہ جو کہ ظاہراً تو انسان نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت انسان نہیں ہیں کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَالصُّورَةُ صُورَةُ إِنْسَانٍ وَ الْقَلْبُ قَلْبُ حَيَوَانٍ لَا يَعْرِفُ بَابَ الْهُدَى فَيَتَّبِعَهُ وَ لَا بَابَ

---

[1] تفسیر صافی، ص ۲۰

الْعَمَى فَيَصُدَّ عَنْهُ وَ ذَٰلِكَ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ

اس کی ظاہری صورت تو انسان والی ہے لیکن اس کا دل حیوان کا ہے نہ ہدایت کے راستے کو پہچانتا ہے تا کہ اس کی پیروی کرے اور نہ ہی ضلالت اور گمراہی کی معرفت رکھتا ہے تا کہ اس سے منہ پھیر لے اس طرح کے گمراہ لوگ انسانی صورت میں زندہ نظر آنے والے مدودہ ہیں۔[1]

در گذر از نام و بنگر در صفات
تا صفاتت ره نما یں سوی ذات
صورت ظاهر چه جوی ای جوان
رو معانی را طلب ای پهلوان
صورت هیئت بود چون قشرو پوست
معنی اندر وی چو مغزی اندر اوست

ترجمہ:

نام سے پرہیز کرو اور صرف صفات پر توجہ دو تا کہ تمہارے صفات تمہاری ذات کے لئے رہنما ہوں۔

اے جوان تم ظاہری صورت میں کیا تلاش کرتے ہو، اے پہلوان معنویات کے طلبگار بنو۔ کسی بھی چیز کی ظاہری شکل وصورت چھلکے کی طرح ہوتی ہے اصل چیز تو اس کے اندر مغز کی طرح موجود ہوتی ہے۔

قیامت میں انسانوں کا حقیقی چہرہ

قیامت پوشیدہ اور مخفی چیزوں کا ظاہر ہونا ہے اس دن تمام پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ جو لوگ دنیا میں ظاہراً تو انسان تھے لیکن ان کا باطن حیوان تھا۔ اس دن ان کی حالت اور طرح کی ہوگی اور ہر گروہ اپنی خلقیات اور ملکہ کی مناسبت سے حیوان کی صورت میں محشور ہوں گے، بعض انسان درندوں کی شکل میں ہوں گے، بعض حشرات الارض کی صورت میں اور بعض کی صورت ڈھسنے والوں کی طرح ہوگی۔ اس کے علاوہ حقیقی انسان، انسان ہی کی صورت میں محشور ہوں گے، قیامت میں ہر فرد کی انسانی صورت خود روشن دلیل ہوگی کہ وہ دنیا میں انسان تھے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی پاکیزگی اور نیکی کے ساتھ گزاری تھی۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۸۷

امام صادقؑ کی حدیث کے مطابق قیامت میں یہی انسانی صورت اس کے لئے صراطِ آخرت ہے اور صراط انسانیت کی انتہائی بہشت برین ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ دنیا میں لوگوں کو انسان بنائیں انسان ہونے کا راستہ انہیں بتائیں اور جو قوتیں ان کے اندر پوشیدہ ہیں انہیں عملی جامہ پہنائیں تا کہ ان کے ذریعہ وہ کمال تک پہنچ سکیں۔ بعبارت دیگر انبیاء اس لئے مبعوث ہوئے کہ ظاہری انسانوں کو حقیقی انسان بنائیں۔ انہیں اخلاق اور انسانی صفات سے مزین کریں۔ اور ایسے اعمال انجام دیں جن کے ذریعے ان کے دل حقیقی انسان کی صورت اختیار کرلیں۔ پس درحقیقت انسانی صورت جس کے متعلق امام علیہ السلام نے حدیث میں بیان فرمایا ہے لوگوں کی روحانی صورت ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے وہ صدیوں دین خدا کی پیروی کرتے رہے اور اپنے زمانہ کے انبیاء کرام کی انسان ساز تعلیمات کو عملی جامہ پہناتے رہے عظیم فلسفی مرحوم صدر المتالھین شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) گویا اس سلسلے میں امام صادقؑ کی اس موضوع پر حدیث سے الہام حاصل کر کے اس طرح کہتے ہیں:

اعلم ان الصراط المستقیم کما قبل الذی اوصلك الی الجنه هو صورة الهدی الذی انشاته لنفسك ما دمت فی عالم الطبعیه من الا عمال القلبیة والا حوال و التحقیق انه عند کشف العظاء ورفع الحجاب یظهر لك ان النفس الا نسانیة السعیدة صورة صراط الله المستقیم وله حدود و مراتب اذا سلکه سالك متدرجاً علی خدوده و مقاماته اوصله الیٰ جوار ربه داخلاً فی الجنه فهو فی هذه الدّار کسائر الا مور الا خروية غائبة عن الا بصار مستورة علی الحواس فاذا انکشف الغطاء بالموت و رفع الحجاب عن عین قلبلك یشاهده و یمرلك یو م القیامة لجسر محسوس علی متن جهنم اوله فی المواقف و آخره علی باب من ابواب الجنة.

جیسا کہ کہا گیا ہے صراط مستقیم وہ چیز ہے جو تجھے بہشت تک پہنچاتی ہے اور وہ صورت تیرے ان اعمال قلبی کی صورت ہے جو اعمال تم نے اپنے جسم کے ذریعے عالم طبیعت میں انجام دیئے تھے اس مطلب کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ جس وقت موانع برطرف ہو جائیں گے اور حجاب ہٹ جائیں گے تو یہ حقیقت تیرے سامنے آجائے گی کہ سعادت مند انسان کا نفس صراط مستقیم کی صورت ہے لیکن اس کے لئے حدود اور مراتب بھی ہیں جب کمال تک جانے والا شخص تدریجاً ان مقامات اور مراتب کو ان کے حدود کی رعایت کے ساتھ طے کرتا ہے تو وہ (صراط مستقیم) اسے خدا کے جوار میں پہنچا کر اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں بھی دیگر تمام اخروی امور کی طرح صراط مستقیم بھی انسان کی نظروں اور حواس سے پوشیدہ ہے۔ اور جب موت واقع ہوگی اور تمام پردے برطرف ہوجائیں گے تو تم اپنی دل کی آنکھوں کے سامنے اس صراط کو دیکھو گے یہ وہی صراط ہے جو محسوس ہونے والی پل کی طرح جہنم پر واقع ہوگی اس پل کی ابتداء موقف قیامت سے ہوگی اور اس کا اختتام بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں داخل ہونے پر ہوگا۔[1]

نتیجہ:

مذکورہ بحث اور دنیا میں صراط مستقیم کے آخرت کے صراط مستقیم کے ساتھ مقائسہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صراط دنیا اور صراط آخرت دونوں ایک جیسے ہیں اور ان میں بعض مشترکات پائی جاتی ہیں صراط قیامت جہنم کے اوپر واقع ہوگی اور دنیا میں صراط مستقیم شہوات اور نفسانی خواہشات کے جہنم کے اوپر واقع ہے۔ قیامت میں مومن اور نیک لوگ صراط کو سلامتی کے ساتھ طے کر کے بہشت میں پہنچ جائیں گے۔ اور بے ایمان اور بدکردار افراد جہنم میں گریں گے۔

دنیا میں بھی حقیقی مومن اور نیک لوگ صراط مستقیم یعنی دین خدا کے راستے کو اچھے طریقے سے گزار کر سعادت پر فائز ہوجاتے ہیں لیکن خواہشات نفسانی کے پیروکار شہوت اور نجاسات کے جہنم میں گر کر تباہ ہوتے ہیں۔ صراط قیامت بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ شرع مقدس کی صراط بھی مذکورہ تفصیلات کے مطابق بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے قیامت میں بعض لوگ صراط سے بجلی کی طرح گزریں گے اور بعض ہوا کی طرح، بعض دوڑنے والے گھوڑے کی طرح، بعض پیادہ افراد کی طرح اور بعض گرتے ہوئے صراط سے گزریں گے۔ دنیا میں بھی نیک لوگ شریعت مقدس کے صراط کو اسی فرق کے ساتھ طے کرتے ہیں، بعض جلدی سے گزرتے ہیں اور بعض آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

صراط دنیا اور صراط آخرت کے درمیان مؤثر رابطہ

سب سے زیادہ موثر رابطہ جو صراط دنیا اور صراط آخرت کے درمیان پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آسمانی ادیان کے پیرو کار قیامت اور صراط قیامت پر یقین کے ساتھ خود کو بارگاہ الٰہی میں مسئول ٹھہراتے ہیں اور احساس مسئولیت کی وجہ سے وہ دین الٰہی پر عمل کرتے ہیں اور الٰہی صراط مستقیم سے خارج نہیں ہوتے۔ یہی دقت کے ساتھ مراقبت باعث بنتی ہے کہ صراط الٰہی پر چلنے والے آہستہ آہستہ کمال کے معراج کو طے کر کے بالآخر خود کو انسانی کمال تک پہنچا دیں۔

لیکن جو لوگ قیامت اور قیامت کی مسئولیت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اپنے دینی وظائف کی انجام دہی میں کوشش

---

[1] اسفار۔ جلد ۴، ص ۱۷۴

نہیں کرتے ۔اور ہمیشہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اس طرح وہ حق کے راستے کو ترک کر کے گناہوں سے آلودہ ہوجاتے ہیں۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ

اور آپ تو انہیں سیدھے راستہ کی دعوت دینے والے ہیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ سیدھے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ [1]

وضو کے وقت حضرت علی علیہ السلام کی دعا

صراط مستقیم جو اس کائنات میں دین خدا کے مجموعہ کا نام ہے۔اس کا صراط قیامت اور محشر کے اوضاع اور حالات کے ساتھ اتنا اتصال ہے کہ حضرت علی علیہ السلام وضو اور دیگر فرائض کی انجام دہی کے وقت، جب بھی کسی عضو کو دھوتے تو بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے اور قیامت کے دن اس عضو کی سعادت طلب کرتے تھے۔

ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَسْوَدُّ فِيْهِ الْوُجُوْهُ وَلَا تَسَوِّدْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيَضُّ فِيْهِ الْوُجُوْهُ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَالْخُلْدَ فِي الْجِنَّانِ بِيَسَارِيْ وَ حَاسِبْنِيْ حِسَاباً يَسِيْراً ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ وَلَا تَجْعَلْهَا مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِيْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ مُقَطَّعَاتِ النِّيْرَانِ قَالَ: مَسَحَ رَاْسَهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ غَشِّنِيْ بِرَحْمَتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ عَفْوِكَ ثُمَّ مَسَحَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَيَّ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ الْاَقْدَامُ

اس کے بعد آپؑ نے اپنا چہرہ دھویا اور فرمایا: میرے چہرے کو اس دن سفید رکھنا جب چہرے سیاہ ہوجائیں گے اور میرے چہرے کو سفید رکھنا جس دن چہرے سیاہ ہوجائیں گے۔اس کے بعد آپؑ نے اپنا دایاں ہاتھ دھویا اور فرمایا: اے میرے پروردگار! میرے نامہ اعمال کو میرے داہنے ہاتھ میں دینا اور بہشت کی سند میرے بائیں ہاتھ میں دینا اور مجھ سے حساب آسانی سے لینا۔اس کے بعد آپؑ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا اور فرمایا: اے میرے خدا! میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ دینا اور نہ ہی اسے میری گردن میں لٹکانا اور میں تجھ سے آگ سے پناہ چاہتا ہوں۔اس کے بعد آپؑ نے

---

[1] سورہ مومنون، آیت ۷۳۔۷۴

اپنے سر کا مسح کیا اور فرمایا: خداوندا! مجھے رحمت، برکت اور اپنے عفو کے دریا میں ڈبا دے۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے پاؤں کا مسح کیا اور فرمایا: بارالٰہا! میرے قدموں کو اس دن صراط پر قائم رکھنا جس دن پاؤں میں لغزش آ جائے گی۔ [۱]

عظیم اعمال اور گناہان کبیرہ

وہ صاحبان ایمان جو دنیا میں صراط مستقیم پر اچھی طرح سے ثابت قدم رہے اور زندگی کے تمام مراحل میں دینی قوانین کا خیال رکھتے رہے ہوں وہ سلامتی سے صراط قیامت سے گذر جائیں گے لیکن بعض روایات کے مطابق شریعت مقدس میں بعض اعمال اس قدر مہم اور اہمیت کے حامل قرار دیئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے عامل کی صراط سے گزرنے میں مدد فرمائے گا اور اسے سختیوں اور مشکلات سے نجات دلائے گا۔ اس طرح بعض گناہ اتنے خطرناک ہیں کہ اگر کسی نے وہ گناہ انجام دیئے ہوں تو اس کا صراط سے گزرنا ناممکن ہوگا۔ یہاں پر صرف دو موارد کو بیان کیا جا رہا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ: وَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرَبَ الْقِيَامَةِ بَالِغاً مَا بَلَغَتْ وَ مَنْ أَعَانَهُ عَلَى ظَالِمٍ لَهُ أَعَانَهُ اللهُ عَلَى إِجَازَةِ الصِّرَاطِ عِنْدَ دَحْضِ الْأَقْدَامِ

جو بھی اپنے بھائی سے غم کی گرہ کھولے اور اسے پریشانی سے نجات دلائے اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانی کو چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اس سے ختم کر دے گا اور جو بھی اپنے کسی بھائی کی ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے مدد کرے اللہ تعالیٰ صراط سے عبور اور پاؤں میں لغزش کے وقت اس کی مدد فرمائے گا۔ [۲]

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصادِ قَالَ قَنْطَرَةٌ عَلَى الصِّرَاطِ لَا يَجُوزُهَا عَبْدٌ بِمَظْلِمَةٍ

بیشک تمہارا پروردگار ظالموں کی تاک میں ہے۔ [۳]

امام صادق علیہ السلام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: ''مرصاد'' صراط میں ایک بڑی پل ہے جس سے کوئی بھی ایسا بندہ نہیں گزر سکے گا جس کے ذمہ کسی کا ظلم ہو۔ [۴]

---

[۱] امالی صدوق۔ جلس ۸۲، ص ۳۳۱
[۲] ثواب الاعمال، ۱۷۵
[۳] سورہ فجر، آیت ۱۴
[۴] کافی، ج ۲، ص ۳۳۱

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى آلَى عَلَى نَفْسِهِ أَنْ لَا يُسَكِّنَ جَنَّتَهُ أَصْنَافاً ثَلَاثَةً رَادّاً عَلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَوْ رَادّاً عَلَى إِمَامِ هُدًى أَوْ مَنْ حَبَسَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ وہ تین گروہوں کو اپنی بہشت میں جگہ نہیں دے گا۔

اول: جو خدا کا انکار کریں اور بارگاہ خداوندی میں حق اور ادب کا خیال نہ رکھیں۔

دوم: وہ لوگ جو امام اور خدا کی طرف سے معین کردہ رہنماؤں کا انکار کریں۔

سوم: جو کسی مسلمان کا حق غصب کریں اور حق کو صاحب حق تک پہنچنے نہ دیں۔[۱]

فریقین کی روایات میں صراط جہنم پر واقع پل کو کہا گیا ہے اور ہر انسان کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ اگر سلامتی کے ساتھ اس سے عبور کریں گے تو بہشت میں پہنچ جائیں گے ورنہ جہنم میں گریں گے۔ لیکن ہم جہنم پر واقع پل کی حالت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

اہل بہشت کا جہنم میں جانا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيهَا جِثِيًّا

''اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے جہنّم کے کنارے حاضر نہ ہونا ہو کہ یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے اس کے بعد ہم متقی افراد کو نجات دے دیں گے اور ظالمین کو جہنّم میں چھوڑ دیں گے اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پیش کی جاتی ہیں تو ان میں کافر صاحبان ایمان سے کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں کس کی جگہ بہتر اور کس کی منزل زیادہ حسین ہے۔''[۲]

اس آیت کریمہ میں جو لفظ ''وَارِدُهَا'' آیا ہے اس لفظ کی لغت میں دو معانی بیان ہوئی ہیں ایک معنی جہنم کے کنارے حاضر ہونا ہے اور دوسری معنی جہنم میں داخل ہونا ہے اور یہ دونوں احتمالات مفسرین کے کلمات میں بیان ہوئے ہیں۔

ان دونوں معانی میں سے ہر ایک کی بعض روایات میں تائید بیان ہوئی ہے۔ اور مفسرین کرام نے دونوں

---

[۱] بحار، جلد ۱، ص ۱۲۹

[۲] مریم، آیت ۷۱۔ ۷۳

احتمالات کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

عَنْ أَبِي سُمَيَّةَ قَالَ اخْتَلَفْنَا فِي الْوُرُودِ فَقَالَ قَوْمٌ لَا يَدْخُلُهَا مُؤْمِنٌ وَ قَالَ آخَرُونَ يَدْخُلُونَهَا جَمِيعاً ثُمَّ يُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا فَلَقِيتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَسَأَلْتُهُ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهِ إِلَى أُذُنَيْهِ فَقَالَ صَمَّتَا إِنْ لَمْ أَكُنْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ الْوُرُودُ الدُّخُولُ لَا يَبْقَى بَرٌّ وَ لَا فَاجِرٌ إِلَّا يَدْخُلُهَا تَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ بَرْداً وَ سَلَاماً كَمَا كَانَتْ عَلَى إِبْرَاهِيمَ حَتَّى إِنَّ لِلنَّارِ أَوْ قَالَ لِجَهَنَّمَ ضَجِيجاً مِنْ بَرْدِهَا ثُمَّ يُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيهَا جِثِيًّا

ابی سمیہ کہتے ہیں جہنم میں داخل ہونا جس کے بارے میں اس آیت میں بیان ہوا ہے اس کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ مومن کبھی بھی آگ میں نہیں جائے گا اور بعض کہتے کہ سب آگ میں جائیں گے اس کے بعد خداوند عالم متقین کو نجات عطا فرمائے گا۔ ایک دن میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انہیں اختلاف کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے پاس لے جا کر کہا: اگر میں نے یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنی ہو تو میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اچھے اور برے انسانوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ جہنم میں داخل ہوگا لیکن مومن کے لئے ابراہیمؑ کی طرح آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جائے گی حتیٰ کہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے آگ فریاد کرے گی اس کے بعد خداوند عالم متقین کو جہنم سے نجات دے گا اور ظالموں کو آگ میں چھوڑ دے گا۔[۱]

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي قَوْلِهِ: وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُونَ بِأَعْمَالِهِمْ فَأَوَّلُهُمْ كَلَمْعِ الْبَرْقِ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيحِ ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ كَالرَّاكِبِ ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ كَمَشْيِهِ

مورد بحث آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سب لوگ آگ میں وارد ہوں گے اور جو باہر آئیں گے ان کے چلنے کی رفتار ان کے اعمال میں اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوگی۔ ان میں سے کچھ بجلی کے شعلوں کی طرح آئیں گے کچھ ہوا کی طرح، کچھ دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح، کچھ کاروان میں سوار کی حرکت کی طرح، کچھ انسان کے دوڑتے طرح اور کچھ گھومتے انسان کی طرح آئیں گے۔[۲]

---

[۱] مجمع البیان، جلد ۵، ۶، تفسیر در المنثور، جلد ۴، ص ۲۸۰

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۴، ص ۲۸۱، مجمع البیان، ج ۵، ۶، ص ۵۲۵

ثُمَّ يُنَادِي الْمُنَادِي أَنْ خُذِي أَصْحَابَكِ وَ ذَرِي أَصْحَابِي فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهِيَ أَعْرَفُ بِأَصْحَابِهَا مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا

جہنم میں لوگوں کے وارد ہونے کے بعد منادی آگ سے کہے گا اپنے لوگوں کو پکڑ لو اور میرے لوگوں کو چھوڑ دو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے اپنے افراد کے بارے میں آگ کی شناخت ماں کی اپنی اولاد کی شناخت سے زیادہ ہے۔[1]

اہل جہنم کی آگ کے ساتھ جنسیت

جہنمی گناہگار آگ کے ساتھ مناسبت اور جنسیت رکھتے ہیں اسی وجہ سے جب وہ آگ کے قریب جائیں گے تو اس کے شعلے زیادہ ہو جائیں گے اور اس کے شعلوں میں شدت آجائے گی۔ باایمان لوگوں کا آگ کے پاس جانا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ مومنوں کے آگ کے نزدیک ہونے سے اس کے شعلے بجھنے لگیں گے۔ یہ بات بعض روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ تَقُولُ النَّارُ لِلْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُزْيَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَأَ نُورُكَ لَهَبِيْ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن آگ مومن سے کہے گی جتنا جلدی ہو سکے میرے پاس سے گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔[2]

زانکه دوزخ گوید ای مومن تو زود
بر گزر که نورت آتش را ربود
بگذرای مومن که نورت می کشد
آتش را چونکه دامن می کشد
دوزخ از مومن گریزد آنچنان
که گریزد مومن از دوزخ به جان
زانکه جنس نار نبود نور او

---

[1] مجمع البیان، ج ۵،۶، ص ۵۲۶
[2] تفسیر صافی ص ۳۴۰

ضد نار آمد حقیقت نور جو

در حدیث آمد که مومن دردعا

چون امان خواهد ز دوزخ از خدا

دوزخ از وی هم امان جوید به جان

که خدایا دور دارم از فلان

جاذبه جنسیت است اکنون ببین

که تو جنس کیستی از کفرو دین

گر به هامان ما یلی هامانی

ور به موسیٰ ما یلی سبحانی

ترجمہ:

جہنم مومن سے کہے گی اے مومن تم میرے پاس سے جلدی گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا ہے۔

مومن تیرا نور میری آگ کو مار رہا ہے اس لئے جلدی سے گزر جا۔

جہنم مومن سے اس طرح بھاگے گی جس طرح مومن جہنم سے بھاگتا ہے چونکہ اس کا نور آگ کی جنس نہیں ہے اس وجہ سے حقیقت نور آگ کی ضد ہے

حدیث میں ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ سے جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرتا ہے تو جہنم بھی خدا سے تقاضا کرتی ہے کہ مجھے مومن سے دور رکھ۔ اب دیکھو جنسیت کا جاذبہ ہے کہ تم کفر اور دین میں کس کی جنس میں سے ہو اگر تم ہامان کی طرف مائل ہو تو تم ہامان ہو لیکن اگر تم موسیٰؑ کی طرف مائل ہو تو تم خدا والے ہو۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللهِ اَنَّهٗ سُئِلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ فَقَالَ: إِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَلَيْسَ قَدْ وَعَدَنَا رَبُّنَا اَنْ نَرِدَ النَّارَ؟ فَيُقَالُ لَهُمْ قَدْ وَرَدْتُمُوْهَا وَهِيَ جَامِدَةٌ

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: جب اہل بہشت، بہشت میں جائیں گے تو ان میں سے بعض، بعض سے کہیں گے کیا ہمارے پروردگار نے

ہمارے لئے آگ میں داخل ہونے کا وعدہ نہ فرمایا تھا۔تو اس کا کیا ہوا؟

ان سے کہا جائے گا:تم لوگ آگ میں گئے تھے لیکن تمہارے جانے سے آگ کے شعلے ختم ہو گئے۔[1]

مومنان در حشر گویند ای ملك
نی که دوزخ بو دراه مشترك
مومن و کافر برآن باید گزر
ماند ید یم اندراین ره دودونا ر
نك بهشت و بارگاه ایمنی
پس کجا بود آن گزر گاه دنی
پس ملك گوید که آن روضه خضر
کان فلان جادیده ایداندر گزر
دوزخ آن بود و سیاست کا ه سخت
بر شما شد باغ و بستان و درخت
چون شما این نفس دوزخ خوی را
آتشی کور فتنه جوی را
جهدها کردید تاشد پر صفا
نار راکشتید از بهر خدا
دوزخ مانیز در حق شما
سبزه گشت و گلشن و برگ و نوا

ترجمہ:

حشر میں مومن کہیں گے اے فرشتہ جہنم تو ہمارا مشترکہ راستہ تھا جہاں سے مومن وکافر دونوں کو گزرنا تھا لیکن ہمیں تو اس راستے میں کہیں بھی آگ اور دھواں نظر نہیں آیا یہ تو بہشت اور امن کی جگہ ہے پس وہ خطرناک گزرگاہ کہاں واقع ہے؟

---

[1] تفسیر کشاف۔ج۲۔ص۵۲۰

تب فرشتہ کہے گا فلاں جگہ جو تم نے سرسبز و شاداب مقام دیکھا تھا وہی جہنم اور سخت مقام تھا لیکن تمہارے لئے وہ باغ اور درخت بن گیا چونکہ تم نے اپنے جہنم صفت نفس کو مار دیا جو فتنہ برپا کرنے والی آگ تھا

تم نے بہت کوششیں کیں یہاں تک کہ تم مخلص مومن بن گئے تم نے آگ کو خدا کی خاطر مار ڈالا اس وجہ سے ہماری جہنم بھی تمہارے لئے باغ و گلشن بن گئی۔

ساتویں فصل

شافع اور شفاعت

يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوۡلًا ۝[1]

اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دے دی ہو اور وہ ان کی بات سے راضی ہو۔

قرآن مجید کی متعدد آیات اور عامہ اور خاصہ کی متعدد روایات جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے بیان فرمائی ہیں ان میں انبیاء کرام، ائمہ طاہرین اور اولیاء الٰہی جنہیں اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا حق عطا فرمایا ہے، وہ ان باایمان اور موحد لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جن کا نامہ اعمال سیاہ اور دامن گناہوں سے آلودہ ہوگا ایسے لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا کے حقدار تھے لیکن خداوند عالم کے حکم سے ان عظیم ہستیوں کی شفاعت میں شامل ہو جائیں گے جنہیں اس نے شفاعت کا حق عطا فرمایا ہوگا۔

اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت میں شامل ہو جائیں گے غفور اور رحیم پروردگار انہیں معاف کر کے عذاب سے نجات دلائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ بہشت میں رہیں گے۔

مسئلہ شفاعت دینی اور اعتقادی مسائل میں سے مہم مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں اس موضوع پر بہت سی آیات موجود ہیں۔

مسئلہ شفاعت پر ہونے والے اعتراضات

یہ موضوع علماء خاصہ و عامہ کے درمیان مورد بحث رہا ہے، اور اس موضوع پر بہت سے شبہات بھی بیان کیئے گئے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ شفاعت کو قبول کرنے سے شفیع (شفاعت کرنے والا) کی ذات باری تعالیٰ کے کاموں میں مداخلت لازم آتی ہے کیونکہ اس طرح مشفوع لہ (جس کی شفاعت کی گئی ہو) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم یا ارادہ تبدیل

---

[1] سورہ طہ، آیت ۱۰۹

ہوجائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تبدیلی اور تغیر واقع نہیں ہوسکتا اس لیے آیات وروایات میں موجود لفظ شفاعت کے معنیٰ کو تبدیل کر کے اس کی مناسب تاویل اور تفسیر بیان کی جائے۔ اس مطلب کی شرح کتاب آیۃ الکرسی پیام آسمانی میں آیت۔

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ○

کے ذیل میں بیان ہوئی ہے۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوھاب کے اعتراضات

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نے قرآن مجید کی دو آیات کی غلط معنیٰ اور اپنی طرف سے غلط تفسیر کر کے شفاعت کو خدا کے ساتھ شرک کا نام دیا ہے ان کی اس فکری غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس غلط معنیٰ اور تفسیر کے ذریعے مسلمانوں کو بت پرستوں کے ساتھ قرار دیا ہے۔ وہ دو آیات یہ ہیں۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ۔[1]

آگاہ ہو جاؤ کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ سرپرست بنائے ہیں یہ کہہ کر کہ ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ اللہ ان کے درمیان تمام اختلافی مسائل میں فیصلہ کر دے گا۔

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَلَا یَنۡفَعُہُمۡ وَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ○[2]

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

قال ابن تیمیه فی رسالة الواسطة فی جواب عن رجلین تناظرا فقال احدهما لا بدلنا من واسطة بیننا و بین الله تعالی (الی ان قال) و ان ارادانه لا بد من واسطة فی جلب

---

[1] سورہ زمر آیت 3

[2] سورہ یونس آیت 18

المنافع و رفع المضار مثل ان یکون واسطة فی رزق العباد و نصرھم و ھداھم یسئلونه ذالك فھذا من اعظم الشرك الذی کفر الله به المشرکین حیث اتخذوا من دون الله اولیاء و شفعاء یجتلبون بھم المنافع و یجتنبون المضار.

''دو شخص ایک دوسرے سے خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ کے بارے میں بحث کر رہے تھے ان میں سے ایک کا کہنا تھا کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کسی واسطے کا ہونا ضروری ہے۔

انہوں نے اس مسئلہ کے بارے میں ابن تیمیہ سے دریافت کیا تو انہوں نے ان کے جواب میں ''رسالہ واسطہ'' نامی ایک جزوہ تحریر کیا جس میں لکھا کہ ''اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ منفعت کے حصول یا نقصان سے بچاؤ کے لئے خالق اور مخلوق کے درمیان کسی واسطہ کا ہونا ضروری ہے اور لوگ اپنے ان امور کو اس واسطہ سے طلب کریں تو اس صورت میں یہ امر سب سے بڑا شرک ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ان کے اس عقیدہ کی وجہ سے کافر کہا ہے۔

کیونکہ انہوں نے خداوند عالم کے لئے کسی غیر کو اولیاء اور شفیع بنا لیا ہے تا کہ ان کے وسیلہ سے وہ منافع حاصل کریں یا نقصان کو دفع کر سکیں۔ [۱]

محمد بن عبدالوہاب نے بھی شیخ الرکب المغربی نامی اپنی تحریر میں مذکورہ دو آیات کو سرنامہ کلام قرار دے کر آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

فاخبر انه من جعل بینه و بین الله وسائط یسألھم الشفاعة فقد عبدھم و اشرك بھم و ذالك ان الشفاعة کلھا لله.

''اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ جو بھی اپنے اور خدا کے درمیان کسی اور کو واسطہ قرار دے اور وہ اس واسطہ سے شفاعت کی درخواست کرے تو اپنے اس عمل سے وہ اس واسطہ کی عبادت کرتا ہے اس طرح وہ خدا کے ساتھ شرک میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ تمام شفاعتیں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں''۔ [۲]

مشروع اور غیر مشروع شفاعت

قرآن و سنت میں دو شفاعتوں کے بارے میں بیان ہوا ہے ایک مشروع شفاعت جو اللہ تعالیٰ کی مرضی توحید اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوتی ہے۔ اور دوسری غلط اور غیر شرعی شفاعت جس شفاعت کی توقع مشرکین اپنے بتوں سے

---

[۱] کشف الارتیاب صفحہ 215

[۲] کشف الارتیاب صفحہ 254

رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ان بتوں کی عبادت کرنی چاہیے جنہیں انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تا کہ وہ بت بارگاہ خداوندی میں ان کی شفاعت کریں۔ اس فصل میں جسے شفاعت کے ساتھ مخصوص قرار دیا گیا ہے آیات اور روایات کی روشنی میں دونوں اقسام کے بارے میں بحث کی جائے گی۔ اس کی ضمن میں ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کی باتوں کا غلط اور نادرست ہونا بھی ثابت ہوجائے گا۔ البتہ لازمی ہے کہ سب سے پہلے بطور مقدمہ ایسے چند مطالب کو بیان کیا جائے جن سے صحیح اور غلط شفاعت واضح ہوجائے۔

1۔ شافع کسے کہتے ہیں اور شفاعت کیا ہے؟

شافع

1۔ الشافع الطالب لغیرہ یتشفع بہ الی المطلوب.

''شافع وہ ہے جو اپنے غیر کے لئے کوئی چیز طلب کرے اور وہ غیر اپنے مطلوب تک پہنچنے کیلئے اس سے شفاعت کی درخواست کرے''۔ (لسان عرب، شفع)

2۔ الشافع ھو الجاعل الوتر شفعا.

''شافع وہ ہے جو کسی مقصد کے لئے اپنے علاوہ کسی اور کے ساتھ ملتا ہے اور جو طاق ہوتا ہے اسے جفت بنالیتا ہے۔

شفاعت

1. الشفاعۃ الانضمام الیٰ آخر ناصراً لہ وسائلاً عنہ.

شفاعت یعنی کسی کا دوسرے کے ساتھ اس کی مدد کرنے، اور اس کی طرف سے اس کی آرزو کی درخواست کرنے کی خاطر ملنا۔

2. الشفاعۃ اعانۃ الطالب ھتی تصیر معہ شفعا بعد ان کان وتراً.

شفاعت یعنی کسی ایسے شخص کی مدد کرنا جو کسی چیز کا طلبگار ہو، اس طرح مدد کرنے والا طالب کے ساتھ ہوجائے گا جبکہ پہلے وہ تنہا تھا۔

مثال:

اگر کسی مقروض کے قرض کی ادائیگی کا وقت پہنچ جائے اور وہ اس وقت صرف قرض خواہ کو آدھی رقم دینے کی طاقت رکھتا ہو اپنی کمزوری اور ناتوانائی کی وجہ سے اسے مستقبل میں مزید آمدنی کی امید بھی نہ ہو۔ تو وہ قرض خواہ سے باقی رقم لوٹانے

کی مہلت نہیں چاہے گا۔ایسی صورت میں اس کی نظر میں ایک ہی راستہ ہوگا اور وہ یہ کہ جو رقم اس وقت اس کے پاس موجود ہے اسے قرض خواہ کے حوالے کرے اور اس سے تقاضہ کرے کہ دوسری رقم جو اس کے ذمہ ہے اسے وہ معاف کردے۔لیکن وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اکیلا قرض خواہ کے پاس گیا تو وہ اس کی بات سن کر ناراض ہوگا اسے یہ بھی یقین ہے کہ اگر وہ اکیلا قرض خواہ کے پاس جا کر دوسری رقم کی بخشش کا کہے گا تو وہ اس کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا بلکہ اسے کہے گا کہ جس وقت تم تندرست تھے اور کام کاج کر سکتے تھے اس وقت تم اگر اپنی آمدنی کو فضول کاموں پر خرچ نہ کرتے تو آج تم مال کی کمی میں مبتلا نہ ہوتے اور اپنا قرض ادا کرنے سے عاجز نہ ہوتے۔اسی وجہ سے مقروض ایک ایسے محترم اور قابل عزت شخص کے پاس جائے گا جس کا قرض خواہ احترام کرتا ہو،مقروض اس محترم شخص سے مدد طلب کرے گا اور کہے گا کہ آپ قرض خواہ سے کہیں کہ وہ اپنی باقی رقم جو میرے ذمہ ہے مجھے بخش دے۔

ایسے مقامات پر، طلبگار کو مشفوع عندہ،مقروض کو مشفوع لہ اور محترم شخص کو شفیع یا شافع کا نام دیا جاتا ہے۔ نیز مقروض کی شفیع سے درخواست کو تشفع یا استشفاع (یعنی شفاعت خواہی) اور شفیع کی مشفوع عندہ (قرض خواہ) سے درخواست کو ''شفاعت'' کہا جاتا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: اَلشَّفِیْعُ جِنَاحُ الطَّالِبِ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جو کسی حاجت کا طلبگار ہو اس کے لئے شفیع (پرندے کے) پروں کی طرح ہے، جن کے ذریعہ وہ پرواز کر کے اپنے مقصد تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔''[1]

شفاعت کی اقسام

ہم یہاں اس شفاعت کے بارے میں بحث و گفتگو کریں گے جس کے متعلق مسلمانوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور جس کے بارے میں شرک اور توحید کی باتیں بیان ہوتی ہیں۔ یہاں شفاعت یعنی جس کے ایک طرف خدا ہو اور دوسری طرف مخلوق اور شفیع خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بن رہا ہو اس فصل میں ہم مذکورہ شفاعت کے بارے میں گفتگو کریں گے لیکن اگر دونوں اطراف مخلوق پر مشتمل ہوں اور شفیع دونوں طرف میں موجود مخلوقات کے درمیان واسطہ بن رہا ہو، اس کے بارے میں بحث نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ شرک اور توحید کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح کی شفاعت صرف ایک فرعی فقہی مسئلہ ہے۔

اگر شفیع کسی کار خیر میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خشنودی کے لئے وسیلہ بنے تو اس کا مقام اور منزلت یہ آیت کریمہ بیان کر

---

[1] نہج البلاغہ کلمہ 63

رہی ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ○[1]

جو شخص اچھی سفارش کرے گا اسے اس کا حصّہ ملے گا۔

اس طرح کا شفیع ایک نیک اور مشروع کام میں مدد کرتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حکم فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ○[2]

''نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو'' اور اگر شفیع کسی خراب کام یا گناہ کی انجام دہی میں وسیلہ بنے تو وہ اس آیت میں شامل ہوجائے گا:

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ○[3]

''اور جو بری سفارش کرے گا اسے اس میں سے حصہ ملے گا''۔

اس طرح کا شفیع ایک غیر شرعی اور غلط کام میں معاون ہوا ہے اور خداوند عالم کی واضح نہی کی مخالفت کی ہے قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ○[4]

''اور گناہوں اور تعدی پر آپس میں تعاون نہ کرنا''

شفاعت تکوینی اور شفاعت تشریعی

پروردگار عالم پوری کائنات کا مالک اور حاکم مطلق ہے، اور رب العزت کی عطا پر انسان کی ضرورت صرف تشریعی امور کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، بلکہ انسان تمام تکوینی اور تشریعی امور میں اللہ تعالیٰ کے فیض کا محتاج ہے۔ بعبارت دیگر جس طرح انسان تشریعی پہلو کیلئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت، انبیاء کرام ارسال کرنے، کتب نازل کرنے اور سعادت بخش اور مغفرت الٰہی پر مشتمل قوانین کا محتاج ہے، اسی طرح وہ تکوینی پہلو میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیوضات جیسے رزق، حفاظت، مدد، بیماروں کی

---

[1] سورہ نساء، آیت 85

[2] سورہ مائدہ آیت 2

[3] سورہ نساء آیت 85

[4] سورہ مائدہ آیت 2

شفاعت اور اس طرح کی دیگر عنایات کا محتاج ہے۔

فیوضات تکوینی اور تشریعی کے وسعت اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ شفیع اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض پہنچانے کے لئے خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہوتا ہے ہمیں شفاعت کو وسیع معنی میں دیکھنا ہوگا اور شفاعت تکوینی وتشریعی کی ایک ہی جگہ پر بحث وبررسی کرنی ہوگی۔

شفاعت تکوینی اور تشریعی آیات کی نظر میں

جالب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض آیات میں آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارے میں بات کرنے کے بعد خودکو کائنات کے امور کے مدیر کے طور پر معرفی کیا ہے۔ اور شفاعت کے مسئلہ کی جانب اشارہ کیا ہے جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان آیات میں شفاعت دونوں شفاعتوں شفاعت تکوینی اور شفاعت تشریعی پر مشتمل ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۝[1]

۔ بیشک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے پھر اس کے بعد عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے کوئی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۝[2]

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے“

نظام خلقت میں وسیلہ کا کردار

خالق کائنات نے اس نظام ہستی کو علت اور معلول کی بنیاد پر بنایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ وہ تکوینی اور تشریعی عنایات اور عطا کو مختلف وسائل واسباب کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَبَی اللّٰهُ اَنْ یُجْرِیَ الْاَشْیَاءَ اِلَّا بِاَسْبَابٍ فَجَعَلَ لِكُلِّ شَیْئٍ سَبَباً.

---

[1] سورہ یونس آیت 3

[2] سورہ بقرہ آیت 255

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کائنات کے امور کو وسائل اور اسباب کے بغیر جاری کرے، اس وجہ سے اس نے ہر چیز کے لئے ایک سبب عطا فرمایا ہے۔[1]

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ: مَرَّ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ بِرَجُلٍ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَدْعُو اللهَ فَانْطَلَقَ مُوسَى فِي حَاجَتِهِ فَغَابَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ يَا رَبِّ هٰذَا عَبْدُكَ رَافِعٌ إِلَيْكَ يَدَيْهِ إِلَيْكَ يَسْأَلُكَ حَاجَتَهُ وَ يَسْأَلُكَ الْمَغْفِرَةَ مُنْذُ سَبْعَةِ أَيَّامٍ لَا تَسْتَجِيبُ لَهُ قَالَ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ يَا مُوسَى لَوْ دَعَانِي حَتّٰى تَسْقُطَ يَدَاهُ وَ يَنْقَطِعَ لِسَانُهُ وَمَا اسْتَجَبْتُ لَهُ حَتّٰى يَأْتِيَنِي مِنَ الْبَابِ الَّذِي أَمَرْتُهُ.

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ایک دن حضرت موسیٰ ابن عمران کا گزر ایک راستے سے ہوا آپؑ نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کیئے اللہ تعالیٰ کو پکار رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کام کے لئے چلے گئے اور جب سات دنوں بعد واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ شخص اسی طرح اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے دعا کر رہا تھا۔ (یہ صورتحال دیکھ کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے بارالہا! تیرا یہ بندہ سات دنوں سے دعا کر رہا ہے کہ اس کی حاجت روائی فرما اور اسے بخش دے لیکن تو اس کی بات قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی اگر یہ مجھے اتنا پکارے کہ اس کے ہاتھ گر جائیں اور زبان کٹ جائے تب بھی میں اس کی دعا مستجاب نہیں کروں گا سوائے اس راستے کے جس کا میں نے اسے حکم دیا ہے اسی راستے سے میرے پاس آئے (تب اس کی دعا مستجاب ہوگی)۔[2]

وسائل و اسباب

وہ وسائل و اسباب جو تکوینی اور تشریعی نظام میں فیض الٰہی تک رسائی کے لئے راستہ ہیں اور انہیں معین کیا گیا ہے۔ یہی رحمت خداوندی تک رسائی کا وسیلہ ہیں، درحقیقت یہ فیض کے طالب کے لئے شفیع ہیں، کیونکہ طالب انہیں کے وسیلہ سے اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے۔ اور رحمت پروردگار تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔

شفاعت کا حقیقی اختیار

قرآن مجید میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ تمام شفاعتوں کا تعلق عالم ہستی کے مالک حقیقی یعنی ذات باری تعالیٰ

---

[1] کافی، جلد اول صفحہ 183

[2] بحار، جلد اول صفحہ 151

کے ساتھ ہے،اور وہ شفاعت تکوینی اور شفاعت تشریعی میں جسے چاہے فیض تک رسائی کے لئے خالق ومخلوق کے درمیان شفیع مقرر کرسکتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی اوراس کام کے لئے شائستہ اورمناسب نہیں ہے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝[1]

''کہہ دیجیے کہ شفاعت کا تمام تر اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہے اسی کے پاس زمین وآسمان کا سارا اقتدار ہے''۔

شفاعت کے لئے خدا کا اذن

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی طرف سے معین کردہ شفاعت کرنے والوں کے لئے''اذن'' کا لفظ استعمال کر کے اس بات کا اعلان فرمایا ہے کہ نظام تکوینی اور تشریعی میں لائق اور شائستہ شفیع وہ لوگ یا اشیاء ہیں جنہیں خداوند عالم کی جانب سے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی ہو اور جن کے پاس شفاعت کی اجازت نہ ہو وہ خالق اور مخلوق کے درمیان فیض کا وسیلہ نہیں بن سکتے۔شفاعت کی معنیٰ کی وضاحت کے لئے اس فصل کی ابتدا میں شفاعت تکوینی کے چند موارد بیان کئے جائیں گے اور اس کے بعد شفاعت تشریعی کے بارے میں بحث وبررسی ہوگی۔

حصول رزق کے لیئے کھیتی باڑی وسیلہ ہے

رزاق:

''رزاق''اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات میں سے ہے رزق سے استفادہ کرنے والی تمام مخلوقات جن میں انسان بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ کے رزق سے استفادہ کرتے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک رزق پہنچانے کے لیئے کھیتی باڑی کو وسیلہ بنایا ہے۔درحقیقت زراعت والی زمین خالق اور مخلوق کے درمیان رزق کی رسائی کے لئے شفیع ہے،البتہ ایسا نہیں ہے کہ ہر زمین کو یہ حق حاصل ہو بلکہ وہ زمین جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے شفاعت کا اذن حاصل ہو جو خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ بن سکتی ہو،اچھی طرح سے بیج کی پرورش کر پائے اور اناج پیدا کر کے رزق الٰہی کو لوگوں کے اختیار میں دے سکے۔لیکن جس زمین کو اجازت نہ دی گئی ہو وہ فیض تکوینی کے لئے شفیع نہیں ہوسکتی اور وہ خالق اور مخلوق کے درمیان رزق پہنچانے کا وسیلہ نہیں بن سکتی۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۝[2]

---

[1] سورہ زمر آیت 44

[2] سورہ اعراف آیت 58

اور پاکیزہ زمین کا سبزہ بھی اس کے پروردگار کے حکم سے خوب نکلتا ہے اور جو زمین خبیث ہوتی ہے اس کا سبزہ بھی خراب نکلتا ہے۔

زمینِ شورہ سنبل بر نیارد
در آن تخم عمل ضایع مگردان

ترجمہ:

تھور والی زمین کبھی پھول نہیں دیتی اس میں بیج کو ضائع مت کرو۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کے اعتراض کا جواب

سب سے پہلا مورد جسے ابن تیمیہ نے اپنے کلام میں مثال کے طور پر بیان کیا ہے اور اسے شرک کا سبب سمجھتے ہیں رزق میں کسی کو واسطہ قرار دینا ہے۔ ان کا کہنا ہے: جو بھی کسی واسطے کو رزق میں فائدے یا نقصان کا باعث سمجھے وہ بہت بڑے شرک میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس وجہ سے مذمت کی ہے کہ وہ غیر خدا کو شفاعت اور ولایت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے ذریعے سے نفع حاصل کریں یا نقصان کو دور کرسکیں ابن تیمیہ نے یہ مطلب مذکورہ دو آیات سے لیا ہے جو مشرکوں کے ساتھ مربوط ہیں۔

محمد بن عبد الوہاب نے بھی اپنی شیخ الرکب المغربی نامی تحریر میں ان دو آیات کو دلیل کے طور پر پیش کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو بھی اپنے اور خدا کے درمیان کسی غیر کو وسیلہ قرار دے اور وسایط سے شفاعت طلب کرے وہ اپنے اس عمل سے ان وسیلوں کی عبادت کرتا ہے اس طرح وہ خدا کے ساتھ شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام شفاعتیں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ باایمان اور حقیقی اسلام کے پیروکار صرف اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کا خالق سمجھتے ہیں اس لئے وہ اپنا رزق صرف اسی ذات سے طلب کرتے ہیں۔ لیکن نظام خلقت کی ضرورت، منفعت رزق کے حصول اور بھوک کے نقصان سے بچنے کے لئے وہ زرعی زمین کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اور کھیتی باڑی کے ذریعے اس اذن یافتہ شفیع سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔

کیا کسانوں کا زرعی زمین سے شفاعت طلب کرنا، مشرکوں کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں سے شفاعت طلب کرنے کی طرح ہے؟

کیا یہ دونوں گروہ عمل کی اہمیت اور اسے اہمیت نہ دینے کے اعتبار سے برابر ہیں؟

متأسفانہ ابن تیمیہ کی رسالہ واسطہ میں اور محمد بن عبدالوہاب کی شیخ الرکب المغربی میں عبارات اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ وہ دونوں گروہوں کو شامل ہیں اور دونوں کو وہ مشرک سمجھتے ہیں۔

البتہ زرعی زمین اور مشرکوں کے بت دونوں جمادات میں سے ہیں اس وجہ سے ان میں سے کسی میں بھی ادراک اور شعور نہیں پایا جاتا لیکن زرعی زمین سے رزق کے حصول کے لئے شفاعت طلب کرنا حکیمانہ اور خلقت کے طریقے کے مطابق عاقلانہ عمل ہے۔لیکن بتوں سے شفاعت طلب کرنا احمقانہ اور نظام خلق کے برخلاف ہے۔نہ صرف خداوند عالم نے زمین کو رزق کے لئے وسیلہ قرار دیا ہے اور اسے گھاس کی پرورش کی اجازت دے کر اس کو شفاعت کی اجازت دی ہے بلکہ خالق کائنات نے لوگوں سے بھی کہا ہے کہ وہ زمین کو آباد کریں اور زراعت اور درختوں کے اُگنے کے سامان اس کے لئے آمادہ کریں۔درحقیقت وہ اپنے اس عمل سے زرعی زمین سے شفاعت طلب کرتے ہیں، اور اس سے خدا کا عطا کردہ رزق حاصل کر کے اپنے معاشی حالات بہتر بناتے ہیں۔

هُوَ اَنْشَاَ كُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيْهَا.[1]

''اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں آباد کیا ہے''

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "هُوَ اَنْشَاَ كُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيْهَا" فَاَعْلَمَنَا سُبْحَانَهٗ اِنَّهٗ قَدْ اَمَرَهُمْ بِالْعِمَارَةِ لِيَكُوْنَ ذَالِكَ سَبَباً لِمَعَايِشِهِمْ بِمَا يَخْرُجُ مِنَ الْاَرْضِ مِنَ الْحَبِّ وَالثَّمَرَاتِ وَمَا شَاكَلَ ذَالِكَ مِمَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَايِشَ لِلْخَلْقِ.

حضرت علی علیہ السلام نے آیت کریمہ "هُوَ اَنْشَاَ كُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيْهَا" کی تفسیر میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ لوگ خداوند عالم کی طرف سے زمین کو آباد کرنے پر مامور ہیں تا کہ یہ ان کے معاش کا سبب بنے، اور اناج، میوہ جات اور اس طرح کی دوسری اشیاء جنہیں خداوند عالم نے مخلوقات کے لئے معاش قرار دیا ہے اسے زمین سے باہر نکالیں، اور اس سے اپنا رزق حاصل کریں''۔[2]

غیر خدا سے کھانا طلب کرنا

قرآن مجید نے توحید پرستی کے عظیم داعی حضرت ابراہیمؑ کی زبانی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے چند اوصاف توحید افعالی کے مقام پر ذکر کئے ہیں البتہ رزاق کی جگہ لفظ اطعام اور اسقاء بیان ہوئے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] سورہ ہود آیت 61

[2] مستدرک الوسائل جلد 2 صفحہ 426

وَالَّذِیْ هُوَیُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ○[1]

''وہی کھانا دیتا ہے اور وہی پانی پلاتا ہے''۔

قرآن مجید کی سورہ کہف میں وہ واقعہ بیان ہوا ہے جو حضرت موسیٰؑ اور خدا پرست عالم کے ساتھ پیش آیا اس قصے میں یہ الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں:

فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَآ اَتَیَآ اَهْلَ قَرْیَةِ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا.[2]

پھر دونوں آگے چلتے رہے یہاں تک کہ ایک قریہ والوں تک پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔

کیا ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے نظریہ کے مطابق اس جملہ هُوَ یُطْعِمُنِیْ (وہی کھانا دیتا ہے) اور اس جملہ اَسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا (ان سے کھانا طلب کیا) کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے؟

کیا طعام جو کہ رزقِ خدا ہے اسے غیر خدا سے طلب کرنا شرک ہے؟

ان دونوں خدا سے محبت رکھنے والے بزرگوں نے جو اپنی کمزوری کے نقصان کو دور کرنے اور بھوک سے بچنے کے لئے شہر والوں سے غذا کی درخواست کررہے تھے، کیا وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے توحید کے راستے سے منحرف ہو گئے؟

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں کو سوچنا چاہیئے اور اس سوال کا جواب جو کم از کم انہیں کی تسلی کے لئے ہو بیان کریں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مشرکوں کے کفر اور شرک کا جو حکم قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ انہوں نے غیر خدا کو ولایت اور شفاعت کے لئے مقرر کیا تھا بلکہ ان کے کفر و شرک کا حکم اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا۔ اور عبادت جو فقط ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے انہوں نے عبادت کو جمادات کے لئے جائز قرار دیا تھا ار اسے اپنا معبود بنایا تھا۔ لہٰذا دونوں آیات میں جنہیں ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نے گواہی کے طور پر پیش کیا ہے عبودیت کے بارے میں بات ہوئی ہے اور ''نعبدھم'' اور ''تعبدون'' میں عبادت کا مادہ ذکر ہوا ہے۔

ابن تیمیہ کی نظر میں کسی کو مدد کے لئے وسیلہ بنانا

دوسری مثال جسے ابن تیمیہ نے اپنی تحریر میں بیان کر کے اسے شرک کا باعث قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب

---

[1] سورہ شعراء آیت 79

[2] سورہ کہف آیت 77

کرنے کا مسئلہ ہے۔ان کا کہنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنے کے لئے کسی وسیلے کو لازم سمجھتا ہو اور فائدہ کے حصول یا نقصان سے بچنے کے لئے اس وسیلے سے مدد طلب کرے وہ عظیم شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب

لوگوں کی نصرت اور مدد کرنے کے لئے قوت اور قدرت کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ قدرت کا اصل مالک خداوند عالم ہے اور کائنات میں جس کے پاس بھی جو قدرت ہے وہ اسی کی خلق کردہ اور اسی کی قدرت کے ساتھ وابستہ اور پروردگار عالم کی قیومیت کی وجہ سے قائم ہے، اس بنا پر ہر قدرت کا اصل اور ہر قوت کی منشا ذات باری تعالیٰ ہے، لہٰذا کوئی بھی چیز مستقل بنیادوں پر کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

قرآن مجید جہاں توحید افعالی کو بیان کررہا ہے اس مطلب کو مختلف عبارات کے ساتھ مسلمانوں کو سکھایا اور بتایا ہے کہ اصل نصرت ذات باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہے اس وجہ سے لوگوں تک صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت و مدد پہنچتی ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝[1]

ورنہ مدد تو ہمیشہ صرف خدائے عزیز وحکیم ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝[2]

اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست یا مددگار بھی نہیں ہے

خداوند عالم کا حکمت سے لبریز فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنی مدد کو مخلوقات کے رزق کی طرح مختلف وسیلوں اور اسباب کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے، قرآن مجید میں متعدد آیات کے ضمن میں مدد کے وسیلوں اور ان وسیلوں سے مدد حاصل کرنے کی تائید کی گئی ہے یہاں تک کہ بعض مقامات پر اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ہم یہاں ان آیات میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝[3]

---

[1] سورہ آل عمران آیت 126

[2] سورہ عنکبوت آیت 22

[3] سورہ انفال آیت 62

''اس نے آپ کی تائید، اپنی نصرت اور صاحبان ایمان کے ذریعہ کی ہے''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے مومنین کو مدد کے وسیلے کے طور پر معرفی فرمایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے مومن بندوں کے ذریعے تیری مدد کی۔

خداندعالم نے قرآن مجید کی سورہ حمد کے ضمن میں توحید عبادی اور توحید افعالی کو دو مختصر جملوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ روزانہ اپنی یومیہ نمازوں میں ان دو جملوں کا تکرار کریں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○[1]

''پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں''

صبر اور نماز سے مدد طلب کرنا

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہے: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ○[2] صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو''

اس آیت کریمہ میں موجود لفظ ''صبر'' اگر مالکیت نفس کے معنی میں ہو تو یہ انسان کی ایک روحانی کیفیت کا نام ہوگا۔ اور اگر یہ لفظ روزہ کے معنیٰ میں ہو تو، نیت کے ساتھ خود کو بعض چیزوں سے روکنے کا معنیٰ دے گا۔ نماز بھی نیت، اذکار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے جنہیں شریعت مقدس میں مقرر کیا گیا ہے۔ البتہ یہ بات تو واضح ہے کہ صبر اور نماز اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ دیگر اعمال کا نام ہے۔

کیا مذکورہ دونوں آیات میں اختلاف اور تضاد نہیں ہے؟

کیا فقط اللہ تعالی سے مدد طلب کرنا اور غیر خدا یعنی صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کے درمیان تضاد نہیں پایا جاتا ہے؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ مدد کا اصلی اور مستقل مالک صرف پروردگار عالم کی ذات بابرکات ہے اور صبر اور نماز فیض خدا تک رسائی کے لئے ایک وسیلہ ہیں۔

دوسرے الفاظ میں کہیں گے کہ چونکہ اللہ تعالی کا حتمی فیصلہ یہ ہے کہ تکوینی اور تشریعی فیوضات اور عنایات کسی وسیلے کے ذریعہ لوگوں تک پہنچیں، اس لئے پروردگار عالم نے صبر اور نماز کو مدد اور نصرت کیلئے واسطہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ

---

[1] سورہ فاتحہ آیت 4

[2] سورہ بقرہ آیت 45

وہ ان دو وسیلوں سے مدد طلب کریں۔لیکن جناب ابن تیمیہ کہتے ہیں: جو بھی مدد کے ذریعہ فائدہ اٹھانے کے لئے کسی کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دے اور اس وسیلے سے مدد طلب کرے وہ بہت بڑے شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔

دین اسلام نے پاک دل اور با فضیلت مومنوں کو اجازت دی ہے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ظالموں کو کمزور کرنے کیلئے لوگوں سے مدد طلب کریں اور ان کی مدد سے ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچائیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ○[1]

اور جب ان پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو اس کا بدلہ لے لیتے ہیں۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ○[2]

اور جو شخص بھی ظلم کے بعد بدلہ لے اس کے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام قَالَ: كُنْ لِلْمَظْلُوْمِ عَوْناً وَلِلظَّالِمِ خَصْماً.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہمیشہ مظلوم کے مددگا اور ظالم کے دشمن رہو۔[3]

مظلوم تنہا اپنا حق حاصل نہیں کرسکتا اور نہ وہ تنہا ظالم سے اپنا دفاع کر کے اسے سزا دے سکتا ہے، اسلئے وہ مجبوراً لوگوں کو مدد کے لئے بلاتا ہے ان سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ہو جائیں اور اس کے لئے شفیع بنیں، اس کی مدد کریں تا کہ وہ ان سب کی مدد سے ظالم کو شکست دے سکے۔اسلام ظالم اور ظلم کے خلاف جنگ کے لئے مظلوم کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ظلم اور ظالموں کو ختم کرنے کے لئے لوگوں سے مدد طلب کریں اسی طرح اسلام نے لوگوں پر بھی یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ مظلوم کی فریاد سنیں اور اس کی مدد کے لئے جائیں۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ قَالَ: مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يُنَادِيْ يَا لِلْمُسْلِمِيْنَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی کسی مظلوم کی آواز سنے کہ وہ مسلمانوں سے مدد طلب کر رہا ہے اور وہ اسے جواب نہ دے اس کی مدد کے لئے نہ جائے تو وہ مسلمان نہیں ہے''۔[4]

---

[1] سورہ شوریٰ آیت 39

[2] سورہ شوریٰ آیت 41

[3] فہرست غرر صفحہ 224

[4] کافی، جلد 2 صفحہ 164

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تحریر کے مطابق اگر کوئی مظلوم لوگوں کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دے کر ان سے مدد طلب کرے، ان کی نظر میں ایسا شخص شرک میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ اس نے بت پرستوں کی طرح غیر خدا کو اپنے لئے ولی اور شفیع بنالیا ہے۔

مریض کیلئے طبیب کا وسیلہ ہونا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے توحید افعالی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لئے چند صفات کو بیان کیا آپؑ فرماتے ہیں:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝[1]

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا بھی دیتا ہے''

تمام مومنین قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات پر عقیدہ رکھتے ہیں حقیقت میں شفا صرف خداوند عالم ہی عطا فرماتا ہے وہی مریضوں کو شفا عطا کر کے انہیں صحت و سلامتی کا جامہ پہناتا ہے لیکن چونکہ خداند عالم نے اس کائنات کا نظام علت و معلول کی بنیادوں پر بنایا ہے، اور ہر انسان فیض الٰہی کا طلبگار ہے، اس لئے ضروری ہے کہ شفا وسیلوں کے ذریعے سے حاصل کی جائے یعنی ان راستوں اور طریقوں کے ذریعے شفاء طلب کی جائے جنہیں پروردگار عالم نے مقرر فرمایا ہے مریضوں کو چاہیے کہ اپنے مرض کے علاج کے لئے طبیب کی طرف رجوع کریں اور علاج کے ذریعہ شفا کا فیض اپنے لئے حاصل کریں یہ بات اولیائے اسلام کی روایات میں مختلف تعبیروں کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

عَنْ عَلِيٍّ عليه السلام قَالَ: لِكُلِّ حَيٍّ دَاءٌ وَلِكُلِّ عِلَّةٍ دَوَاءٌ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہر زندہ موجود کے لئے مرض ہے اور ہر مرض کے لئے ایک دوا ہے''۔[2]

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ: إِنَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَرِضَ فَقَالَ لَا أَتَدَاوَى حَتَّى يَكُونَ الَّذِي أَمْرَضَنِي هُوَ الَّذِي يَشْفِينِي فَأَوْحَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ لَا أَشْفِيكَ حَتَّى تَتَدَاوَى فَإِنَّ الشِّفَاءَ مِنِّي وَالدَّوَاءَ مِنِّي فَجَعَلَ يَتَدَاوَى فَأَتَى الشِّفَاءُ.

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ایک پیغمبر مریض ہوئے تو کہنے لگے میں اس وقت تک اپنا علاج نہیں کراؤں گا جب تک جس خدا نے مجھے بیمار کیا ہے وہی (خدا) شفا نہ دے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر وحی نازل ہوئی کہ میں تجھے

---

[1] سورہ شعراء آیت 80

[2] فہرست غرر صفحہ 118

علاج کے بغیر شفانہیں دوں گا۔ کیونکہ شفا بھی میری طرف سے ہے اور دوا بھی میری طرف سے ہے، شفا حاصل کرنے کیلئے دوا کی طرف جانا ضروری ہے۔ اس نے بروقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور اپنا علاج معالجہ کیا جس کی وجہ سے وہ جلد ہی شفا یاب ہوگیا''۔[1]

مادی اور الٰہی انسان کی نگاہ میں طبیب ایک مناسب واسطہ اور لائق شفیع ہوتا ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ مادی انسان طبیب کو اپنے اور طبیعت کے درمیان واسطہ سمجھتا ہے اور الٰہی انسان طبیب کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ سمجھتا ہے۔ خدا پرست اور مومن مریض اپنے مرض سے نجات پانے کے لئے ماہر طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے جس کے پاس خداوند عالم کے تکوینی نظام کے قوانین کے بارے میں معلومات ہوتی ہے، وہ اس شفیع کو جسے اذن شفاعت حاصل ہے اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ قرار دیتا ہے تا کہ اس کے حکم پر عمل کر کے اپنا علاج کر کے شفائے الٰہی حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے نادان مشرکوں کو اس وجہ سے رد کیا کہ وہ اپنی طرف سے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے تھے، وہ جمادات کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے اور ان معبودوں سے شفاعت طلب کرتے تھے جو نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتے اور نہ ہو کوئی نقصان دے سکتے۔ مومن اور مؤحد لوگ کبھی بھی بت پرستوں کی طرح احمقانہ کام انجام نہیں دیتے وہ فال گیر، جادوگر، رمال اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کو اپنی شفا کے لئے شفیع نہیں مانتے بلکہ پڑھے، لکھے اور ماہر طبیب سے اپنے مرض کا علاج طلب کر کے اسے اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہیں۔

کیا شفا حاصل کرنے کے لئے ماہر طبیب سے شفاعت طلب کرنا مشرکین کی بتوں سے شفا طلب کرنے کی طرح ہے؟

جس مریض نے اپنے علاج کے لئے طبیب کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ مقرر کیا ہے کیا وہ اپنے اس عمل سے مشرک بن جاتا ہے؟

کیا کائنات کی تمام ہسپتالیں شرک اور بت پرستی کے مراکز ہیں؟

اور کیا تمام مؤحد اور مومن مریض جو اپنی بیماری کے علاج کیلئے ان ہسپتالوں میں داخل ہیں، سب بت خانوں میں ہیں۔

متأسفانہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تحریر اسی خلاف شریعت اور خلاف علم مطلب پر مشتمل ہے ان دونوں کی تحریروں نے اسلامی ممالک میں آج تک بہت فساد پھیلایا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان دشمنیاں ہوگئی ہیں اور یہ

---

[1] مکارم اخلاق صفحہ 198

دونوں مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام میں واسطے اور شفیع کے بارے میں مذکورہ مطالب پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ اب ہم دنیا میں ہدایت تشریعی کے لئے شفاعت اور آخرت میں گناہوں کی مغفرت کے لئے شفاعت کے بارے میں بحث و گفتگو بیان کریں گے۔

مسئلہ ہدایت

ابن تیمیہ نے جو تیسری مثال اپنے کلام کے ضمن میں بیان کی ہے ہدایت کا مسئلہ ہے۔ راغب مفردات میں کہتے ہیں:

اَلْھِدَایَۃُ دَلَالَۃٌ بِلُطْفٍ.

یعنی: ہدایت کا معنیٰ لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی ہے۔ ہادی اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے اور ہدایت ذات باری تعالیٰ کے لئے مناسب ہے قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی ○[1]

''بیشک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے''

ہدایت تکوینی

حکیم پروردگار تمام موجودات کے لئے ہدایت تکوینی اور انسانوں کی ہدایت تشریعی کا ذمہ دار ہے۔ تمام موجودات کی ہدایت تکوینی حکم پروردگار سے ان کے وجود میں پائی جاتی ہے، اور وہ موجود طبیعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بہرہ مند ہوتا ہے درخت ہدایت تکوینی کے ذریعے زمین اور ہوا سے لازمی مواد حاصل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ میوہ جات پیدا ہوتے ہیں چیونٹی اور شہد کی مکھی ہدایت تکوینی کے ذریعے اپنے لئے گھونسلہ اور چھتہ بنا کر اپنی منظم زندگی کو جاری رکھتے ہیں۔ معدہ، ہدایت تکوینی کے ذریعہ غذا ہضم کرتا ہے، رحم، ہدایت تکوینی کے ذریعے اپنے اندر بچے کی پرورش کرتا ہے اور پستان ہدایت تکوینی کے ذریعے بچے کے لئے دودھ فراہم کرتے ہیں۔

ہدایت تشریعی

ہدایت تشریعی جو صراط مستقیم اور انسان کے کمال تک رسائی کا پروگرام ہے، ہدایت تشریعی تعلیم اور قوانین کے اس

[1] سورہ اللیل آیت 12

مجموعہ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف ادوار میں مختلف اقوام اور ملل تک پہنچتے رہے انبیاء کرام اس تعلیمات کے پہنچانے اور اپنی قوم کی ہدایت پر مامور تھے۔

إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝[1]

''تم صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی اور رہبر ہے''

در این رہ انبیاء چون سار بانند

دلیل و رہنمای کاروانند

وز ایشان سید ما گشتہ سالار

ہم او اول او آخر در این کار

جمالِ جان فزایش شمع جمع است

مقام دلگشایش جمع جمع است

شدہ او پیش و دل ہا جملہ در پی

گرفتہ دست دل ہا دامن وی

ترجمہ:

اس راہ میں انبیاء کرام رہنما ہیں کارواں کے لئے دلیل اور رہبر ہیں۔ ہمارے سید (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان تمام انبیاء کے سپہ سالار ہیں، اس کام میں آپؐ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ ان کا نور سب کیلیے شمع ہے، ان کی ذات میں تمام کمالات جمع ہیں۔

وہ آگے ہوئے اور تمام دلیں

ان کے پیچھے ہوئیں

دلوں کے ہاتھوں نے آپؐ کے

دامن کو تھام لیا

لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کا وسیلہ ہونا اور لوگوں کا انبیاء کرام کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی وجہ

[1] سورہ رعد آیت 7

سے تھا، یعنی انبیاء کرام میں سے ہر نبی اپنی قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مامور تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝[1]

اور ہم نے کسی رسول کو بھی نہیں بھیجا ہے مگر صرف اس لئے کہ حکمِ خدا سے اس کی اطاعت کی جائے۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ بھی دیگر انبیاء کرام کی طرح خداوند عالم کی طرف سے لوگوں کو بشارت دینے اور ڈرانے پر مامور تھے، آپؐ کا فریضہ تھا کہ آپؐ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں اور پروردگار کے حکم اور اجازت سے آپؐ پروردگار کی ہدایت تشریعی اور لوگوں کو صراط مستقیم دکھانے پر مامور تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝[2]

اے پیغمبر ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے

کیا واقعاً انبیاء خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہیں؟

سب سے پہلے یہ بات ثابت کرنی ہوگی کہ واقعاً انبیاء کرامؑ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے لوگوں کی تشریعی ہدایت کے لئے شفیع ہیں وہ اپنی قوم کو اطمینان دلانے کے لئے ان پر آیات کی تلاوت کرتے تھے اور خداوند عالم کی اجازت سے بعض مواقع میں فیض تکوینی کے لئے واسطہ ہوتے تھے۔ قرآن مجید کی بعض آیات میں عمومی طور پر تمام انبیاء کرام کے لئے اذن کا حکم بیان ہوا ہے اور بعض آیات میں ان میں سے مخصوص افراد کے لئے اذن موجود ہے۔ تمام انبیاء کے سلسلے میں ارشاد قدرت ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝[3]

''اور کسی رسول کے امکان میں یہ بات نہیں ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ

---

[1] سورہ نساء آیت 64

[2] سورہ احزاب آیت 45، 46

[3] غافر آیت 78

فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۝[1]

''میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناؤں گا اور اس میں کچھ دم کروں گا۔ تو وہ حکم خدا سے پرندہ بن جائے گا، اور میں پیدائشی اندھے اور مبروص کا علاج کروں گا اور حکم خدا سے مردوں کو زندہ کروں گا''۔

عقل

جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام خالق اور مخلوق کے درمیان اذن یافتہ شفیع ہوتے ہیں اور ان کے وسیلے سے ہدایت تشریعی کا فیض لوگوں تک پہنچتا ہے، عقل بھی اسی طرح انبیاء کرام اور لوگوں کے درمیان اذن یافتہ شفیع ہے۔ یعنی خالق اکبر نے اپنی شریف ترین مخلوق عقل کو اس طرح خلق فرمایا ہے کہ اگر اسے اچھے طریقہ سے استعمال کیا جائے تو یہ سیدھے راستے کو بھٹکنے سے اور حق کو باطل سے جدا کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شریف مخلوق کو انسان کے اندر رکھا ہے اور اسے انسانوں اور انبیاء کرام کے درمیان ایمان اور ہدایت تشریعی دونوں کے لئے شفیع مقرر فرمایا ہے۔

اگر کوئی انسان عقل سے استفادہ کرے اور اس شفیع سے شفاعت حاصل کرے تو ہدایت الٰہی حاصل کر لے گا اور اس عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر ایمان لے آئے گا۔ لیکن اگر وہ عقل سے استفادہ نہ کرے اور اس شفیع سے شفاعت طلب نہ کرے تو وہ غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے ایمان کی سعادت سے ہرگز مشرف نہیں ہوگا جس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لئے ضلالت اور گمراہی کا شکار رہے گا یہ بات قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝[2]

اور کسی نفس کے امکان میں نہیں ہے کہ بغیر اجازت وتوفیق پروردگار کے ایمان لے آئے اور وہ ان لوگوں پر خباثت کو لازم قرار دے دیتا ہے جو عقل استعمال نہیں کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غور وفکر نہ کرنے کو جو کہ گمراہی اور ضلالت کا باعث ہے اپنے اذن کے مقابلہ میں قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد مخصوص اور لوگوں کے درمیان تبعیض والا اذن نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اذن تکوینی یعنی حق کو باطل سے جدا کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے عقل میں ڈال دیا ہے لہٰذا جو لوگ آزادانہ طور پر اپنے ارادہ اور اختیار سے سوچتے ہیں اذن پروردگار سے ان پر حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے اور وہ خالق کائنات پر ایمان لاتے

---

[1] سورہ آل عمران آیت 49

[2] سورہ یونس آیت 100

ہیں۔لیکن جولوگ عقل کے ذریعہ غوروفکرنہیں کرتے وہ حقیقت سے کبھی بھی آشنانہیں ہوتے جس کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ جہالت اور گمراہی میں رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی انسانوں پردوعظیم حجتیں

ہدایت تشریعی تک رسائی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور عقل انبیاء کرام علیہم السلام اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہے۔بعبارت دیگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت تشریعی کا فیض دو اذن یافتہ شفیعوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچتا ہے۔ایک شفیع پیغمبر خدا اور دوسرا شفیع عقل ہے۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان دونوں وسیلوں کو اللہ تعالیٰ کی داخلی اور خارجی حجت کا نام دیا ہے ایک حدیث میں آپ نے دونوں حجتوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے۔

يَا هَشَّامُ اِنَّ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجَّتَيْنِ حُجَّةٌ ظَاهِرَةٌ وَ حُجَّةٌ بَاطِنَةٌ فَاَمَّا الظَّاهِرَةُ فَالرُّسُلُ وَالْاَنْبِيَاءُ وَالْاَئِمَّةُ وَاَمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُوْلُ.

''اے ہشام! اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر دوطرح کی حجتیں ہیں ایک ظاہری حجت اور دوسری باطنی حجت،ظاہری حجت رسل،انبیاء اور ائمہ (طاہرین علیہم السلام) ہیں اور باطنی حجت لوگوں کے عقول ہیں''۔[1]

مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکیم پروردگار نے اس کائنات کا نظام علت اور معلول کی بنیادوں پر مقرر فرمایا ہے اور خداوند عالم کا تمام تکوینی فیض مثلاً: رزق،مخلوقات کی مدد،مریضوں کی شفا اور اس طرح دیگر فیض وسیلوں اور اسباب کے ذریعے لوگوں تک پہنچتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ہدایت تشریعی بھی اسی طرح ہے اور وہ بھی اس کی تکوینی عنایات کی طرح وسیلوں یعنی انبیاء اور خداوند عالم کی دیگر حجتوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچتی ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں انبیاء کو منتخب فرما کر انہیں یہ ماموریت دی کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کا راستہ پیش کر کے ان کی ابدی سعادت کی طرف رہنمائی کریں۔عالم آخرت میں بھی علت ومعلول پر مشتمل یہ حکیمانہ نظام قائم ہوگا۔

کیا قیامت میں شفاعت کے لئے رضائے الٰہی بھی ضروری ہے؟

پروردگار عالم کی طرف سے اذن یافتہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے ذریعہ خداوند عالم کی مغفرت گناہگاروں کے شامل حال ہوگی،البتہ صرف وہ گناہگار شفاعت سے فائدہ اٹھائیں گے جن میں خاص شرائط موجود ہوں گی،

---

[1] تحف العقول صفحہ 386

مثلاً مغفرت تک رسائی اور شفاعت کے حصول کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تمام شفیع خواہ وہ انبیاء الٰہی ہوں، اولیاء خدا ہوں یا ملائکہ ہوں سب ان کی شفاعت کریں گے جن کی مغفرت اور گناہوں کی بخشش پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ کیونکہ پروردگار عالم کی رضائیت کے بغیر شفیعوں کا وسیلہ بننا بے اثر ہے، بعبارت دیگر قیامت میں نہ صرف شفیع کے لئے خداوند عالم کی اجازت ضروری ہے بلکہ مشفوع لہ (جس کی شفاعت کی جارہی ہو) اس کے لئے بھی خداوند عالم کی رضا وخشنودی ضروری ہے تاکہ اس کے لئے شفاعت مفید ثابت ہوسکے، یہ بات مختلف تعبیروں سے قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ. [۱]

"اور فرشتے کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اسکو پسند کرے"

عَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى اللهُ دِينَهُ.

حضرت امام رضا علیہ السلام نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: "شفاعت صرف اس کی ہوگی جس کے دین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا"۔ [۲]

اگر خدای نباشد ز بندہ ای خشنود

شفاعت ہمہ پیغمبران ندارد سود

ترجمہ:

"اگر کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ راضی وخشنود نہ ہو تو اس کو تمام پیغمبروں کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی"

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۝ [۳]

"اس کے یہاں کسی کی سفارش بھی کام آنے والی نہیں ہے مگر وہ جس کو وہ خود اجازت دے دے"

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ [۴]

اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دے دی ہو اور وہ ان کی بات سے

---

[۱] سورہ انبیاء آیت 28

[۲] بحار، جلد 3 صفحہ 299

[۳] سورہ سبا، آیت 23

[۴] سورہ طہ آیت 109

راضی ہو۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّأْذَنَ اللهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○[۱]

اورآسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کام نہیں آسکتی ہے جب تک خدا جس کے بارے میں چاہے اوراسے پسند کرے اجازت نہ دے دے۔

آخرت میں گناہوں سے مغفرت

انبیاء کرام فیض تشریعی کو پہچانے کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے اذن یافتہ شفیع ہیں، یہ دنیا میں ہدایت کے لئے شفیع ہیں اور لوگوں کے سامنے راہ سعادت پیش کرتے ہیں اور آخرت میں مغفرت کے شفیع ہیں اور گناہ گاروں کو مغفرت الٰہی سے مستفید کرتے ہیں۔ یہاں ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ آخرت میں مغفرت کی شفاعت اسے حاصل ہوگی جو دنیا میں ہدایت کی شفاعت سے منور ہو چکے ہوں گے۔ جو انبیاء کرام کے آسمانی آئین پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کی امت میں شامل ہوں نیز ان کا اپنے نبی کے ساتھ معنوی اور روحانی رابطہ بھی ہو۔

وہ لوگ اس کے برعکس ہیں جو اپنے زمانہ کے نبی کی دعوت کی پرواہ نہ کرتے ہوں اور جنہوں نے ہدایت کی شفاعت سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہ کیا ہو یا جو ان سے بغض رکھتے ہوں اور ان کے ساتھ دشمنی سے پیش آتے ہوں۔ کیونکہ ایسے افراد کا انبیاء کرام کے ساتھ کوئی ایسا رابطہ نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سے وہ آخرت میں ان کی مغفرت کی شفاعت میں شامل ہوسکیں۔ یہ بات بہت سی روایات کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام قَالَ: اِسْتَجِيْبُوْا لِاَنْبِيَاءِ اللهِ وَ سَلِّمُوْا لِاَمْرِهِمْ وَاعْمَلُوْا بِطَاعَتِهِمْ تَدْخُلُوْا فِيْ شَفَاعَتِهِمْ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

”انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرو، ان کے امر کے سامنے تسلیم ہوجاؤ، ان کے احکام پر عمل کروتا کہ تم بھی ان کی شفاعت میں شامل ہوسکو“۔[۲]

عَنِ الْكَاظِمِ عَلَيْهِ السَّلَام عَنْ آبَائِهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ قَالَ: اِنَّمَا

---

[۱] سورہ النجم آیت 26

[۲] فہرست غرر، صفحہ 176

شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ.

حضرت امام موسی ابن جعفر علیہم السلام نے اپنے آباء واجداد سے اورانہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''قیامت میں میری شفاعت میری امت کے گناہگاروں کے شامل حال ہوگی''۔[1]

اس حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''امتی'' کا لفظ بیان کر کے یہ اعلان فرمایا ہے کہ قیامت میں میری شفاعت اسے نصیب ہوگی جو دنیا میں اسلام کے ساتھ وابستہ رہا ہوگا، میری امت میں سے ہوگا اور ہدایت کی شفاعت میں شامل رہا ہوگا۔

پیامبر کسی را شفاعت گر است
که برجاده شرع پیغمبر است

ترجمہ:

''پیغمبر اس کی شفاعت فرمائیں گے جو پیغمبر کی شریعت پر قائم رہا ہو''

علماء کرام کی شفاعت

شفیع اور مشفوع لہ کے درمیان معنوی رابطہ نہ صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی شفاعت کے لئے بنیادی شرط ہے بلکہ بعض روایات کے مطابق قیامت میں علمائے اسلام کی شفاعت بھی ان کے علمی معیار اور اخلاقی تربیت کی وجہ سے عالم اور ان کے پیروکاروں کے درمیان برقرار رہے گی۔

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ: اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بَعَثَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الْعَالِمَ وَالْعَابِدَ فَاِذَا اُوْقِفَا بَيْنَ يَدَى اللهِ قِيْلَ لِلْعَابِدِ اِنْطَلِقْ اِلَى الْجَنَّةِ وَقِيْلَ لِلْعَالِمِ قِفْ فَشَفَعَ لِلنَّاسِ بِحُسْنِ تَأْدِيْبِكَ لَهُمْ.

امام صادقؑ نے فرمایا: ''جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ عالم اور عابد کو زندہ کرے گا اور دونوں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ عابد سے کہا جائے گا تم بہشت میں جاؤ۔ اور عالم سے کہا جائے گا ٹھہر جاؤ، اور جن لوگوں کی تم نے حسن

[1] تفسیر صافی صفحہ 352

ادب اور حسن اخلاق کے ذریعہ تربیت کی تھی، ان کی شفاعت کرو"۔ [1]

قرآن مجید ایک عظیم شفیع

اولیاء خدا کی متعدد روایات کے مطابق قیامت میں ایک عظیم شفیع جس کی شفاعت بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگی قرآن مجید ہے امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں اس عظیم اور بابرکت کتاب کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاعْلَمُوا اِنَّهُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَ قَائِلٌ مُصَدَّقٌ وَ اِنَّهُ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْآنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُفِّعَ فِيْهِ وَمَنْ مَحَلَّ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُدِّقَ عَلَيْهِ.

"جان لو کہ قرآن ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا گفتگو کرنے والا ہے جس کی گفتگو مورد تصدیق ہے قیامت میں قرآن مجید جس کی بھی شفاعت کرے گا اس (قرآن مجید) کی شفاعت قبول کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس مشفوع لہ کے گناہوں کو معاف کردے گا اور جس کی (قرآن) شکایت کرے گا تو اس کی شکایت کو بھی قبول کیا جائے گا اور وہ موثر ثابت ہوگی"۔ [2]

قرآن مجید بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دنیا میں ہدایت کا شفیع ہے اور آخرت میں شفاعت کے لئے شفیع ہے۔ قیامت کے دن یہ آسمانی کتاب اس گناہ گار مسلمان کی شفاعت کرے گا جس کا دنیا میں قرآن کے ساتھ معنوی رابطہ ہوگا۔ جس نے اس کی ہدایت کی شفاعت سے فائدہ حاصل کیا ہوگا اور عملی طور پر جس نے اس کی پیروی کی ہوگی۔ لیکن جس مسلمان نے قرآن کو ہدایت کے لئے شفیع نہ بنایا ہوگا، بلکہ قرآن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہوگا اور اپنے عمل و کردار کے لئے اس سے فائدہ حاصل نہ کیا ہوگا قرآن مجید ایسے شخص کی نہ صرف شفاعت نہیں کرے گا بلکہ بارگاہ الٰہی میں اس کی شکایت بھی کرے گا جس کی وجہ سے وہ شخص جہنم کی طرف روانہ ہوجائے گا۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ قَالَ: اِذَا الْتَبَسَتْ عَلَيْكُمُ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ فَعَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَ مَاحِلٌ مُصَدَّقٌ وَمَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَهُ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارا سامنا فتنوں اور رات کی تاریکی کی طرح ناآشنا واقعات کے ساتھ ہو تو تم قرآن کی پنا میں چلے جاؤ اور اس سے رہنمائی طلب کرو کیونکہ یہ آسمانی کتاب قابل قبول شفیع ہے جو بھی قرآن کو اپنا رہنما بنائے

[1] لئالی الاخبار صفحہ 186
[2] نہج البلاغہ خطبہ 176

اوراس کی پیروی کرے وہ اسے بہشت میں لے جائے گا اور جو قرآن کو پس پشت کردے اوراس سے ہدایت نہ لے تو اس کا یہ عمل اسے جہنم میں لے جائے گا''۔ [۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گناہگاروں کی شفاعت کرنا

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار یعنی وہ لوگ جو دنیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت میں شامل ہوئے وہ دوطرح کے افراد ہیں:

گروہ اول:

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ، روز قیامت اور دین کے دیگر اصول وفروع پر ایمان رکھتے ہیں، جو اپنے قول سے بھی مسلمان ہوں اوران کے اعمال بھی تعلیمات اسلام کے مطابق ہوں اور اگر ان سے اتفاقاً کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ بہت زیادہ پشیمان ہوکر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرلیتے ہیں اوراپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔

گروہ دوم:

وہ لوگ جو دین کے تمام اصول وفروع پر ایمان تو رکھتے ہوں لیکن گناہوں میں آلودہ ہوں اپنی نفسانی خواہشات میں مبتلا ہوں، اورکم وبیش گناہان کبیرہ کے بھی مرتکب ہوتے ہوں، قیامت میں اس گروہ کا نامہ اعمال گناہوں سے آلودہ ہوگا۔ عامہ اورخاصہ کی روایات کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت کی شفاعت قیامت کے دن اسی گروہ کے شامل حال ہوگی۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ.

جابرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ؐنے فرمایا:

''قیامت میں میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہوں نے گناہان کبیرہ انجام دیئے ہوں گے''۔ [۲]

ما ــــب ــــ امیــد توایم ای پیشوا

---

[۱] کافی جلد 2 صفحہ 599
[۲] تفسیر درمنثور جلد 4 صفحہ 317

کہ بہ نگزاری تو مارا درعنا
چون بیارایند روز مشرتخت
خود شفیع ماتوبی آن روز سخت
در چنان روز و شب بی زینہار
ما بہ اکرام تو ایم امیدوار
دست ما و دامن تو است آن زمان
کہ نماند ہیچ مجرم را امان

ترجمہ:

اے رہبرورہنما ہم صرف آپ ہی پر امید رکھتے ہیں ہمیں مشکلات میں تنہا نہ چھوڑنا۔

جب قیامت کے دن تخت سنوارا جائے گا۔اس سخت دن میں آپؐ ہی ہماری شفاعت فرمائیں گے

ایسے روز وشب جن میں کوئی بھی کسی کے کام نہیں آئے گا ہم آپؐ کے کرم کے امیدوار ہوں گے جس دن کوئی بھی مجرم امان میں نہیں ہوگا اس دن ہمارا ہاتھ آپؐ کے دامن میں ہوگا۔اس وقت ہمارا ہاتھ آپؐ ہی کے دامن پر ہوگا کیونکہ اس دن کوئی بھی مجرم امان میں نہیں ہوگا۔

وَ عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ قَالَ: اِنَّمَا شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ فَاَمَّا الْمُحْسِنُوْنَ فَمَا عَلَيْهِمْ.

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:''قیامت میں میری شفاعت میری امت کے ان افراد کے شامل حال ہوگی جن کے پاس گناہان کبیرہ ہوں گے لیکن پاک اور نیک لوگوں کا نہ مواخذہ ہوگا اور نہ ہی ان کی سرزنش ہوگی''۔[1]

اس روایت سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت،خود سعادت ابدی کا باعث ہے۔ اگر کوئی مسلمان جس طرح ہونا چاہیے ہدایت سے استفادہ کرے،فرائض الٰہی انجام دے،محرمات کو ترک کردے اور اپنی اصلاح کرے تو وہ قیامت کے دن پاک اور روشن نامہ اعمال کے ساتھ محشر میں آئے گا،رحمت الٰہی پر فائز ہوگا اور اسے بہشت برین کی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔یہ گناہوں سے آلودہ لوگ ہیں جو دنیا میں گناہان کبیرہ انجام دیتے ہیں اور قیامت

---

[1] امالی صدوق صفحہ 5

میں ان کا مواخذہ کیا جائے گا، اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے نتیجہ میں مغفرت خداوندی میں شامل ہوں گے اور ان کے گناہوں کو معاف ہوں گے۔

گفت پیغمبرؐ کہ روز رستخیز
کی گذارم مجرمان را اشک ریز
من شفیع عاصیان باشم بہ جان
تا رہانمشان ز اشکنجہ گران
عاصیان و اہل کبایر را بجہد
وارہانم از عتاب و نقض عہد
صالحان امتم خود فارغند
از شفاعت ھای من روز گزند
بلکہ ایشان را شفاعت ہا بود
گفتشان چون حکم نافذی رود

ترجمہ:

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں کیسے مجرموں کو آنسوں بہاتا چھوڑوں گا میں گناہگاروں کو شکنجوں سے آزاد کرانے تک ان کا شفیع رہوں گا میں اپنی امت کے عاصی اور گناہان کبیرہ میں مرتکب افراد کو جنہوں نے عہد شکنی کی تھی نجات دلاؤں گا۔ اس خوفناک دن میں میری امت کے صالح اور نیک افراد فارغ ہوں گے۔ بلکہ یہ خود شفاعت کریں گے، ان کا قول نافذ العمل حکم کی طرح ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ: اِنَّ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اَلشَّفَاعَةَ فِیْ اُمَّتِهٖ وَ لَنَا الشَّفَاعَةُ فِیْ شِيْعَتِنَا.

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے امت کی شفاعت کرنا ہے اور ہمارے لئے ہمارے شیعوں کی شفاعت کرنا ہے''۔

قیامت میں اولیاء، شہداء اور صالح مومنین کی شفاعت

روایات کے مطابق مذکورہ شفیعون کے علاوہ اولیاء کرام شہداء، مومن اور نیک لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے قیامت میں گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ قَالَ : ثَلَاثَةٌ يَشْفَعُونَ إِلَى اللهِ عَزَّوَ جَلَّ فَيُشَفَّعُونَ: اَلْاَنْبِيَاءُ وَ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور تین گروہ شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت بھی قبول کی جائے گی۔

اول: انبیاء کرام **دوم:** علمائے کرام، **سوم:** راہ خدا کے شہداء۔[1]

وَ عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ قَالَ: اِنَّ اُمَّتِي مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِ اَكْثَرُ مِنْ مُضَرَ.

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک میری امت میں وہ بھی ہے جس کی شفاعت کی وجہ سے ”قبیلہ مضریہ“ سے زیادہ لوگ بہشت میں جائیں گے“۔[2]

قیامت میں قتل حسین علیہ السلام پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گریہ

قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن یافتہ شفیعوں کی شفاعت کا مسئلہ دین کے مہم مسائل میں سے ہے، قرآن و سنت میں اس سلسلے میں بہت سی آیات اور احادیث موجود ہیں، ہم نے اس فصل میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں البتہ روایات میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جہاں بہت سے عظیم مقام و منزلت کے حامل شفیع موجود ہوں گے وہیں اسلام کی عظیم خاتون حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنی مخصوص خصوصیات اور بہت وسیع شفاعت کے ساتھ موجود ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عظیم سعادت اور انعام ان کی زندگی میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے ان پر ہونے والے مصائب و آلام کی وجہ سے عطا فرمایا ہے۔ احادیث اور روایات کے مطابق قیامت میں ان دو بزرگوں کے تشریف لانے سے ہر طرف غم پھیل جائے گا۔ اور وہاں ہر کوئی غم زدہ نظر آئے گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت عظمیٰ کے بعد حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پیش

---

[1] محجۃ البیضاء، جلد اول صفحہ 253 نقل از مسند احمد
[2] محجۃ البیضاء، جلد اول صفحہ 253 نقل از مسند احمد

آنے والے مصائب وآلام اس قدر مہم تھے کہ خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی زندگی میں ہی ان تمام حوادث سے آگاہ فرما دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پہلے ہی اہلبیت اطہارؑ اور بہت سے مسلمانوں کے سامنے ان حوادث کا تذکرہ فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت میں حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے تشریف لانے کی کیفیت کو اپنی حیات طیبہ میں ہی بیان کر دیا ہم یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو احادیث اور امام صادق علیہ السلام کی ایک حدیث کو بیان کر رہے ہیں

عَنِ الرِّضَا علیہ السلام قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ: تُحْشَرُ اِبْنَتِيْ فَاطِمَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَعَهَا ثِيَابٌ مَصْبُوْغَةٌ بِالدَّمِ فَتَعَلَّقُ بِقَائِمَةِ الْعَرْشِ فَتَقُوْلُ يَا عَدْلُ اِحْكُمْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ قَاتِلِ وَلَدِيْ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ فَيَحْكُمُ اللهُ تَعَالٰى لِابْنَتِيْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ.

حضرت امام رضا علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہؑ جب قیامت میں محشور ہونگی تو ان کے ہاتھ میں خون آلود لباس ہوگا اور وہ عرش الٰہی کے ایک ستون کو پکڑ کر کہیں گی: اے عدل والے خدا میرے اور جس نے میرے فرزند کو قتل کیا ہے اس کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! اللہ تعالیٰ میری بیٹی کے لئے فیصلہ کرے گا۔ [۱]

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام اِنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ يُمَثَّلُ لِفَاطِمَةَ رَأْسُ الْحُسَيْنِ مُتَشَحِّطاً بِدَمِهِ فَتَصِيْحُ وَا وَلَدَاهُ وَا ثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ فَتَصْعَقُ الْمَلَائِكَةُ لِصَيْحَةِ فَاطِمَةَ وَيُنَادُوْنَ اَهْلُ الْقِيَامَةِ قَتَلَ اللهُ قَاتِلَ وَلَدِكِ يَا فَاطِمَةُ.

حضرت علی علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون آلود سر فاطمہ زہراء علیہا السلام کے سامنے تمثیل ہوگا حضرت زہراء علیہا السلام اسے دیکھ کر فریاد کریں گی اور کہیں گی: ہائے افسوس میرے فرزند، ہائے افسوس میرے دل کا میوہ۔ حضرت زہراءؑ کی فریاد سن کر سب حیران و پریشان ہو جائیں گے۔ اور اہل قیامت اتنے متاثر ہوں گے کہ کہنے لگیں گے اے فاطمہؑ تیرے فرزند کو قتل کرنے والے کو خدا موت دے۔ [۲]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جب قیامت کا دن آئے گا اور اولین وآخرین تمام مخلوقات محشر میں جمع

---

[۱] لئالی الاخبار صفحہ 411

[۲] لئالی الاخبار صفحہ 410

ہوگی تو منادی لوگوں کو ندا دے گا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو اور اپنے سر جھکالو تا کہ حضرت فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراط سے عبور کریں۔

فَتَأْتِيْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ عَلٰى نَجِيْبٍ مِنْ نُجُبِ الْجَنَّةِ يُشَيِّعُهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ فَتَقِفُ مُوْقِفاً شَرِيْفاً مِنْ مَوَاقِفِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَنْزِلُ عَنْ نَجِيْبِهَا فَتَأْخُذُ قَمِيْصَ الْحُسَيْنِ علیہ السلام بِيَدِهَا مُضَمَّخاً بِدَمِهٖ وَتَقُوْلُ يَارَبِّ هٰذَا قَمِيْصُ وَلَدِيْ قَدْ عَلِمْتَ مَا صُنِعَ بِهٖ.

اتنے میں حضرت زہراءؑ تشریف لائیں گی، آپؑ اس وقت بہشتی سواری پر ہوں گی اور ستر ہزار ملائکہ آپؑ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ اچانک آپؑ مواقف قیامت میں سے ایک موقف پر ٹھہر کر اپنی سواری سے اتریں گی، حسینؑ کی خون آلود قمیص اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر فرمائیں گی: خداوندا! یہ میرے فرزند کی قمیص ہے اور تو جانتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا گیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں داد و فریاد کریں گی۔[1]

---

[1] امالی شیخ مفید صفحہ 130

آٹھویں فصل

جنت اور جہنم

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ [1]

اور جس دن جنّت پرہیزگاروں سے قریب تر کردی جائے گی اور جہنّم کو گمراہوں کے سامنے کردیا جائے گا اور جہنّمیوں سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔

معاد کی بحث میں سب سے زیادہ پیچیدہ بحث جنت اور جہنم کا مسئلہ ہے۔اس موضوع پر بہت سے سوال ہوتے ہیں۔قرآن مجید کی بہت سی آیات میں آخرت کے بارے میں بیان ہوا ہے اور متعدد مقامات پر مختلف الفاظ سے نیک اور پاک انسانوں کے ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت اور گنہگار اور بدبخت لوگوں کی جگہ جہنم کے متعلق بھی بہت سی آیات کا نزول ہوا ہے۔مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جنت اور دوزخ معاد کی اصل اور دین اسلام کی ضروریات میں سے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے آج تک مسلمان مسلسل جنت اور جہنم کے بارے میں غور وفکر کرتے آرہے ہیں۔بہت سے مسلمانوں نے اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے سوالات بھی پوچھے اور انہوں نے ان کے جوابات بھی ارشاد فرمائے۔تفسیر اور حدیث کے علماء نے جنت اور جہنم سے مربوط سوالات کے بارے میں بحث کی ہے اور اس سے متعلق بہت سے احتمالات بھی ذکر کئے ہیں۔

قیامت پر ہونے والے اعتراضات

اسی طرح اسلام سے وابستہ فلسفیوں اور متکلمین نے مختلف ادوار میں بہشت اور جہنم سے متعلق سوالات بیان کرکے مختلف نظریات کے مطابق ان کے جوابات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ہم یہاں صرف دو سوالات کے بارے میں بحث کریں گے جن کا شمار قابل دقت اور غور وفکر سوالات میں ہوتا ہے۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 90، 91، 92۔

اول:

کیا جنت وجہنم کو خلق کیا جاچکا ہے اور وہ اس وقت اس کائنات میں موجود ہیں؟ یا عالم آخرت میں انہیں خلق کیا جائے گا؟

دوم:

اگر جنت اور جہنم خلق ہو چکے ہیں، تو جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشت کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت اپنی اس عظیم وسعت کے ساتھ کائنات میں کس جگہ پر واقع ہے؟

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ○[1]

"تم سب اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جسے ان لوگوں کے لئے مہیا کیا گیا ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے ہیں"

ماضی میں اسلام سے وابستہ بعض فلسفی اور متکلمین ان دونوں سوالات کے جواب کے لئے بہت پریشان ہوئے کیونکہ ایک طرف تو ان کی اسلام سے محبت تھی اس لئے وہ چاہتے تھے کہ مطالب کو اس طرح بیان کیا جائے کہ وہ قرآن وسنت کے ساتھ وابستہ ہوں۔ اور دوسری جانب وہ کائنات کی ہیئت اور کیفیت کے بارے میں خود سے پہلے فلسفیوں کے نظریات کے بھی پابند رہنا چاہتے تھے اور ان سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے۔

اس وجہ سے وہ ہمیشہ سوالات کے جواب میں گذشتہ فلسفیوں کے نظریات کی رعایت کرتے تھے اور اس سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتے تھے۔ گویا انہیں یقین تھا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں اسی طرح اس کائنات کو خلق کیا گیا ہے اور کائنات کا حقیقی نقشہ جسے خداوند عالم نے بنایا ہے بالکل اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے اس کے بارے میں سمجھا تھا۔ ان کی ان باتوں کی وجہ سے وہ اپنے اقوال اور افکار میں حقیقت کو نہ پایا اور صحیح راستہ ترک کرکے ان کی غلط اور غیر قابل قبول باتوں کو تسلیم کرلیا اب قارئین کرام کی مزید آگاہی کے لئے مختصر وضاحت بیان کی جارہی ہے۔

حشر جسمانی کے بارے میں صدرالمتالهین کا نظریہ

مرحوم صدرالمتالهین حکیم شیرازی نے کتاب اسفار میں معاد سے مربوط ایک فصل کے ضمن میں حشر جسمانی کے

[1] سورہ حدید آیت 21

شکوک اور شبہات کی وضاحت بیان کی ہے اور ان میں سے ہر ایک کا جواب دیا ہے، جنت اور جہنم کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

ومنها ان الجنة والنار اذا كانتا موجودتين فاين مكانهما وفى اى جهة من جهات العالم حصولهما فان كان حصولهما او حصول احد مافوق محدد الجهات فيلزم ان يكون فى اللامكان وفى اللاجهة وان كان فى داخل طبقات السموات والارض او فيما بين طبقة و طبقة فيلزم اما التداخل واما لانفصال من سماء وسماء والكل مستحيل و مع هذا ينافى فى قوله تعالىٰ " وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" هذا تقرير الشبة و طريق فاعلها مكشوف لمن تدبر فى الاصول التى بنيناها.

حشر جسمانی کے منکروں کے شبہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر جنت اور جہنم اس وقت موجود ہیں تو وہ کس جگہ واقع ہیں اور کائنات کے کس حصے میں ہیں؟

اگر دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک اس پوری کائنات سے زیادہ وسیع ہو تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ لامکان یعنی وہ جگہ جو مکان نہیں ہے وہاں کوئی مکان پایا جائے اور وہ جگہ جہاں جہت کا کوئی وجود نہ ہو وہاں جہت پائی جائے۔ اگر جنت اور جہنم آسمانوں اور زمین کے طبقات میں ہو یا آسمان کے دو طبقات کے درمیان ہو تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ آسمان اور زمین کے درمیان کوئی جسم حائل ہو یا دو آسمانوں کے درمیان انفصال یا جدائی پائی جائے۔ حالانکہ اس کائنات میں ان میں سے ہر ایک کا ہونا ممکن نہیں اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد قدرت ہے کہ "اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے"۔ [1]

زمین اور آسمان کے درمیان یا دو آسمانوں کے درمیان بہشت کا ہونا قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے۔

اس کے بعد حکیم شیرازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جسمانی طور پر محشور ہونے کے منکروں کا شبہہ یہ تھا۔ جو لوگ ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر غور و فکر کریں ان کے لئے اس اعتراض کا جواب بالکل واضح ہے۔

آقائے صدر المتالہین نے جسمانی طور پر محشور ہونے کے منکروں کے جواب میں محدد الجہات، لامکان کے فرضیہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے تداخل اور انفصال کے صحیح یا غلط ہونے سے متعلق کوئی بات کی ہے،

[1] سورہ آل عمران آیت 133

انہوں نے کائنات کی عمارت کی کیفیت کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی جسے حشر جسمانی کے منکر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے ان کے اعتراض کو ختم کرنے کے لئے ان اصولوں پر غور وفکر کرنے کے بارے میں کہا ہے جنہیں خود انہوں نے بیان کیا ہے۔ان کے کلام سے استفادہ کے لئے یہاں اختصار کے ساتھ ان کی دو کتابوں کا متن پیش کیا جار ہا ہے۔

کتاب مبدا و معاد میں لکھتے ہیں:

فالجواب عن هذه الشبهة و قلع مادتها هو ان يقال على طريقة الابهاث المتالهين وانظار السالكين الى الله تعالىٰ باقدام الافكار و مراكب الانظار ان حجتكم هذه مبنية علىٰ ان للجنة والنار مكانا من جنس امكنة هذه الدنيا لكن اصل اثبات المكان علىٰ هذا الوجه للجنة و النار باطل والشبهة منهدمة الاساس۔

’’اس اعتراض کے جواب اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اولیاء اللہ اور سالکین الی اللہ کے بحث وگفتگو کے طریقہ سے استفادہ کرتے ہیں جو کمال کے راستے کو فکر کے قدموں اور غور کی سواری کے ذریعے طے کرتے ہیں،حشر جسمانی کے منکروں سے کہا جائے گا کہ تمہاری دلیل کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ جنت اور جہنم کے لئے دنیا کے مکان کی جنس سے کوئی مکان ہونا چاہیے حالانکہ جنت اور جہنم کے لئے اس طرح کے مکان کا اثبات باطل ہے لہٰذا تمہارے اعتراض کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی جڑیں بے بنیاد ہیں‘‘۔[1]

کتاب اسفار کی چوتھی جلد میں معاد کی شناخت میں لوگوں کے مراتب میں فرق اور ان کے درجات کے اختلاف کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

واعلم ان لكل نفس من السعداء فى علام الآخرة مملكة عظيمة الفسحة و عالماً اعظم واوسع مما فى السموات والارضين وهى ليست خارجة عن ذاته بل جميع مملكته و مماليكه و خدمه و حشمه و بساتينه و اشجاره و حوره و غلمانه كلها قائمة وهو حافظها و منشاها باذن الله و قوته و وجود الاشياء الاخرويه وان كانت تشبه الصور التى يراها الانسان فى المنام فى بعض المرايا لكن يفارقها بالذات والحقيقة واما وجه المشابهه

---

[1] مبداء ومعاد 327

فھو ان کلا منھا بحیث لا یکون فی موضوعات الھیو لی ولا فی الامکنۃ والجھات لھذہ المواد.

تم جان لوکہ پاک اور سعادت مند نفوس میں سے ہر نفس کے لئے عالم آخرت میں ایک بہت وسیع مملکت موجود ہے اوراس کے لئے زمین وآسمان سے زیادہ وسیع عالم بھی ہے۔اور یہ عظیم مملکت اس کی ذات سے خارج نہیں ہے بلکہ اس کی تمام مملکت،ملکیت،اس کے خدمت گزار،باغ اور درخت،اس کے حور وغلمان،سب موجود ہیں اور وہ خود ان سب کا محافظ اور انہیں ایجاد کرنے والا ہے،اللہ تعالیٰ کے اذن،اوراس کی قوت اور طاقت کے ذریعے اخروی اشیاء کا وجود اگر چہ ان تصویروں کی طرح ہوتا ہے جنہیں انسان خواب یا آئینہ میں دیکھتا ہے۔البتہ ذات اور حقیقت کے لحاظ سے وہ ان سے فرق رکھتا ہے۔

انہوں نے اخروی موجودات کو خواب یا آئینہ میں نظر آنے والی تصویروں کی طرح اسلئے کہا ہے کہ کیونکہ ان کا کوئی مکان اور مادہ نہیں ہوتا۔

صدرالمتالھین کے نظریہ پر اعتراضات

حکیم شیرازی کے کلمات کے دونوں حصوں سے جو باتیں ہمیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ وسیع وعریض بہشت اور اس میں موجود تمام حوریں،غلمان،درخت،باغات،اور دیگر سب نعمتیں سعادت منداور باایمان افراد کے پاک نفوس اور منزہ ضمیر میں موجود ہوتی ہیں۔اوراس طرح کی بہشت مادی کائنات میں عالم خواب میں دیکھی جانے والی تصاویر کی طرح ہے جنہیں دیکھنے کے لئے دنیاوی مکانات کی ضرورت نہیں ہوتی۔حشر کے منکروں کی باتوں کے مطابق ضروری نہیں ہے کہ ہم محدد الجہات جو کہ لامکان ہے اس کے لئے مکان کے قائل ہوجائیں۔یا آسمانوں اور زمین کے درمیان تداخل اور انفصال کو جائز سمجھنے لگیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن مجید میں جس بہشت کی خوشخبری خداوند عالم نے باایمان اور نیک افراد کو دی ہے کیا وہ بہشت اسی طرح ہوگی؟ کیا یہی وہ بہشت ہے جس کے بارے میں فقہاء محدثین ومفسرین نے قرآن وسنت کے مطابق لوگوں کو بتایا ہے؟ مختصر یہ کہ کیا یہی وہ بہشت ہے جس تک رسائی کے لئے مختلف ادوار میں لاتعداد مسلمان ایمان لائے اور دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسطرح کے سوال کا جواب منفی ہے اور جس بہشت کا تذکرہ قرآن وسنت میں موجود ہے اور جس کے بارے میں ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے ہمیں خبردی وہ اس طرح نہیں ہے۔

آقائے صدرالمتالھین شیرازی فلسفیوں کی باتوں اور فرضیوں سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کو اس کائنات کی عمارت

کی حالت وکیفیت کے بارے میں صحیح سمجھتے تھے وہ نہ صرف خودکوان کی مخالفت کی اجازت نہ دیتے بلکہ بعض متکلمین جنہوں نے ان کے نظریات کے خلاف باتیں کیں، انہوں نے ان کی بھی سخت الفاظ میں مذمت کی یہاں پر ہم ان کی سخت عبارات کو بیان کرنے سے اجتناب کررہے ہیں اوراس مقالہ میں سے صرف چند مورد نظر جملوں پر اکتفا کیا جارہا ہے:

و اما المتکلمون فحیث لم یدخلوا البیوت من ابوابها لیس فی وسعهم التفصی عن امثال هٰذا الاشکال فاجابوا عنه تارة فتجویز الخلاء و تارة بعدم کون الجنة والنار مخلوقین بعد و تارة بانفتاق السموات علی قدر یسع بینها الجنة و غایة تقویتهم للدین ان یقولوا.........وان الکواکب جمادات ون الافلاك لا حیوة لها ولا نطق.

''متکلمین چونکہ علمی حقائق تک پہنچنے کے لئے دروازہ سے داخل نہیں ہوئے اورانہوں نے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا ہے اس لئے وہ اس طرح کے سوالات کے صحیح جواب نہیں دے سکتے تا کہ وہ خودکواعتراض سے نجات دلاسکیں۔اس وجہ سے وہ بعض اوقات کائنات میں خالی جگہ کوتجویز کرتے ہیں تا کہ اسے بہشت کی جگہ کے طور پر معرفی کرسکیں کبھی کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم اب تک خلق ہی نہیں ہوئے اورکبھی وہ بہشت کی وسعت کے مطابق آسمانوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔اس کے بعد کہتے ہیں: متکلمین تقویت دین کے لئے جوکام انجام دے رہے ہیں وہ چند چیزیں ہیں ان میں سے بعض کے بارے میں وہ کہتے ہیں، ستارے جمادات ہیں۔اورافلاک (آسمان) میں نہ تو زندگی ہے اورنہ ہی یہ بول سکتے ہیں

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حکیم شیرازی نے اپنے کلام میں متکلمین کی سخت الفاظ سے تنقید کی ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ متکلمین نے اپنی سوچ کے مطابق بعض موارد میں فلسفیوں کے نظریات کی مخالفت کی ہے،ان کا کہنا ہے کہ:

1۔کائنات میں خالی جگہ کا ہونا جائز ہے۔

2۔آسمانوں میں بہشت کی وسعت کے مطابق فاصلہ اورجدائی کا ہونا ممکن ہے۔

3۔ستارے جمادات ہیں۔

4۔افلاک میں نہ تو زندگی ہے اورنہ ہی وہ بول سکتے ہیں۔

جنت اورجہنم کے بارے میں اسلام کا نظریہ

حقیقت یہ ہے کہ معاد اسلام کے مہم ترین مسائل میں سے ایک ہے اوراس کا تعلق دین کی غیبی باتوں کے ساتھ ہے۔سچے مسلمانوں کو چاہئے کہ ہمیشہ اس سلسلے میں اپنی توجہ قرآن وسنت پر رکھیں اور ہرگز اولیائے دین کے راستے سے

منحرف نہ ہو جائیں اور مختلف نظریات کو کتاب خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال اور روایات کے سامنے پیش کریں اگر ان کے مطابق ہوں تو انہیں قبول کریں لیکن اگر کوئی بات آسمانی کتاب کی کسی صریح بات یا اسلام کی قطعی تعلیمات کے خلاف ہو تو اس بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے اور مطمئن رہنا چاہئے چونکہ اس طرح کی باتیں حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں اور ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے لہٰذا تھوڑے سے عرصہ میں ان کا باطن ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

اب قارئین کی مزید آگاہی کے لئے اسی فصل میں جو بہشت اور جہنم کے ساتھ مخصوص ہے، بعض آیات اور روایات کی روشنی میں انہیں دو سوالات کے بارے میں بحث و گفتگو کی جائے گی جنہیں ہم نے اس فصل کے آغاز میں بیان کیا تھا۔

پہلا سوال:

کیا جنت اور جہنم کو خلق کیا جا چکا ہے اور وہ اس وقت اس کائنات میں موجود ہیں یا عالم آخرت میں انہیں خلق کیا جائے گا؟ اور اگر وہ خلق ہو چکے ہیں تو وہ تمام خصوصیات اور صفات جو عالم آخرت میں ان میں پائی جائیں گی کیا اس وقت وہ تمام خصوصیات اور صفات ان میں پائی جاتی ہیں یا پھر عالم آخرت میں یہ دوسری چیزوں کی طرح اپنے کمال تک پہنچیں گے؟

دوسرا سوال:

اگر جنت اور جہنم خلق ہو چکے ہیں تو جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشت کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت اپنی اس عظیم وسعت کے ساتھ کائنات میں کس جگہ پر موجود ہے؟

پہلے سوال کا جواب:

اس سوال کا جواب مثبت ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی بعض روایات کے مطابق جنت و جہنم (دونوں) خلق ہو چکے ہیں۔ اور وہ اس وقت موجود بھی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ الْهَرَوِيِّ اَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا عليه السلام يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ هُمَا الْيَوْمَ مَخْلُوْقَتَانِ؟ فَقَالَ نَعَمْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ رَاَى النَّارَ لَمَّا عُرِجَ بِهِ اِلَى السَّمَاءِ فَقُلْتُ لَهُ اِنَّ اَقْوَاماً يَقُوْلُوْنَ اِنَّهُمَا مُقَدَّرَتَانِ غَيْرَ مَخْلُوْقَتَيْنِ فَقَالَ عليه السلام مَا اُولٰئِكَ مِنَّا وَلَا نَحْنُ مِنْهُمْ مَنْ اَنْكَرَ خَلْقَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَقَدْ كَذَّبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَ كَذَّبَنَا.

عبدالسلام ابن صالح ہروی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے جنت اور جہنم کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ دونوں اس وقت خلق ہو چکے ہیں؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا: جی ہاں، معراج میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت میں داخل ہوئے اور آپؐ نے جہنم کو بھی دیکھا میں نے دوبارہ عرض کیا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم تقدیر الٰہی ہیں اور اب تک خلق نہیں ہوئے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات کہنے والے ہم سے نہیں ہیں اور ہم بھی ان سے نہیں ہیں، جو بھی بہشت اور جہنم کی خلقت کا انکار کرے اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور ہمارا انکار کیا۔[1]

جنت اور جہنم جو خلق ہو چکی ہیں اور موجود بھی ہیں کیا ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور عذاب بھی ہے (بالالفاظ دیگر) کیا ان میں قیامت کے دن والی جنت اور جہنم کی صفات اس وقت پائی جاتی ہیں، یا اس میں فرق پایا جاتا ہے اور یہ (قیامت میں) اپنے کمال کو پہنچیں گے۔

درحقیقت جنت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ ہیں، یعنی جنت اور جہنم جائز اور ناجائز ان کاموں کا مجسم ہونا ہے جو کام انسان دنیا میں انجام دیتا ہے اور چونکہ انسان کی دنیاوی عمر ختم نہیں ہوئی اور انسان اچھے اور برے اعمال مسلسل انجام دے رہا ہے لہٰذا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہشت اور جہنم اس وقت اپنے کمال کو نہیں پہنچے اور روزانہ ان کی کمیت اور کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیک لوگ اپنے اچھے اعمال کے ذریعے بہشت کی نعمتوں میں اضافہ کر رہے ہیں اور برے افراد اپنی برائیوں کے ذریعے جہنم کے عذاب کو بڑھا رہے ہیں۔ جنت اور جہنم ان تمام اچھے اور برے کاموں پر مشتمل ہیں جنہیں وہ اپنی دنیاوی زندگی میں انجام دیتا ہے۔

چون سجودی یار کوعی مرد کشت
شد در آن عالم سجود او بہشت
چونکہ پرید ازدھانش حمد حق
مرغ جنت ساختش رب الفلق
چون زدستت رست ایثار و زکات
گشت این رست آن طرف نخل ونبات
چوں زدستت زخم آتش تو بر مظلوم رست

[1] علم الیقین صفحہ 1008

آن درختی گشت از آن زقوم رست
چون زخشم آتش تو در دل ہا زدی
مایہ نار جہنم آمدی
آتشت اینجا چہ آدم سوز بود
آنچہ از وی زاد مرد افزود بود۔

ترجمہ:

جب کوئی شخص سجدہ یا رکوع بجالاتا ہے تو عالم آخرت میں اس کے سجود بہشت بن جاتے ہیں۔اور جب اس کے لبوں پہ اللہ تعالیٰ کی حمد جاری ہوتی ہے تو رب کائنات اسے جنت کا پرندہ بنادیتا ہے۔اور جب تیرے ہاتھ زکات دیتے ہیں یا قربانی کرتے ہیں تو یہ ایثار اس عالم میں نخلستان اور باغات بن جاتا ہے۔اور جب تیرے ہاتھوں سے کوئی مظلوم زخمی ہوتا ہے اور اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ تھوہڑ کا درخت بن جاتی ہے۔چونکہ تم نے غصہ کی آگ کو اپنے دل میں بھڑکایا ہے تو وہ اب جہنم کی آگ کا حصہ بن گئی ہے۔تیرے غصہ کی آگ سے یہاں کتنے لوگ جل گئے اور جو اس سے پیدا ہوا اس نے لوگوں کو خاکستر کردیا۔

جنت اعمال کا نتیجہ

الجنة هی دارا النعیم فی الدار الآخرة من الاجتنان وهو الستر لتکاثف اشجارها و تظلیلها بالتفاف اغصانها.

''جنت جو کہ آخرت میں نعمت خداوندی کا گھر ہے، یہ (لفظ جنت) ''اجتنان'' سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ مخفی اور پوشیدہ ہے۔یہ نام ایک دوسرے کے ساتھ متصل کثیر درختوں اور اس سایہ کی وجہ سے ہے جو درختوں کی شاخوں کے ایک دوسرے سے ایصال سے پیدا ہوتا ہے''۔[1]

ائمہ معصومین علیہم السلام نے مختلف احادیث میں اپنے پیروکاروں کو یہ بات بتادی ہے کہ، جنت دنیا میں لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔دنیا میں وہ اپنے اعمال کے ذریعے اپنے لئے جنت بنا سکتے ہیں اور اس میں درخت لگا کر عالم آخرت میں اس کی

---

[1] النہایہ جنن

نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ قَالَ: لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِیْ مَرَّ بِیْ اِبْرَاهِیْمُ علیہ السلام فَقَالَ مُرْ اُمَّتَكَ اَنْ یُکْثِرُوْا مِنْ غَرْسِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ اَرْضَهَا وَاسِعَةٌ وَ تُرْبَتَهَا طَیِّبَةٌ قُلْتُ وَمَا غَرْسُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شب معراج ابراہیم خلیل اللہ میرے پاس سے گزرے اور کہنے لگے: آپ اپنی امت کو حکم دیجئے کہ بہشت میں بہت سارے درخت لگائیں کیونکہ جنت کی زمین وسیع اور اس کی مٹی پاک ہے۔

میں نے پوچھا: جنت میں درخت کس طرح لگائے جاتے ہیں؟

ابراہیمؑ نے جواب دیا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنے کے ذریعے سے (جنت میں درخت لگائے جاسکتے ہیں)۔[۱]

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِی الْجَنَّةِ وَ مَنْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِی الْجَنَّةِ وَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِی الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِی الْجَنَّةِ.

امام باقر علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو بھی سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتا ہے اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر کلمہ اور ذکر کے بدلے اس کے پڑھنے والے کے لئے جنت میں ایک درخت اُگاتا ہے''۔[۲]

بہشت کی وسعت

اللہ تعالیٰ نے جس جنت اور جہنم کو خلق فرمایا ہے، آخرت میں جو کہ عالم کمال ہے اور ہر چیز اس عالم میں اپنے کمال پر فائز ہوگی، اس عالم میں بہشت بھی اپنے کمال تک پہنچ جائے گی اور شاید وہ وسعت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور جس کی وسعت کو زمین اور آسمان کی وسعت کے برابر کہا ہے، اس سے قیامت والی بہشت مراد ہو یہ احتمال شیخ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں لفظ ''قیل'' (کہا گیا ہے) کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

[۱] سفینۃ، جلد 2 (غرس) صفحہ 312

[۲] تفسیر مجمع البیان، جلد 1، 2 صفحہ 504

وقیل ان اللہ یزید فی عرضھا یوم القیامۃ فیکون المراد عرضھا السموات و الارض یوم القیامۃ لا فی الحال.

''کہا گیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بہشت کی وسعت کو بڑھائے گا لہٰذا بہشت کی وسعت آسمانوں اورزمین کے برابر ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے دنیا مراد نہیں''۔[1]

بہشت کہاں ہے؟

اگر کوئی پوچھے کہ وہ بہشت جو اس وقت موجود ہے اور جس کے وجود کے بارے میں امام رضاؑ نے خبر دی ہے، اور شب معراج رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بہشت میں گئے تھے وہ بہشت کہاں ہے؟

اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد وہی ہے جسے قرآن مجید نے ''جَنَّةُ الْمَاْوٰی'' کہا ہے اور وہ سدرۃ المنتہٰی کے پاس واقع ہے۔

وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی○[2]

۔اور اس نے تو اسے ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک جس کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔

سدرۃ المنتہٰی کہاں ہے؟

اگر پوچھا جائے کہ سدرۃ المنتہٰی کہاں ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا۔ معلوم نہیں البتہ ابن عباسؓ جس نے قرآن کی تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی تھی اور آنحضرتؐ سے انہوں نے بہت سی روایات بھی نقل کی ہیں سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں کہتے ہیں:۔

عَنۡ اِبۡنِ عَبَاسٍ: اَنَّهُ سُئِلَ عَنۡ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی قَالَ اِلَيۡهَا يَنۡتَهِيۡ عِلۡمُ كُلِّ عَالِمٍ وَ مَاوَرَاءَهَا لَا يَعۡلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ.

ابن عباسؓ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: سدرہ وہ جگہ ہے جہاں ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے اور اس سے آگے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔[3]

---

[1] تفسیر مجمع البیان، جلد1، 2 صفحہ 504

[2] سورہ النجم، آیت 13، 14، 15

[3] تفسیر درالمنثور جلد 6 صفحہ 125

آج کی دنیا میں علم اور دیگر وسائل کی ترقی کی وجہ سے کائنات کے بارے میں انسان کی معلومات بہت تبدیل ہوچکی ہے انہوں نے کائنات کو ایک اور طریقہ سے معرفی کیا ہے، ناشناختہ فضا اور کائنات کے عظیم سیاروں کا انبار یکے بعد دیگرے کشف ہوا ہے، یہ جدید انکشافات مسلسل بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ کائنات کے بارے میں علم نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ اہل فن اور متخصص حضرات نے فضا کے فاصلوں کو نور کے سیر کی سرعت جو کہ ہر ثانیہ میں 000 / 300 کلومیٹر ہے، کے ساتھ اندازہ کیا ہے۔

فضا

یہاں بحث کی مناسبت سے فضا سے متعلق کچھ باتیں کہنا مناسب ہوگا۔ اس سلسلے میں قدما اور متاخرین کا نظریہ ایک دوسرے سے مختلف ہے انہوں نے مختلف فرضیے بیان کئے ہیں البتہ عصر حاضر کے دانشمندوں کا نظریہ یہ ہے کہ فضا کی محدود حد اور محدود اندازہ نہیں ہے۔

جرج گاموف کہتے ہیں:

''آج تحقیق کے مطابق ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فضا لامحدود ہے''۔[1]

اس نظریہ کے مطابق اگر ہم جنت کو وہی بہشت کہیں جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اور روایات کے مطابق مومنوں کے اعمال اور اذکار تناور درخت ہیں، جنہیں جنت کی پاک زمین میں لگایا جاتا ہے، اب اگر یہ سوال ہو کہ یہ بہشت اپنی اس وسعت کے ساتھ اس کائنات میں کس جگہ واقع ہے؟ تو ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بہشت، آسمان اور زمین، تمام کہکشاں، عرش اور کرسی اسی طرح وہ تمام موجودات جنہیں طاقتور خالق نے خلق فرمایا ہے اور ماضی اور حال کے انسان ان کے بارے میں خبر نہیں رکھتے سب کے سب خدا کی خلق کردہ لامحدود اور بے انتہا فضا میں موجود ہیں۔

ہم نہیں جانتے کہ انسان مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں اس کائنات کے بارے میں کتنی معلومات حاصل کرلے گا اور اس عظیم کائنات کے ناآشنا زاویوں سے متعلق کتنا خبردار ہوگا البتہ ابن عباسؓ کے بقول سدرۃ المنتہٰی جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہوا ہے، وہ آخری نقطہ ہے جہاں تک ممکن ہے انسان کا علم رسائی حاصل کرلے اس کے بعد کے مراحل کا علم صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگر ہم بہشت کی وسعت جو کہ زمین وآسمان کے برابر ہے، کو عالم آخرت کے ساتھ مربوط سمجھیں تو اس صورت میں انسان کی جہالت اور زیادہ عمیق ہوجائے گی اور وہ اس کائنات میں جتنی بھی علمی ترقی کرلے اس کے بارے میں کچھ نہیں جان

---

[1] پیدائش ومرگ خورشید صفحہ نمبر 245

پائے گا۔

اگر آج کا انسان اپنے پورے علم اور اطلاعات کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں نہیں جان سکا کہ وہ کہاں واقع ہے حالانکہ وہ اس وقت اس کائنات میں موجود بھی ہے۔ اور وہ بہشت جو متقین کے رہنے کی جگہ ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس واقع ہے اس کے بارے میں بھی نہیں جان سکا تو وہ کس طرح اس عالم آخرت کے بارے میں جان پائے گا جس کے اوصاف اور خصوصیات علم الٰہی میں ہیں اور وہ ابھی واقع بھی نہیں ہوا؟

اسی طرح کیسے ممکن ہے وہ عالم آخرت کی بہشت اور جہنم اور ان کی وسعت کی مقدار کے متعلق معلومات حاصل کر پائے؟

بہشت اور جہنم کی کیفیت

آیات اور روایات میں قیامت میں جنت اور جہنم کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ اس بات کو روشن کرنے کے لئے سب سے پہلے اس عالم کے نابود ہونے اور نئے جہان کی تخلیق کے بارے میں بحث و گفتگو کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد جنت اور جہنم سے متعلق وضاحت بیان کی جائے گی۔

دنیا کی تباہی

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ قیامت سے پہلے یہ پوری کائنات تباہ ہو جائے گی۔ کائنات کا نظام بگڑ جائے گا، سورج پر تاریکی چھا جائے گی، ستارے گر جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، زمین میں تبدیلیاں ہو جائیں گی، اور آسمانوں میں تغیر واقع ہوگا۔ مختصر یہ کہ موجودہ کائنات کی عمر اور اس کے تمام قوانین اور طور طریقے ختم ہو جائیں گے اور کائنات تخلیق سے پہلے والی صورت اختیار کر لے گی۔ اس کے بعد حکم پروردگار سے ایک اور عالم جدید قوانین اور طور طریقوں سے خلق ہو کر موجودہ کائنات کی جگہ پر واقع ہوگا۔

یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ ؕ کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُہٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ○[1]

''اس دن ہم تمام آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے اور جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی ہے، اسی طرح انہیں واپس بھی لے آئیں گے یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے جس پر ہم بہر حال عمل کرنے

---

[1] سورہ انبیاء آیت نمبر 104

والے ہیں''۔

اَخرَجَ ابنُ جَرِیرٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ فِی قَولِهٖ "کَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلقٍ نُّعِیدُهٗ" یَقُولُ نُهلِكُ کُلَّ شَیءٍ کَمَا کَانَ اَوَّلَ مَرَّةٍ.

ابن جریر نے ابن عباسؓ سے مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم تمام چیزوں کو ہلاک کر کے انہیں ختم کر دیں گے اور اس، عالم کو آغاز خلقت والی صورت میں بدل دیں گے۔[1]

علی ابن ابراہیم قمی جن کا تعلق چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے ہے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کریمہ کے ذیل میں کہتے ہیں:

وَ مَعنٰی یَطوِیهَا اَی یُفنِیهَا فَتَتَحَوَّلُ دُخَانًا وَالاَرضُ نِیرَانًا.

''اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لپیٹ دے گا، یعنی انہیں فنا کر دے گا جس کے نتیجہ میں آسمان دھویں کی صورت اختیار کر لے گا اور زمین آگ کی صورت میں تبدیل ہو جائے گی''۔[2]

آسمان اور زمین کا دھوئیں اور آگ کی صورت میں تبدیل ہو جانا جیسا کہ تفسیر قمی میں بیان ہوا ہے، کائنات کے اول خلقت کی طرف بازگشت کی کیفیت کو واضح کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آسمان کی تخلیق کے بارے میں فرماتا ہے:

ثُمَّ استَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ.[3]

''اس کے بعد اس نے آسمان کا رخ کیا جو بالکل دھواں تھا''

دنیا کی تخلیق سے پہلے کیا تھا؟

دور حاضر کے دانشمندوں کا نظریہ ہے کہ کائنات کے تمام چھوٹے، بڑے سیارے ایک نازک اور باریک مادہ سے بنے ہیں، علمی کتابوں میں اس مادہ کا تین (۳) تعبیروں سے نام لیا گیا ہے۔ بادل، بخارے اور دھواں۔

کہتے ہیں کہ مذکورہ بخارے فضا میں کروڑوں سال گردش کے بعد بعض اسباب جن کی آج تک شناخت نہیں ہو سکی، کی وجہ سے ٹکڑوں کی صورت میں ایک دوسرے سے جدا ہو کر بکھر گئے اور ہر ایک ٹکڑے سے ایک ستارہ ظاہر ہوا ہے۔

---

[1] تفسیر درمنثور جلد 4 صفحہ 340

[2] تفسیر قمی جلد 2 صفحہ 77

[3] سورہ فصلت آیت 11

موجودہ دور کے دانشوروں نے تحقیق و جستجو کے بعد کائنات کے سیاروں کے اصلی مادہ کے متعلق جو نظریہ پیش کر کے اسے بخارے، دھوئیں اور بادل کے عنوان سے بیان کیا ہے، ظاہری طور پر یہ نظریہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔

شاید ہم یہ بات کہہ سکیں کہ قرآن مجید بھی اس فرضیہ کی تائید کرتا ہے اور ہمیں مذکورہ آیت نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔ارشاد قدرت ہے:

''اس کے بعد اس نے آسمان کا رخ کیا جو بالکل دھواں تھا''

لیکن ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتاب الٰہی اسی بات کو بیان کر رہا ہے اور یہ نظریہ یقینی طور پر درست ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آئندہ اس فریضہ میں تبدیلی واقع ہو اور آیت کا معنی ایک یا چند صدیاں گزرنے کے بعد واضح ہو جائے یا اس کی کیفیت کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی کسی نظریہ سے تفسیر نہیں کی جاسکتی لیکن اگر جو بات آج کہی جارہی ہے اس کی علمی تحقیق کی جائے جس کی وجہ سے یہ بات ایک قطعی اور غیر قابل تردید امر کی صورت اختیار کر لے تو کہا جاسکے گا کہ یہ آیت قرآن مجید کے علمی معجزات میں سے ہے۔کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ تک بھی اور آپؐ کو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس حقیقت کے بارے میں معلوم نہ تھا اور کسی نے بھی اس علمی راز سے پردہ نہ ہٹایا بلکہ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نا آشنا راز کے بارے میں معلومات فراہم کی۔سورہ انبیاء کی آیت 104 کے مطابق جس کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے، اس کائنات کے اختتام پر اللہ تعالیٰ اس عظیم کائنات کو آغاز خلقت والی حالت میں تبدیل دے گا اور علی ابن ابراہیم قمی کی تفسیر کے مطابق آسمان، دھوئیں کی صورت اختیار کر لے گا۔یہ امر کائنات کے ابتداء خلقت کی طرف پلٹنا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔

جس وقت حکم پروردگار سے آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا، آسمان کے تمام سیاروں کا نظام بگڑ جائے گا اور اس کا مادہ دھوئیں اور بخارے کی شکل اختیار کر لے گا تو نئی کائنات یعنی عالم آخرت کی خلقت کا آغاز ہوگا اور خالق کائنات اس عالم کو جدید قوانین اور طور طریقوں جن میں اکثر کا اس کائنات کے قوانین کے ساتھ مقائسہ نہیں کیا جاسکتا، سے آراستہ کرے گا۔

جنت اور جہنم کے اوصاف

آیات اور روایات کے مطابق عالم آخرت میں لوگ ایسی چیزوں کا مشاہدہ کریں گے جنہیں انہوں نے کبھی بھی دنیا میں نہ دیکھا ہوگا نیک لوگ نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے اور بدکردار ایسے عذاب کو دیکھیں گے جسے انہوں نہ صرف دنیا میں نہ دیکھا ہوگا بلکہ انہوں نے دنیا میں اس کے بارے میں سوچا تک نہ ہوگا۔کیونکہ یہ فصل بہشت اور جہنم کے ساتھ مخصوص ہے اس

لئے یہاں جنت اور جہنم کے اوصاف میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

الف: بہشت کی وسعت:

قرآن مجید بہشت کی وسعت کے بارے میں فرماتا ہے:

وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ.

اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے"۔[1]

عامہ اور خاصہ کی ان روایات کے مطابق جو بعض آیات کی تفسیر میں بیان ہوئی ہیں، اس وسعت کو ایک اور طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ۝[2]

"سب کے پیش پروردگار درجات ہیں اور خدا سب کے اعمال سے باخبر ہے۔"

عَنۡ اَبِي الۡحَسَنِ الرِّضَا عليه السلام اَنَّهُ ذَكَرَ قَوۡلَ اللّٰهِ "هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ" قَالَ الدَّرَجَةُ مَابَيۡنَ السَّمَاءِ اِلَى الۡاَرۡضِ.

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

"درجات کا ایک دوسرے کے ساتھ فاصلہ زمین وآسمان (کے درمیان) فاصلہ کے برابر ہے"۔[3]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الۡجَنَّةِ مِئَةُ دَرَجَةٍ مَابَيۡنَ كُلِّ دَرَجَةٍ كَمَا بَيۡنَ السَّمَاءِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡفِرۡدَوۡسُ اَعۡلَا دَرَجَةٍ.

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بہشت میں سو درجات ہیں ہر درجہ کا دوسرے درجہ کے ساتھ فاصلہ آسمان اور زمین کے فاصلے کے برابر ہے اور فردوس بہشت کے درجات اور مراتب میں سب سے زیادہ اعلیٰ (مرتبہ) ہے"۔[4]

عَنۡ اَبِيۡ عَبۡدِ اللّٰهِ عليه السلام قَالَ: اِنَّ مِنۡ اَدۡنٰى نَعِيۡمِ الۡجَنَّةِ يُوۡجَدُ رِيۡحُهَا مِنۡ مَسِيۡرَةِ اَلۡفِ عَامٍ مِنۡ مَسَافَةِ الدُّنۡيَا وَاِنَّ اَدۡنٰى اَهۡلِ الۡجَنَّةِ مَنۡزِلًا لَوۡ نَزَلَ بِهٖ اَهۡلُ الثَّقَلَيۡنِ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ لَوۡ

---

[1] سورہ آل عمران آیت 133
[2] سورہ آل عمران آیت 163
[3] تفسیر برہان۔جلد 1 صفحہ 325
[4] جامع الاصول۔جلد 11 صفحہ 138

سِعَهُمْ طَعَامًا وَ شَرَابًا وَلَا يَنْقُصُ مِمَّا عِنْدَهُ شَيْءٌ.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بہشت کی ادنیٰ نعمتوں کی خوشبو دنیا کی ہزار سال مسافت سے محسوس ہوسکتی ہے اور بہشتی لوگوں کا سب سے چھوٹا گھر اس قدر وسیع ہوگا کہ اگر تمام جن وانس بھی اس میں آجائیں تو سب کو جگہ مل جائے گی اور وہ کھانے، پینے کے لحاظ سے اتنی قدرت رکھتا ہے کہ وہاں موجود تمام افراد کی مہمانی ہوسکے گی اور ان میں کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوگی"۔[1]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِأَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعَالَمِيْنَ اِجْتَمِعُوْا فِيْ اِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بہشت کے سو درجات ہیں اگر کائنات کے تمام لوگ ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہوجائیں تو سب اس میں جمع ہوسکیں گے"۔[2]

ب۔ جہنم کی وسعت:

طرق عامہ اور خاصہ سے جہنم کے بارے میں بھی بہت سی احادیث بیان ہوئی ہیں جن سے جہنم کی وسعت بخوبی واضح ہوسکتی ہے ہم یہاں صرف دو احادیث کے ذکر پر اکتفاء کررہے ہیں۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَيْلٌ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ يَهْوِيْ فِيْهِ الْكَافِرُ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا قَبْلَ اَنْ يَبْلُغَ قَعْرَهُ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ویل" جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کافر ہوں گے اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال جتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا"۔[3]

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّ اِذَا دَخَلُوْهَا وَ فِيْهَا مَسِيْرَةَ سَبْعِيْنَ عَاماً فَاِذَا بَلَغُوْا اَسْفَلَهَا زَفَرَتْ بِهِمْ جَهَنَّمُ.

علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ: جب جہنمی لوگ جہنم میں داخل ہوں گے تو انہیں دنیا کے ستر سال سفر جتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا اور جب وہ جہنم کی سب سے نچلی وادی میں پہنچیں گے تو جہنم کی سخت اور بارعب آواز کا انہیں

---

[1] تفسیر قمی جلد 2 صفحہ 82
[2] جامع الاصول ابن اثیر، ج 11 صفحہ 138
[3] جامع الاصول صفحہ 146

سامنا کرنا پڑے گا۔[1]

مختصر یہ کہ جنت اور جہنم کی خصوصیات اور اوصاف میں سے ایک صفت اور خاصیت جس کے بارے میں احادیث میں بھی بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم اور عجیب مخلوقات کی وسعت ہے۔

فضل الٰہی اور عذاب الٰہی

بہشت اور اس کی ساری نعمتیں مومن اور نیک لوگوں کے لئے خداوند عالم کی رحمت اور فضل کی وجہ سے ہیں۔ البتہ جہنم اور اس کا عذاب گنہگاروں کے لئے ان کے دنیا میں کئے ہوئے بد اعمال اور بد نیتی کے سبب ہیں جن کی بنیاد خود انہوں نے دنیا میں رکھی تھی۔

اچھے اور برے اعمال جو انسان دنیا میں انجام دیتا ہے وہ سب انسان کے ان اعضاء و جوارح کے ذریعے سے واقع ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے امانت کے طور پر ان کے وجود میں رکھا ہے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت کو اس کی اجازت اور اس کی رضا و خوشنودی کے مطابق استعمال کرے تو وہ وظیفہ شناس اور نیک افراد میں شامل ہوگا جو بھی اپنے وظیفہ پر عمل پیرا ہو رہا ہو اور اسی طرح اپنی مسئولیت کو ادا کر رہا ہو جس طرح مسئولیت کی ادائیگی کا حق ہے تو اسے اچھا انسان کہا جائے گا۔ لیکن وہ اپنی اس مسئولیت کی ادائیگی اور اپنے وظیفہ کی انجام دہی کے عوض انعام کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔ لہٰذا اگر کریم رب، باایمان اور نیک لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے تو یہ اضافی ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں وہ ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کر کے انہیں معاف فرما کر بہشت میں اپنی تمام نعمتوں سے مستفید کرتا ہے لہٰذا یہ سب اس کے فضل و کرم کی وجہ سے ہوگا، اور خدا پر کسی طرح کے ان کے حق کی وجہ سے ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن جو لوگ خدا کی عطا کردہ امانتوں میں خیانت کرتے ہیں اور اپنی مسئولیت پر عمل نہیں کرتے درحقیقت وہ اپنے اوپر موجود وظیفہ انجام نہیں دیتے اور خداوند عالم کی عطا کردہ طاقت سے ناجائز استفادہ کر کے اسے حکم پروردگار کے خلاف استعمال کرتے ہیں، ایسے لوگ امانت میں خیانت اور جرائم کے ارتکاب کے سبب اپنے اوپر سزا کا حق رکھتے ہیں۔

اہل بہشت کا فضل الٰہی کا حقدار ہونا اور اہل جہنم کا عذاب کا حقدار ہونا یہ دونوں ایسے مطالب ہیں جن کا تکرار بارہا قرآن و سنت میں ہوا ہے۔ ان دو گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے بعض آیات اور احادیث کو بیان کی جا رہا ہے۔

---

[1] بحار جلد 3 صفحہ 376

اہل بہشت اور فضل الٰہی

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○[۱]

خداوند عالم قرآن مجید کی چند آیات میں ان نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد جو اس نے بہشت میں متقین کے لئے خلق کی ہیں فرماتا ہے۔''بیشک وہ صاحبان تقویٰ محفوظ مقام پر ہونگے باغات اور چشموں کے درمیان یہ سب آپ کے پروردگار کا فضل و کرم ہے اور یہی انسان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ○[۲]

''تاکہ خدا ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے سکے''

وَلٰكِنَّهُ سُبْحَانَهُ جَعَلَ حَقَّهُ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يُطِيعُوهُ وَجَعَلَ جَزَاءَهُمْ عَلَيْهِ مُضَاعَفَةَ الثَّوَابِ تَفَضُّلًا مِنْهُ وَتَوَسُّعًا بِمَا هُوَ مِنَ الْمَزِيدِ أَهْلُهُ.

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا:''وہ حق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بندوں کے ذمہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ اس کی اطاعت کریں، اور اس نے ان کے لئے اضافی انعام مقرر کیا ہے، یہ انعام اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہے یہ مزید نعمت کی وسعت ہے جو کہ اس کی ذات کے شایان شان ہے''۔[۳]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِعِلْمِهِ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَوْقِ رَأْسِهِ وَطَوَّلَ بِهَا مَوْتَهُ.

---

[۱] سورہ دخان آیت 51 تا 57

سورہ دخان کی آیت 51 سے 57 تک میں جنت اور نعمات جنت کا تذکرہ ہے مصنف نے صرف تین آیتوں کو تحریر فرمایا ہے۔(مترجم)

[۲] سورہ روم آیت نمبر 45

[۳] نہج البلاغہ، خطبہ 216

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، لوگوں میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔ وہاں موجود ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ کیا آپ بھی؟ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: میں بھی اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں نہیں جاؤں گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میرے شامل حال فرمائے اور مجھے اپنے فضل میں شامل کرے آنحضرت نے اپنے سر اقدس پر ہاتھ رکھ کر یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ [۱]

اہل جہنم اور عذاب الٰہی

وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ [۲]

''ان سے کہیں گے کہ اب جہنم کا مزہ چکھو اس لئے کہ تم نے پہلے ہی اس کے اسباب فراہم کر لئے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے''

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ۝ [۳]

۔ بیشک مجرمین عذابِ جہنّم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان سے عذاب منقطع نہیں ہوگا اور وہ مایوسی کے عالم میں وہاں رہیں گے اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے یہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُکَلِّمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةً اَمِیْراً وَ قَارِیاً وَ ذَا ثَرْوَةٍ مِنَ الْمَالِ فَیَقُوْلُ لِلْاَمِیْرِ یَامَنْ وَهَبَ اللهُ لَهُ سُلْطَاناً فَلَمْ یَعْدِلْ فَتَزْدَرِدُهُ کَمَا یَزْدَرِدُ الطَّیْرُ حَبَّ السِّمْسِمِ وَ تَقُوْلُ لِلْقَارِیِٔ یَا مَنْ تَزَیَّنَ لِلنَّاسِ وَ بَارَزَ اللهَ بِالْمَعَاصِیْ فَتَزْدَرِدُهُ وَتَقُوْلُ لِلْغَنِیِّ یَامَنْ وَهَبَ اللهُ لَهُ دُنْیاً کَثِیْرَةً وَاسِعَةً فَیْضًا وَسَئَلَهُ الْفَقِیْرُ الْیَسِیْرَ قَرْضاً فَاَبٰی اِلَّاَ بُخْلًا فَتَزْدَرِدُهُ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت میں جہنم کی آگ تین طرح کے لوگوں کے ساتھ بات کرے گی۔

---

[۱] تفسیر مجمع البیان جلد 3، 4 صفحہ 208

[۲] سورہ آل عمران آیت 181، 182

[۳] سورہ زخرف آیت 74، 75، 76

اول: حکمران **دوم:** قاریٔ قرآن اوراس کے احکامات کا جاننے والا

سوم: صاحب استطاعت مالدار۔

حکمران سے کہے گی: اے وہ شخص جسے اللہ تعالی نے سلطنت اور حاکمیت عطا کی اورتم نے لوگوں کے ساتھ عادلانہ رفتاراختیار نہ کی۔ آگ اسے اس طرح سے نگل لے گی جس طرح پرندہ دانہ کو نگلتا ہے۔

قاریٔ قرآن اور عالم دین سے کہے گی۔ اے وہ شخص جو خود کو لوگوں کے درمیان نیک اور پاک ظاہر کرتا تھا لیکن بارگاہ خداوندی میں گناہوں کا مرتکب ہوتا رہا۔ اسے بھی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اس کے بعد مالدار سے کہے گی: اے وہ شخص جسے پروردگار نے بہت سارا مال عطا فرمایا تھا اور کسی تنگدست نے تم سے جب تھوڑی سی رقم کا قرض کے عنوان سے مطالبہ کیا تو تم نے بخل کی وجہ سے اس کا مطالبہ رد کر دیا آگ اسے بھی نگل لے گی۔ [۱]

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ. [۲]

اور کفر اختیار کرنے والوں کو گروہ درگروہ جہنّم کی طرف ہنکایا جائے گا یہاں تک کہ اس کے سامنے پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے خازن سوال کریں گے کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے جو آیاتِ رب کی تلاوت کرتے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ. [۳]

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا انہیں جنّت کی طرف گروہ درگروہ لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے خزانہ دار کہیں گے کہ تم پر ہمارا سلام ہو۔

آیت میں موجود ''واو'' کا راز

ان دو آیات میں کفار کو جہنم کی جانب لے جانا اور ان کے لئے جہنم کے دروازوں کا کھل جانا، اسی طرح اتقیاء اور نیکو

---

[۱] خصال صدوق صفحہ 111

[۲] سورہ زمر آیت نمبر 71

[۳] سورہ زمر آیت نمبر 73

کاروں کو بہشت کی جانب لے جانا اوران کے لئے بہشت کے دروازوں کا کھل جانا، دونوں ایک ہی شکل وصورت میں ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں البتہ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ جہنم کے دروازوں کا کھل جانا لفظ ''واؤ'' کے بغیر آیا ہے اور بہشت کے دروازوں کا کھل جانا لفظ ''واؤ'' کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یقیناً اس فرق میں کوئی راز ضرور ہوگا۔ اس راز کے بارے میں زمخشری نے اپنی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:

قيل ابواب جهنم لا تفتح الا عند دخول اهلها فيها و اما ابواب الجنة فمتقدم فتحها بدليل قوله تعالیٰ "جَنّٰتُ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ" فلذالك حی بالواو كانه قيل حتی اذا جاؤها و قد فتحت ابوابها.

''کہا گیا ہے کہ جہنم کے دروازہ اس وقت کھولے جائیں گے جب جہنمی اس میں داخل ہورہے ہوں گے۔ لیکن بہشت کے دروازے خداوند عالم کے اس قول: ''ہمیشگی کی جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہونگے''۔[1] کی دلیل سے پہلے ہی کھلے ہوں گے اسی وجہ سے ان کے کھلنے کو ''واؤ'' کے ساتھ لایا گیا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) گویا قرآن مجید کہہ رہا ہو کہ اتقیاء اور نیکوکار جب بہشت کی طرف جائیں گے تو اس کے سب دروازے کھلے ہوں گے۔ [2]

اہل جہنم کے ساتھ ''واؤ'' کا نہ ہونا اور اہل بہشت کے ساتھ ''واؤ'' کا ہونا ممکن ہے ان دونوں گروہوں میں سے ایک کے حقدار ہونے اور ایک کے فضل پروردگار کی وجہ سے ہونے کو بیان کر رہا ہو۔ گویا آیت کریمہ میں یہ بات بیان ہورہا ہے کہ اہل جہنم نے اپنے بداعمال اور گناہوں کی وجہ سے خود کو اتنا جہنمی اور عذاب کا حقدار بنا لیا ہے کہ جیسے ہی وہ جہنم کے دروازوں کے پاس پہنچیں گے خودبخود ان کے لئے جہنم کے دروازے کھل جائیں گے۔ لیکن اہل بہشت چونکہ خداوند عالم کے فضل و رحمت کی وجہ سے بہشتی ہوئے ہیں لہٰذا بہشت کے دروازوں کو بھی رحمت کے فرشتے رحمان پروردگار کے حکم سے ان کے لئے کھولیں۔

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ○ [3]

اور جس دن جنّت پرہیزگاروں سے قریب تر کردی جائے گی اور جہنّم کو گمراہوں کے سامنے کردیا جائے گا اور

---

[1] سورہ ص آیت 50

[2] تفسیر کشاف جلد 3 صفحہ 411

[3] سورہ شعراء آیت 90، 91، 92۔

جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں بہشت وجہنم کے لئے مختلف معانی پر مشتمل دو مختلف لغات استعمال ہوئی ہیں، یہ فرق بھی شاید فضل وکرم اور حقدار ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔اس لئے کہ بہشت فضل پروردگار کی وجہ سے ہے، رحمت کے ملائکہ اسے اتقیاء کے پاس لائیں گے تا کہ وہ اس میں داخل ہوں اور اس کی لامحدود نعمتوں سے استفادہ کریں۔لیکن جہنم کا عذاب ان کا حق ہے اور اسے ان کے نزدیک لانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قیامت کی طبیعت کا تقاضا ہے جو''یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ''(جس دن رازوں کو آزمایا جائے گا۔[1])

اس وجہ سے غیب کے پردے خود بخود اٹھ جائیں گے اور جہنم اہل جہنم پر ظاہر ہوجائے گی۔

نعمات بہشت اور عذاب جہنم کی کمیت اور کیفیت

عالم آخرت میں بہشت کی نعمتوں کی خصوصیات اور جہنم کی تکالیف، ان افراد کے لئے جو زندہ ہیں اور اس کائنات میں زندگی بسر کر رہے ہیں نہ تو درک ہوسکتی ہیں اور نہ ہی وہ قابل توصیف ہیں۔کیونکہ دنیا میں لوگ ان نعمتوں اور سزاؤں کے بارے میں جانتے ہیں جن کا دنیا میں انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے، یا وہ انہیں لمس کرتے ہیں یا پھر دوسروں کی زبانی سنتے اور اس کا تصور کرتے ہیں۔لیکن عالم آخرت کی نعمتوں، عذاب اور ان کی لذتوں یا تکالیف کی کمیت وکیفیت اس کائنات کے مشہودات یا مسموعات کے ساتھ قابل قیاس نہیں ہیں۔اور نہ ہی ہم انہیں قیامت کی نعمتوں اور عذاب کے لئے معیار شفاعت قرار دے سکتے ہیں۔بہشت اور جہنم کے بارے میں لوگوں کے فہم وادراک کی نارسائی اور ان کے اندیشہ اور فکر کی کوتاہی مختلف تعبیرات سے قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہے یہاں ان میں سے بعض کی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے:

بہشت کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○[2]

پس کسی نفس کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے لئے کیا کیا خنکی چشم کا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے جو ان کے اعمال کی جزا ہے۔

تفاسیر عامہ وخاصہ میں اس آیت کریمہ کے ذیل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان ہوئی ہے:

عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ : عَدْنٌ ، دَارُ اللهِ الَّتِي لَمْ تَرَهَا عَيْنٌ وَلَمْ تَخْطُرْ عَلَى

---

[1] سورہ الطارق آیت نمبر 9

[2] سورہ سجدہ آیت 17

قَلْبِ بَشَرٍ.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''بہشت عدن رحمت پروردگار کا گھر ہے، ایسا گھر جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ ہی کسی دل نے اس کا خیال کیا ہوگا''۔[۱]

وَعَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنِ الصَّادِقِ عَنْ آبَائِهِ عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفاً یُرٰی ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِ هَا یَسْکُنُهَا مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَفْشَی السَّلَامَ وَ صَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ.

امام صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے اور آپؑ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''بہشت میں کچھ ایسے کمرے بھی ہیں جن کا باہر اندر سے اور اندر، باہر سے نظر آتا ہے۔ ان کمروں میں میری امت کے وہ لوگ رہیں گے جن کا کلام پاک ہو، جو بھوکوں کو کھانا کلاتے ہیں، بلند آواز سے سلام کرتے ہیں، اور رات کے آخری حصے میں جب تمام مخلوقات سوتی ہے تو وہ نماز شب ادا کرتے ہیں''۔[۲]

اہل بہشت کے چہروں کی تبدیلی

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بعض چیزوں کے ذریعے انسان کے چہرہ پر تبدیلی کر کے اسے ایک اور شکل دی جاتی ہے بعض اوقات بدصورتی کو بھی کم کیا جاتا ہے لیکن (اتنی ترقی کے باوجود) جیسا کہ ایک کپڑا اتار کر دوسرا کپڑا پہنتے ہیں اسی طرح انسان کی اصلی صورت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عامہ وخاصہ کی روایات کے مطابق بہشت میں یہ ناممکن کام اہل بہشت کے لئے قابل عمل اور ممکن ہوگا۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ فِی الْجَنَّةِ سُوْقاً مَا فِیْهَا شِرَاءٌ وَلَا بَیْعٌ اِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَاِذَا اشْتَهَی الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِیْهَا.

حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''بہشت میں ایک بازار ہے جس میں مردوں اور عورتوں کے چہروں کے علاوہ کوئی اور معاملہ نہیں ہوتا، جسے بھی جو چہرہ چاہیے ہوتا ہے وہ اسی بازار کی طرف رجوع

---

[۱] تفسیر صافی صفحہ 235

[۲] بحار جلد 3 صفحہ 325

کرتا ہے"۔ [۱]

عَنْ اَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمْ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ سُوْقًا يَأْتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ فَتَهِبُّ رِيْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَ ثِيَابِهِمْ فَيَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَلَا جَمَالًا.

انس بن مالکؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ہے آپؐ نے فرمایا: "بہشت میں ایک ایسا بازار ہے جس میں اہل بہشت ہفتہ میں ایک مرتبہ جاتے ہیں شمال کی ہوا ان کے چہرہ اور لباس کو لگتی ہے جس کی وجہ سے ان کے حسن میں اضافہ ہوجاتا ہے"۔ [۲]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمْ وَالَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمْ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لِيَزْدَادُوْنَ جَمَالًا وَ حُسْنًا كَمَا يَزْدَادُوْنَ فِي الدُّنْيَا قَبَاحَةً وَهَرَماً.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس نے نبی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کو نازل فرمایا اہل بہشت کے حسن وجمال میں مسلسل اضافہ ہوگا، جس طرح دنیا میں لوگوں کی بدصورتی اور پیری میں اضافہ ہوتا ہے"۔ [۳]

اہل دنیا کی جہنم کے عذاب سے بے خبری

جس طرح آیات وروایات میں بیان ہوا ہے کہ دنیا میں لوگ بہشت کی خصوصیتوں اور اس کی نعمتوں کی کیفیت سے بے خبر ہوتے ہیں اسی طرح قرآن اور حدیث میں ہے کہ اہل دنیا جہنم اور اس کے عذاب کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتے۔

قائین کرام کی مزید آگاہی کے لئے یہاں ان آیات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ [۴]

"ان کے لئے خدا کی طرف سے وہ سب بہرحال ظاہر ہوگا جس کا یہ وہم وگمان بھی نہیں رکھتے تھے"

---

[۱] سفینۃ البحار جلد 2 (صور)، صفحہ 55۔ جامع الاصول جلد 11 صفحہ 144

[۲] جامع الاصول جلد 11 صفحہ 142

[۳] علم الیقین، صفحہ 103

[۴] سورہ زمر آیت 47

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ○[1]

یہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک چڑھ جائے گی۔

دنیاوی آگ صرف جسم کو جلاتی ہے لیکن جہنم کی آگ کا اثر دل پر بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک ہی جگہ جسم اور جان (دونوں کو) جلا دیتی ہے

قِیْلَ مَعْنَاہُ ھٰذِہِ النَّارُ تَخْرُجُ مِنَ الْبَاطِنِ اِلَی الظَّاھِرِ بِخِلَافِ نِیْرَانِ الدُّنْیَا۔

''کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کی آگ باطن سے شعلہ نکال کر ظاہر میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہ دنیاوی آگ کے برخلاف ہے کیونکہ دنیاوی آگ فقط جسم میں اثر کر کے ظاہر کو جلا دیتی ہے''۔[2]

جہنم کی آگ کا رنگ

دنیاوی آگ اور جہنم کی آگ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ دنیاوی آگ کا رنگ سرخ ہوتا ہے لیکن عامہ و خاصہ کی روایات کے مطابق جہنم کی آگ کا رنگ سیاہ ہوگا۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ ذَکَرَ النَّارَ فَقَالَ اَتَرَوْنَھَا حَمْرَاءَ مِثْلَ نَارِکُمْ ھٰذِہِ الَّتِیْ تُوْقِدُوْنَ اِنَّھَا لَاَشَدُّ سَوَادًا مِنَ الْقَارِ۔

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم کی آگ کا نام لیا اور فرمانے لگے: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ جہنم کی آگ کا رنگ تم دنیا میں جو آگ جلاتے ہو اس کی طرح سرخ ہوگا؟ وہ آگ تارکول سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

امام سجاد علیہ السلام اپنے دعائیہ کلمات کے ذریعے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَارٍ نُوْرُھَا ظُلْمَۃٌ وَ ھَیِّنُھَا اَلِیْمٌ۔

بارالٰہا! میں تجھ سے اس آگ سے پناہ چاہتا ہوں جس کا نور ظلمت اور جس کی نرمی اذیت کا باعث ہے''۔[3]

عالم آخرت میں جنت اور جہنم کا شعور

آخرت عالم زندگی اور حیات ہے اور وہاں موجود تمام موجودات کے پاس علم اور ادراک ہوگا۔ قیامت میں زمین بات کرے گی اور جو کچھ اس پر واقع ہوا ہوگا اسے تفصیل سے بتائے گی، بہشت اور جہنم بھی دو زندہ اور سمجھ رکھنے والے

---

[1] سورہ ہمزہ آیت 6،7

[2] تفسیر مجمع البیان جلد 9، 10 صفحہ 538

[3] صحیفہ سجادیہ، دعا 32

موجودات ہیں نیز ان کی آنکھیں اور کان بھی ہیں۔ یہ تمام مطالب آیات اور روایات کے ضمن میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّاْ بَيْنَ عَيْنَيْ جَهَنَّمَ مَقْعَداً قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَلَهَا عَيْنَانِ؟ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اَمَا سَمِعْتُمْ قَوْلَ اللهِ تَعَالٰى "اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا. [۱]" يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ لَهُ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَ لِسَانٌ يَنْطِقُ فَيَقُوْلُ وُ كِّلْتُ بِمَنْ جَعَلَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا آخَرَ فَلَهُوَ اَبْصَرُ بِهِمْ مِنَ الطَّيْرِ بِحُبِّ السِّمْسِمِ فَيَلْتَقِطُهُمْ فَيَجْلِسُ بِهِمْ فِي جَهَنَّمَ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی نسبت دے، تو (ایسے شخص) کی جگہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان میں ہوگی۔ کسی نے پوچھا: کیا جہنم کی بھی دو آنکھیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے: ''جب آتش جہنم ان لوگوں کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش وخروش کی آوازیں سنیں گے''۔ آگ سے ایک گردن بلند ہوگی جس میں دیکھنے والی آنکھیں، بولنے والی زبان، وہ کہے گی میں ان پر مامور ہوں جو خدا کے ساتھ کسی غیر کو شریک کرتے تھے۔ البتہ جہنم مشرکین کو پرندہ کے تل کے دانہ کو دیکھنے سے بھی زیادہ دیکھے گی۔ ان سب کو اہل محشر کی صفوں سے نکال کر انہیں جہنم میں لے جائے گی''۔ [۲]

اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَجْعَلَ النَّارَ .... ثُمَّ يُنَادِيْ اَنْ خُذِيْ اَصْحَابَكِ وَ ذَرِيْ اَصْحَابِيْ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهِيَ اَعْرَفُ بِاَصْحَابِهٖ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا.

''خداوند عالم جہنم کو اس وضعیت میں برقرار رکھے گا جس میں اسے ہونا چاہئے، اس کے بعد منادی اسے صدا دے گا: اپنے لوگوں کو پکڑ لو اور میرے لوگوں کو چھوڑ دو۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جہنم اپنے لوگوں کے بارے میں ماں کے اپنے بچے کو جاننے سے بھی زیادہ باخبر ہے''۔ [۳]

مختصر یہ کہ آخرت عالم زندگی اور آگاہی ہے۔ اس عالم میں جو موجودات جمادات ہیں اور ان کے پاس ادراک نہیں ہے اس عالم (آخرت) میں ان کے پاس شعور اور فہم ہوگا۔ وہ دیکھیں گے، سنیں گے، تمیز دیں گے اور بات کریں گے۔

---

[۱] سورہ فرقان آیت 12

[۲] جامع الاصول جلد 11 صفحہ 148

[۳] تفسیر صافی صفحہ 340

عالم افسردہ نام آن جماد
جامد افسردہ بودہ ای اوستاد
باش تا خورشید حشر آید بہ میان
تابینی جنبش جسم جہان
مردہ این سوینـد آن سوزندہ اند
خامش ایجا آن طرف گویندہ اند

ترجمہ:

کائنات افسردہ ہے اس جماد کے کے نام سے، اور ہر منجمند افسردہ ہے اے داناتم دیکھتے رہو کہ دنیا میں آخرت کا سورج ضرور طلوع ہوگا۔ تب تم کائنات کے تمام منجمد ذرات کو جاندار پاؤ گے۔

اس طرف مردہ اور اس طرف زندہ ہوں گے، اس جہاں میں خاموش ہیں لیکن آنے والے جہان میں وہ بولیں گے۔

اہل بہشت کا جہنم کو اور اہل جہنم کا بہشت کو دیکھنا

چونکہ انسانوں کو آزاد خلق کیا گیا ہے اس لئے وہ اپنی زندگی پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ گزار سکتے ہیں، اسطرح وہ سعادت کا راستہ اختیار کر کے جنت کی نعمتوں سے مستفید ہونگے۔ نیز وہ ناپاکی اور بدبختی کے راستے پر چل کر خود کو جہنمیوں میں بھی شامل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کائنات میں ہر انسان کے پاس دو طرح کے راستے ہیں ایک سعادت اور نیک بختی کا راستہ دوسرا شقاوت اور بدبختی کا راستہ۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چونکہ ہر انسان کی آخرت اس کی دنیا کا پلٹنا ہے لہٰذا یہ دونوں راستے (سعادت اور شقاوت) بھی وہاں موجود ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ ان میں سے ایک ان کے دنیاوی اعمال کی وجہ سے فعال ہوگا اور عملی صورت اختیار کرے گا اور دوسرا ان سے دور ہوگا۔

جالب بات یہ ہے کہ عامہ و خاصہ کی روایات کے مطابق جو بھی آخرت میں اپنے اعمال کی وجہ سے ثواب یا عذاب میں سے کسی ایک تک رسائی حاصل کرے گا تو اسے اس کی دوسری جگہ بھی دکھائی جائے گی (جس میں وہ جا سکتا تھا لیکن اپنے (نیک یا بد) اعمال کی وجہ سے وہ اس جگہ نہیں گیا) اسجگہ کو دیکھنے کے بعد اس شخص پر بہت گہرا اثر ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ علیہ السلام قَالَ: مَا خَلَقَ اللهُ خَلْقًا اِلَّا جَعَلَ لَهُ فِی الْجَنَّةِ مَنْزِلًا وَ فِی النَّارِ مَنْزِلًا

فَاِذا سَکَنَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَ اَھْلُ النَّارِ النَّارَ نَادیٰ مُنَادِیًا اَھْلَ الْجَنَّۃِ اَشْرِفُوا فَیُشْرِفُوْنَ عَلَی النَّارِ وَ تُرْفَعُ لَھُمْ مَنَازِلُھُمْ فِی النَّارِ ثُمَّ یُقَالُ لَھُمْ ھٰذِہِ مَنَازِلُکُمُ الَّتِیْ لَوْ عَصَیْتُمْ رَبِّکُمْ دَخَلْتُمُوْھَا فَلَوْ اَنَّ اَحداً مَاتَ فَرَحًا لَمَاتَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ ذَالِکَ الْیَوْمَ فَرَحاً بِمَا صُرِفَ عَنْھُمْ مِنَ الْعَذَابِ ثُمَّ یُنَادُوْنَ یَا مَعْشَرَ اَھْلِ النَّارِ اِرْفَعُوْا رُئُوْسَکُمْ فَانْظُرُوْا اِلیٰ مَنَازِلِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ فَیَرْفَعُوْنَ رُئُوْسَھُمْ فَیَنْظُرُوْنَ اِلیٰ مَنَازِلِھِمْ فِی الْجَنَّۃِ مَا فِیْھَا مِنَ النَّعِیْمِ فَیُقَالُ لَھُمْ ھٰذِہِ مَنَازِلِکُمُ الَّتِیْ لَوْ اَطَعْتُمْ رَبَّکُمْ دَخَلْتُمُوْھَا قَالَ فَلَوْ اَنَّ اَحداً مَاتَ حُزْناً لَمَاتَ اَھْلُ النَّارِ ذَالِکَ الْیَوْمُ حُزْنًا.

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو جنت اور جہنم (دونوں میں) اس کی جگہ کے بغیر خلق نہیں فرمایا ہے جس وقت اہل بہشت کو بہشت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں بھیجا جائے گا تو منادی اہل بہشت کو آواز دے گا: جہنم کی طرف دیکھو انہیں (جہنم میں) ان کا مقام دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا: اگر تم دنیا میں معصیت اور گناہ کا راستہ اختیار کرتے تو آج تم ان منازل میں مقیم ہوتے۔ امامؑ نے فرمایا: اگر خوشی کسی کی موت کا باعث بنتی تو اس روز اہل بہشت جہنم کے عذاب سے رہائی پانے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے اس کے بعد اہل جہنم کو پکارا جائے گا: اپنا سر بلند کرو اور بہشت میں اپنی جگہ دیکھ لو۔ وہ بہشت میں اپنی منازل اور وہاں موجود نعمتوں کو دیکھیں گے، پھر ان سے کہا جائے گا۔ یہ تمہاری منزل ہے اگر تم دنیا میں خدا کی اطاعت کرتے تو تمہاری جگہ یہاں ہوتی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اگر حزن وغم کسی کی موت کا باعث بنتا تو اس دن اہل جہنم غم کی شدت کی وجہ سے مر جاتے‘‘۔ [۱]

عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللہُ عَلَیْہِ وَ آلِہِ وَسَلَّمْ قَالَ: کُلُّ اَھْلِ النَّارِ یَریٰ مَقْعَدَہُ مِنَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ لَوْ اَنَّ اللہَ ھَدَانِیْ فَیَکُوْنُ عَلَیْہِ حَسْرَۃً وَ کُلُّ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَریٰ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ فَیَحْمَدُ اللہَ فَیَکُوْنُ لَہُ شُکْراً.

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ’’اہل جہنم میں سے ہر شخص بہشت میں اپنی جگہ دیکھے گا، افسوس کرے گا۔ اے کاش میں ہدایت یافتہ ہوتا اور دنیا میں راہ حق پر چلتا اور اہل بہشت میں سے بھی ہر شخص جہنم میں اپنی جگہ کا مشاہدہ کرے گا حمد خدا بجا لائے گا اور شکر نعمت ادا کرے گا‘‘۔ [۲]

---

[۱] عقاب الاعمال صفحہ 307

[۲] تفسیر درالمنثور جلد 5 صفحہ 333

نویں فصل

اہل بہشت اور اہل جہنم کے حالات

وَنَادَى أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ أَصْحٰبَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ط قَالُوا نَعَمْ ۝[1]

اور جنّتی لوگ جہنّمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے تو پالیا کیا تم نے بھی حسبِ وعدہ حاصل کرلیا ہے وہ کہیں گے بیشک۔

اس کائنات میں آج جو اچھے اور برے لوگ موجود ہیں وہ کل عالم آخرت میں اہل بہشت یا اہل جہنم ہوں گے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ انسان جب تک اس کائنات میں زندگی بسر کررہا ہے، اس کائنات کے طبیعی قوانین اور طور طریقوں کا پابند ہے اور جیسے ہی وہ عالم آخرت میں قدم رکھے گا اسے اس عالم (آخرت) کے قوانین اور ضوابط پر چلنا ہوگا، یہاں تک کہ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ عالم آخرت کا نظام تکوینی اس کائنات کے قوانین اور طریقوں سے اتنا فرق رکھتا ہے کہ ہرگز ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مقائسہ نہیں کیا جاسکتا۔ دنیاوی زندگی کے قوانین کے مطابق، انسان شکم مادر سے ضعیف اور ناتواں متولد ہوکر تدریجاً آہستہ آہستہ رشد اور تکامل کے مراحل طے کرتا ہے۔لیکن عالم آخرت میں قوانین حیات مشیت پروردگار سے تبدیل ہوتے ہیں۔ اور انسان ابتدا ہی سے جوان اور طاقتور مٹی کے شکم سے باہر نکلتا ہے، میدان حشر میں قدم رکھتا ہے اور پھر اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔

انسان اس دنیا میں مسلسل تبدیلی اور تغیر میں رہتا ہے وہ بچپن گزار کر نوجوانی میں قدم رکھتا ہے، نوجوانی کے چند سال گزارنے کے بعد جوان ہوجاتا ہے، اس کے بعد بوڑھا ہوکر آخرکار موت کے آنے سے اس دنیا سے کوچ کرجاتا ہے لیکن عالم آخرت میں وہ ثابت اور غیر متغیر وضعیت کا حامل ہوگا اس پر ضعف اور سستی اثر نہیں کرے گی، بوڑھا نہیں ہوگا اور نہ ہی موت اس کی زندگی کو ختم کرپائے گی۔ وہاں انسان کو ابدی عمر اور ہمیشہ کی زندگی عطا کی جائے گی۔مختصر یہ کہ اہل بہشت اور اہل جہنم کی عالم آخرت میں زندگی ایسی خصوصیات کی حامل ہوگی جن کا انسان کی موقت دنیاوی زندگی سے بہت فرق ہوگا۔ چونکہ اس فصل کا

---

[1] سورہ اعراف آیت 44

تعلق اہل بہشت اور اہل جہنم کے اوضاع اور حالات کو بیان کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ قارئین کرام کی مزید آگاہی کے لئے عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان موجود فرق کے بارے میں وضاحت بیان کی جائے۔

عالم دنیا اور عالم آخرت میں فرق

1۔ دنیا جنگ و جدل کا میدان اور عالم آکل و ماکول (وہ عالم جس میں کوئی کھاتا ہے تو کوئی کھایا جاتا) ہے۔اس کائنات کی ساری مخلوقات ایک دوسرے کا ضد، ایک دوسرے کے مقابل اور ایک دوسرے کی نابودی کا باعث ہے۔ یہاں موجود ہر چیز اپنے ضد کو ختم کرکے اسے اپنی غذا بنا لیتی ہے۔اسی وجہ سے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔نہ تو یہ دنیا باقی رہے گی اور نہ ہی اس میں موجود اشیاء ابدی اور ہمیشہ کے لئے ہیں۔

وجہانی پر شود از خار خس
آتشی محوش کند در یک نفس
زانکہ تو ہم لقمہ ای ہم لقمہ خوار
آکل و ماکول ای جان ہوش دار
مرغکی اندر شکار کرم بود
گربہ فرصت یافت آن را در ربود
آکل و ماکول بود آن بی خبر
در شکار خود زصیاد دگر
گر حشیش آب ضلالی می خورد
معدہ حیوانش در پی می چرد
آکل و ماکول آمد آن گیاہ
ہمچنین ہر ہستی غیر الہ
آکل و ماکول ایمن بود
زاکلی کاندر کمین ساکن بود

ترجمہ:

یہ پوری کائنات مٹی کا ڈھیر بن جائے گی، ایک ہی سانس میں آگ اسے ختم کر دے گی۔

اے انسان تم ہوشیار رہو کیونکہ تم لقمہ کھاتے بھی ہو اور خود بھی کسی کا لقمہ ہو۔ پرندے، کیڑے مکوڑوں کی تلاش میں ہوتے ہیں، اور جب بلی کو موقعہ ملتا ہے تو وہ پرندہ کو کھا لیتی ہے۔ اے بے خبر وہ کھاتی ہے اور کبھی خود خوراک بن جاتی ہے، خود شکار کے پیچھے ہے اور کبھی خود شکار ہو جاتی ہے۔ اگر گھاس پانی پیتے ہیں تو خود بھی حیوانات کی خوراک بن جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ گھاس کبھی کھاتا ہے تو کبھی خود کھایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام چیزیں اسی طرح ہیں۔

خداوند قدوس کے علاوہ ہر چیز کبھی شکار کرتی ہے تو کبھی خود دوسروں کا شکار ہو جاتی ہے وہ اس کھانے والے سے محفوظ نہیں جو مخفی ہوتا ہے۔

انسان کی ظاہری اور باطنی جنگ

انسان جو کہ اس عالم طبعیت کی موجودات میں سے ایک ہے یہ بھی اس عالم کی دیگر مخلوقات کی طرح ہمیشہ مختلف قسم کی کشمکش اور مختلف جنگ وجدال میں مصروف رہتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ انسان کو جن جنگوں کا سامنا ہے ان کی سطح بہت وسیع ہے اور ان کا انحصار صرف امور مادی، طبیعی اور حیوانی جنگوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ معنوی اور روحانی اعتبار سے بھی باہر کی طرح اپنے اندر کے ساتھ ہمیشہ جنگ وجدال میں مصروف رہتا ہے۔ ایک طرف ان کی سلامتی کو مرض، ان کی قوت کو کمزوری ان کی جوانی کو پیری، ان کے اطمینان کو اضطراب، ان کی امید کو ناامیدی اور ان کی خوشی کو غم میں تبدیل ہونے کا خوف رہتا ہے تو دوسری طرف ان کا ایمان کفر کے ساتھ، ان کی توحید شرک کے ساتھ، ان کے فضائل، رذائل کے ساتھ، ان کا خلوص خواہشات نفسانی کے ساتھ اور ان کی انسانیت حیوانیت کے ساتھ ہمیشہ جنگ وجدال میں مصروف رہتے ہیں۔

این جہان جنگ است چون کل بنگری
ذرہ ذرہ ہمچو دین با کافری
جنگ فعلی جنگ طبعی جنگ قول
دمیان جزوہا حربی است ہول
ہر خیالی را خیالی می خورد
فکر آن فکر دگر رامی چرد

پس بنای خلق بر اضداد بود

لاجرم جنگی شدند از ضر وسود

ترجمہ:

اگر تم کلی طور پر اس دنیا کو دیکھو تو یہ پوری دنیا جنگ ہے۔اس کا ہر ذرہ ایسے ہے جیسے دین اور کافر ہوتے ہیں۔ یہاں کہیں جنگ فعلی ہے، تو کہیں جنگ طبعی اور جنگ قولی۔ ہر خیال کو ایک اور خیال کھاتا ہے۔ایک فکر، دوسری فکر کو کھاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات کی بنیاد ایک دوسرے کے ضد پر ہے تو یقیناً نفع اور نقصان کے لحاظ سے سب ایک قسم کی جنگ میں مصروف ہیں۔

نظام تکوینی اور تشریعی میں مشکلات اور پریشانیاں

انسان کو اس طرح خلق کیا گیا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے اور اضداد پر مشتمل کائنات میں زندگی بسر کر رہا ہے ہمیشہ مشقت اور پریشانی میں گرفتار رہتا ہے اور کبھی بھی اسے سختیوں اور پریشانیوں سے نجات نہیں ملتی نہ ہی وہ کائنات کے تکوینی تضاد کو دور کر کے کائنات کے نظام میں تبدیلی لانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی حالت کو تبدیل کر کے خود کو دنیا کی تکلیفوں سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔قرآن مجید انسان کے بارے میں فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ۝[1]

”ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا بنایا ہے“

عَنْ عَلِيٍ علیہ السلام قَالَ: دَارٌ بِالْبَلَاءِ مَحْفُوْفَةٌ وَبِالْغَدْرِ مَعْرُوْفَةٌ.[2]

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ”دنیا ایسا گھر ہے جسے بلاؤں اور آفات نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور اس کی پہچان مکر وفریب سے ہے“۔

انسان کے لئے اس عالم میں مشقت اور سختی صرف اس کے تکوینی پہلو کے ساتھ منحصر نہیں ہے، بلکہ وہ تشریعی لحاظ سے بھی زحمات اور تکالیف میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ دینی وضائف کو انجام دینا سنگین وزن ہے اور اس کی ادائیگی سختی کو برداشت کرنے سے ہوتی ہے۔اسی وجہ سے وظائف شرعیہ کو تکلیف کہا گیا ہے، کیونکہ اسے تکلیف اور بے رغبتی کے ساتھ

---

[1] سورہ بلد آیت 4

[2] نہج البلاغہ خطبہ 226

انجام دیا جاتا ہے۔

قَالَ عَلِیٌ علیہ السلام : وَاعْلَمُوْا اَنَّهُ مَا مِنْ طَاعَةِ اللهِ شَیْءٌ اِلَّا یَأْتِی فِیْ كُرْهٍ وَمَا مِنْ مَعْصِيَّةِ اللهِ شَیْءٌ اِلَّا یَأْتِی فِیْ شَهْوَةٍ.

''تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی ایسی اطاعت نہیں ہے جو بے رغبتی کے ساتھ انجام نہ دی جائے۔ اور کوئی بھی خدا کی نافرمانی پر مشتمل کام نہیں ہے جسے رغبت اور شہوت کے ساتھ انجام نہ دیا جائے''۔ [أ]

نظام تکوینی اور تشریعی میں مشکلات اور سختیوں کے فائدے

اگر کوئی پوچھے کہ نظام تکوینی اور تشریعی میں سختیوں اور مشکلات کا ہونا کیوں ضروری ہے اور اس سے انسان کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ سختیوں اور تکالیف کا سرچشمہ مخالفت اور تضاد ہے نظام تکوینی اور تشریعی میں ضد ترقی اور کمال کے معراج طے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ انسان جتنا زیادہ ضد سے صحیح استفادہ کرے گا اسی مقدار سے وہ کمال معنوی اور کمال مادی تک رسائی حاصل کر سکے گا۔

مثال:

نظام تکوینی میں بیماری انسان کی تندرستی کی ضد ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ناراحتی اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بیماری انسان کی زندگی کو تلخ اور ناگوار بنا دیتی ہے، اور یہی بیماری بعض اوقات اس کی موت کا باعث بنتی ہے۔ جس کے سبب سمجھدار انسان مرض کا علاج، معالجہ تلاش کرنے لگے، انہوں نے علم کے حصول کے لئے کوششیں کیں، تحقیق کی، بیماریوں کی شناخت اور ان کے علاج، معالجہ کے لئے بھی بہت کوششیں کیں، جس کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علم طب میں بہت ترقی ہوئی، اور آج انہوں نے علم طب میں کمال کے درجہ تک رسائی حاصل کر لی ہے۔

نظام تشریعی میں بھی خواہشات نفسانی کی آزادی، انسان کی روح کے کمال تک پہنچنے اور اخلاقی کرامات کے ساتھ تضاد رکھتی ہے۔ جو چاہتا ہے کہ انسان ہو، انسانوں کی طرح زندگی گزارنے اور انسان ہو کر مرے اسے چاہیے کہ اپنی خواہشات میں میانہ روی سے کام لے، اخلاقی فسادات اور درندہ صفتوں سے پرہیز کرے اور خود کو اوصاف حمیدہ اور انسانی صفات سے مزین کرے لوگوں کو انبیاء کرام کے آئین نے سکھایا ہے کہ یہ کامیابی انہیں ایمان اور فرائض کی ادائیگی اور محرمات

[أ] یعنی انسان خدا کے احکامات کو اپنی رغبت اور دلچسپی سے انجام نہیں دیتا اور اگر کوئی خدا کی نافرمانی پر مشتمل کام ہو تو اسے انسان خوشی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیتا ہے (مترجم)

سے دوری کی تکلیف اور مشقت کو برداشت کرنے سے حاصل ہوگی۔انسان کے پاس جتنا ایمانی سرمایہ زیادہ ہوگا، جتنا وہ اپنے دینی فرائض پر عمل کرے گا اور اس کی تکلیف کو جتنا برداشت کرے گا اسی مقدار میں وہ کمال کے درجات زیادہ طے کر کے انسانیت کے عالی درجات تک رسائی حاصل کرلے گا۔مختصر یہ کہ اس فانی دنیا کی بنیاد نظام تضاد پر رکھی گئی ہے اور اس عالم کی تمام موجودات ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ حالت جنگ وجدال میں رہتی ہے۔اسی تضاد کی وجہ سے انسان کو تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور دوسری طرف (یہی تضاد) انسان کے لئے کمال تک رسائی کا سامان مہیا کرتا ہے۔لیکن عالم آخرت میں نظام تکوینی اور خلقت کی بنیاد تضاد پر نہیں رکھی گئی، اس جہان کی مخلوقات ایک دوسرے کے ساتھ جنگ وجدال میں مصروف نہیں رہتی اور ایک دوسرے کے لئے ہلاکت کا سامان مہیا نہیں کرتی، اس وجہ سے آخرت دار خلود اور عالم جاودانی ہے اور وہاں کی موجودات ابدی ہے، چونکہ وہاں موت کی رسائی نہیں ہوسکتی اس لئے وہاں موجود مخلوق فنا نہیں ہوگی۔قرآن مجید اہل بہشت کی حیات جاودانی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۝[۱]

''اور وہاں پہلی موت کے علاوہ کسی موت کا مزہ نہیں چکھنا ہوگا''۔

عالم آخرت میں نہ فقط موت نہیں ہوگی بلکہ بعض تبدیلیاں جو دنیا میں تقابل اور تضاد کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی آخرت میں ظاہر نہیں ہونگی۔من جملہ قرآن مجید اہل بہشت کے لئے گرمی اور سردی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۝[۲]

''نہ آفتاب کی گرمی دیکھیں گے اور نہ سردی''

آن جہان جز باقی و آباد نیست
زانکہ ترکیب وی از اضداد نیست
نفی ضد کرد از بہشت بی نظیر
کہ نباشد شمس و ضدش زمہریر

مقصود اشعار:

وہ عالم ہمیشہ باقی اور آباد رہے گا کیونکہ وہ اضداد سے مل کر نہیں بنا۔بہشت اپنی ضد (یعنی

---

[۱] سورہ دخان آیت نمبر 56

[۲] سورہ انسان آیت 13

جہنم) کی نفی کرتی ہے (یعنی اہل جنت پر عذاب اور سختی ہو یہ ممکن نہیں ہے) جیسا کہ سورج کے ہوتے ہوئے اندھیرے کا تصور نہیں جا سکتا۔

بہشت میں پریشانیوں کا نہ ہونا

عامہ و خاصہ کی متعدد روایات کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ بہشت میں تکالیف اور مشقت نہیں ہوگی۔ وہاں کی نعمتیں پریشانیوں کے ذریعے حاصل نہیں ہوں گی اور اہل بہشت دنیا میں جن متضاد تکلیف دینے والی تبدیلیوں میں مبتلا تھے وہاں وہ بھی نہیں ہوں گی۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ: اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَحْيَوْنَ فَلَا يَمُوْتُوْنَ اَبَدًا وَ يَسْتَيْقِظُوْنَ فَلَا يَنَامُوْنَ اَبَداً وَيَسْتَغْنُوْنَ فَلَا يَفْتَقِرُوْنَ اَبَداً وَ يَفْرَحُوْنَ فَلَا يَحْزَنُوْنَ اَبَداً وَ يَضْحَكُوْنَ فَلَا يَبْكُوْنَ اَبَداً وَيُكْرَمُوْنَ فَلَا يُهَانُوْنَ اَبَداً۔[1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اہل بہشت زندہ ہیں اور ہرگز انہیں موت نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ بیدار ہیں انہیں ہرگز نیند نہیں آتی، وہ ہمیشہ بے نیاز رہتے ہیں اور کبھی بھی وہ محتاج نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور کبھی بھی غمگین نہیں ہوتے، ان کے لب ہمیشہ مسکراتے ہیں وہ کبھی بھی گریہ نہیں کرتے، ہمیشہ ان کا احترام کیا جاتا ہے کبھی انہیں ذلت و خواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔''

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يُنَادِیْ مُنَادٍ اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا وَلَا تَمُوْتُوْا اَبَداً وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقُمُوْا اَبَداً وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَداً وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَداً۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس وقت اہل بہشت، جنت میں داخل ہوں گے تو ایک منادی صدا دے گا: اللہ تعالیٰ کا تمہارے لئے فیصلہ یہ ہے کہ تم ہمیشہ زندہ رہو اور کبھی بھی تمہیں موت نہ آئے، ہمیشہ سلامتی کی نعمت سے بہرہ مند رہو اور کبھی بھی تم بیمار نہ ہو جاؤ ہمیشہ جوان رہو اور کبھی بھی بوڑھے نہ ہو جاؤ، ہمیشہ نعمتوں سے استفادہ کرو اور غم سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہو''۔[2]

---

[1] لئالی الاخبار صفحہ 429

[2] جامع الاصول ابن اثیر، جلد 11 صفحہ 154

جہنم میں عذاب کا کم نہ ہونا

عالم آخرت میں عذاب میں مبتلا لوگ بھی اس عالم کے قوانین تکوینی اور دائمی طور طریقوں میں شامل ہوں گے، اہل بہشت کی طرح ان کی وضعیت ہمیشہ کے لئے ثابت رہنے والی ہوگی ان کو نہ موت آئے گی اور نہ ہی ان کے درد میں کمی ہوگی، نہ وہ بے ہوش ہونگے اور نہ ہی انہیں نیند آئے گی۔ جس طرح اہل بہشت ہمیشہ خوش رہنے والے ہیں اسی طرح اہل جہنم کا عذاب بھی ہمیشہ کے لئے ہوگا۔

قرآن مجید اہل جہنم کی دائمی زندگی اور ان کے مسلسل عذاب کے بارے میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ○[1]

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آتش جہنّم ہے اور نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ عذاب ہی میں کوئی تخفیف کی جائے گی۔

جہنم سے چھٹکارا

اس نکتہ کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ اتقیاء اور نیک افراد کے لئے بہشت ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جو بھی اس رحمت کے مرکز تک رسائی حاصل کر کے جنت میں قدم رکھے گا وہ ہمیشہ کے لئے وہاں رہے گا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ کرے گا۔ لیکن جہنم اکثر گناہگاروں کے لئے موقت جگہ ہے، وہاں انہیں معین مدت تک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور جب وہ گناہوں سے پاک ہوجائیں گے اور ان سے گناہ کا داغ مٹ جائے گا تو وہ جہنم سے نکل کر بہشت میں جائیں گے۔ جہنم سے گناہگار افراد مختلف طریقون سے باہر نکلیں گے بعض افراد اپنی سزا کے تمام ایام جہنم میں گزار کر مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد آزاد ہوں گے بعض اپنی سزا کے ایام ختم ہونے سے قبل ہی شفیعوں کی شفاعت میں شامل ہوکر آزاد ہوجائیں گے، بعض عفو الٰہی میں شامل ہوکر خداوند عالم کی وسیع رحمت کے زیر سایہ جہنم سے خارج ہوں گے۔ بعض کو ابتدا ہی سے ایسی جگہ وقتی طور پر قید کیا جائے گا جہاں آگ نہیں ہوگی اور پھر تھوڑے عرصہ بعد انہیں وہاں سے آزاد کیا جائے گا۔ یہ تمام مطالب خاصہ و عامہ کی متعدد روایات میں موجود ہیں، یہاں بطور نمونہ چند احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے:

فِيْمَا كَتَبَ الرِّضَا عليه السلام لِلْمَاْمُوْنِ وَ مُذْنِبُوْا اَهْلَ التَّوْحِيْدِ يَدْخُلُوْنَ النَّارَ وَ يَخْرُجُوْنَ

---

[1] سورہ فاطر آیت 36

مِنْهَا وَ الشَّفَاعَةُ جَائِزَةٌ لَهُمْ.

اپنے ایک مکتوب میں امام رضا علیہ السلام نے جو مطالب مامون کو لکھے تھے ان میں یہ کلمات بھی تھے۔''وہ گناہگار جو موحد ہیں آگ میں جائیں گے لیکن توحید کی وجہ سے آگ سے باہر آئیں گے اس گروہ کے لئے شفیعوں کی شفاعت اور رضائے الٰہی دونوں شامل ہونگی۔یعنی ممکن ہے وہ شفاعت کے وسیلہ جہنم سے نجات پالیں''۔[۱]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِالشَّفَاعَةِ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''قیامت میں کچھ لوگ شفاعت کے ذریعے جہنم سے خارج ہوں گے اور ان کی سزا معاف کی جائے گی''۔[۲]

محبت اہلبیت علیہم السلام

قَالَ رَجُلٌ لِإِمْرَأَتِهِ اِذْهَبِيْ اِلٰى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَسَلَّمَ فَاسْئَلِيْهَا عَنِّيْ اَنَا مِنْ شِيْعَتِكُمْ فَسَئَلَتْهَا فَقَالَتْ قُوْلِيْ اِنْ كُنْتَ تَعْمَلُ بِمَا اَمَرْنَاكَ وَ تَنْتَهِيْ عَمَّا زَجَرْنَاكَ فَاَنْتَ مِنْ شِيْعَتِنَا وَ اِلَّا فَلَا فَرَجَعَتْ وَ اَخْبَرَتْهُ فَقَالَ يَا وَيْلَا وَ مَنْ يَنْفِكُّ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ الْخَطَايَا فَاَنَا اِذًا خَالِدٌ فِي النَّارِ فَرَجَعَتِ الْمَرْئَةُ فَقَالَتْ لِفَاطِمَةَ قُوْلِيْ لَهُ لَيْسَ هٰكَذَا اِنَّ شِيْعَتَنَا مِنْ خِيَارِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ كُلُّ مُحِبِّيْنَا اِذَا خَالَفُوْا اَوَامِرَنَا وَ نَوَاهِيَنَا لَيْسُوْا مِنْ شِيْعَتِنَا وَهُوَ مَعَ ذَالِكَ فِي الْجَنَّةِ بَعْدَ مَا يَطْهُرُوْنَ مِنْ ذُنُوْبِهِمْ بِالْبَلَايَا وَ الرَّزَايَا. اَوْعَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ بِاَنْوَاعِ شَدَائِدِهَا اَوْ فِي الطَّبَقِ الْاَعْلٰى فِيْ جَهَنَّمَ بِعَذَابِهَا اِلٰى اَنْ يَسْتَنْقِذَهُمْ بِحُبِّنَا مِنْهُمْ اَوْ نَنْقُلَهُمْ بِحَفْرَتِنَا.[۳]

ایک شخص نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے میرے بارے میں پوچھو کہ کیا میں ان کا شیعہ ہوں؟ عورت حضرت زہراء علیہا السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کا سوال ان کے سامنے پیش کیا۔بی بی نے اس کے سوال کے جواب میں فرمایا: اسے (اپنے شوہر کو) کہہ دو اگر تم ان باتوں پر عمل

---

[۱] بحار الانوار جلد 3 صفحہ 301
[۲] جامع الاصول جلد 11 صفحہ 164
[۳] لئالی اخبار صفحہ 485

کرتے ہو جن کا ہم نے حکم دیا ہے اور ان باتوں سے پرہیز کرتے ہو جن سے ہم نے روکا ہے تو ہمارے شیعہ ہو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے شیعہ نہیں ہو۔ عورت نے اپنے شوہر کے پاس آ کر حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کا جواب اس کے سامنے بیان کر دیا جسے سن کر شوہر کہنے لگا: مجھ پر افسوس ہے کیونکہ میں گناہوں سے پاک نہیں لہٰذا ضرور مجھے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ عورت دوبارہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور جو کچھ اس کے شوہر نے کہا تھا سب بی بی کے سامنے بیان کیا۔ جناب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''جا کر اپنے شوہر سے کہو ایسا نہیں ہے جیسا تم گمان کر رہے ہو ہمارے سچے شیعہ اہل بہشت کے ممتاز اور برگزیدہ افراد میں سے ہیں۔ لیکن جو ہمارے محب اور ہم سے محبت کرنے والے کسی گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ہمارے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرتے ہیں، حالانکہ وہ شیعہ نہیں ہیں پھر بھی بہشت میں جائیں گے۔ لیکن گناہوں سے پاک ہونے کے بعد اور ان کا گناہوں سے پاک ہونا اس طرح ہوگا کہ یا وہ دنیا کے مصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوں گے یا محشر کی سختیاں انہیں پاک کر دیں گی یا پھر انہیں جہنم کے سب سے پہلے طبقہ (یعنی سب سے کم سزا والی جگہ) میں عذاب دیا جائے گا۔ تاکہ خداوند عالم ان کو حب اہل بیت (علیہم السلام) کی وجہ سے عذاب سے نجات دے۔ یا ہم خود اپنے محبوں کو اپنے پاس بلا لیں۔''

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ علیہ السلام قَالَ : اَصْحَابُ الْحُدُوْدِ فُسَّاقٌ لَا مُؤْمِنُوْنَ وَلَا كَافِرُوْنَ وَلَا يُخَلَّدُوْنَ فِي النَّارِ وَ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا يَوْمًا وَ الشَّفَاعَةُ جَائِزَةٌ لَهُمْ.[1]

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ لوگ جو ایسا گناہ انجام دیتے ہیں جو حدود شرعی رکھتا ہو، وہ فاسقوں کی صف میں ہیں۔ نہ وہ نیک مومنین میں سے ہیں اور نہ ہی اسلام سے خارج کفار ہیں وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہیں گے بلکہ ایک دن اس سے خارج ہوں گے، علاوہ ازیں ممکن ہے کہ شفاعت ان کے شامل حال ہو اور وہ معین وقت سے پہلے ہی عذاب سے نجات پا لیں۔

جہنمیوں کی نجات

بعض روایات کے مطابق اہل عذاب کے عذاب سے نجات پانے کے علاوہ بھی پروردگار عالم کا عفو و مغفرت بہت سے جہنمیوں کے شامل حال ہوگا۔ اور وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی عذاب سے نجات پا لیں گے اور بخشے جائیں گے۔ جس کی وجہ سے انہیں جہنم سے چھٹکارا ملے گا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ

---

[1] بحار جلد 3 صفحہ 301

الْقَضَاءِ بَيْنَ الْخَلْقِ اَخْرَجَ كِتَابًا مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ وَ اَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً اَوْ قَبْضَتَيْنِ فَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ خَلْقٌ كَثِيْرٌ لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا مَكْتُوْبٌ بَيْنَ اَعْيُنِهِمْ عُتَقَاءُ اللهِ.

ابن عباسؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جس وقت قیامت میں اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہوجائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک کتاب باہر نکالے گا جس میں لکھا ہوگا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور میرا عفو اور تفضّل ہر بخشنے والے اور صاحب فضل سے زیادہ ہے پس ایک یا دو مرتبہ رحمت کے غلبہ کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگ جنھوں نے اپنی پوری زندگی میں کوئی خیر کا عمل ہی انجام نہ دیا ہوگا آگ سے باہر نکلیں گے اور اس گروہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: ''خداوند عالم کے آزاد کردہ''۔ [1]

بغیر آگ کی سزا

بعض گناہگاروں کی سزا صرف مدت معین تک قید میں رہنا ہوگی اور وہ اس مدت کے گزرنے کے بعد آزاد ہوجائیں گے۔ اس گروہ کے بارے میں جو حدیث بیان ہوئی ہے اس میں جہنم اور آگ کا تذکرہ نہیں ملتا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جہنم کے علاوہ کسی اور جگہ قید میں رکھا جائے گا۔

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عليه السلام قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْبَسُ عَلٰى ذَنْبٍ مِنْ ذُنُوْبِهٖ مِاَةَ عَامٍ اِنَّهُ لَيَنْظُرُ اِلٰى اَزْوَاجِهٖ فِي الْجَنَّةِ يَتَنَعَّمْنَ.

امام صادق علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''بندہ اپنے ایک گناہ کی وجہ سے سو سال تک قید کیا جائے گا اور وہ قید خانہ میں اپنے اہل خانہ کو دیکھے گا کہ وہ بہشت کی نعمتوں سے استفادہ کررہے ہیں''۔ [2]

وہ گروہ جن کے لئے جہنم ہمیشہ رہنے کا مقام ہے اور ہمیشہ وہاں ان پر عذاب رہے گا، وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں خود کو جہنمی بنایا ہوگا اور اپنی زندگی شرک، کفر، پلیدی، فساد اور دیگر ناپسندیدہ کاموں میں گزاری ہوگی۔ اس طرح کے گروہ کی جہنم وہی ان کے بداعمال اور بدنیتیں ہیں جنہیں انہوں نے اپنے اندر رکھا تھا اور آج وہ مجسم صورت اختیار کرچکی ہیں۔ اس لئے نہ تو وہ خود جہنم سے نجات پاسکتے ہیں اور نہ ہی جہنم انہیں چھوڑے گی۔

---

[1] تفسیر در المنثور جلد 3 صفحہ 6

[2] کافی جلد 2 صفحہ 272

خلاصہ:

عالم آخرت میں اہل بہشت اور اہل جہنم کی سب سے پہلی صفت ان کا ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہے، وہاں انہیں تزاحم وتضاد، جنگ وجدال، کمزوری اور بیماری، بوڑھا ہونے یا بدصورت ہوجانے، یہاں تک کہ انہیں موت کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔اور انسان وہاں ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

آخرت میں اعمال کا کردار

جس عالم میں اس وقت ہم زندگی بسر کررہے ہیں یہ تکلیف کا گھر اور خودسازی کی کلاس ہے۔یہاں کچھ لوگ انبیاء کرامؑ کی پیروی کرتے ہوئے، اور آسمانی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے پاکیزگی اور نیکی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اس طرح وہ تدریجاً کمال کے مدارج طے کرتے ہیں، خودکو اہل بہشت کے اوصاف سے آراستہ کرکے اپنے لئے سعادت ابدی حاصل کرلیتے ہیں۔

کچھ لوگ شہوات اور خواہشات نفسانی کی پیروی کے ذریعہ حق وسچ کا راستہ ترک کردیتے ہیں، پاکیزگی اور فضیلت کے راستے سے منحرف ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ پستی اور ضلالت کا راستہ اختیار کرکے اپنے لئے جہنم کی زمینہ سازی کرتے ہیں۔

خلاصہ:

بہشت اور جہنم اچھے اور برے افکار کا نتیجہ اور لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کا ماحصل ہیں۔نہ تو کوئی بغیر حساب وکتاب کے بہشتی بنتا ہے اور نہ ہی کوئی بغیر سبب کے جہنمی قرار پاتا ہے۔

البتہ دنیا کے اچھے اور برے اعمال آخرت کے انعام یا سزا کے ساتھ کس مربوط ہیں یہ بات ہمارے لئے مجہول اور ناآشنا ہے۔

فعل مردم نیست ہمرنگ جزا
ہیچ قسمت نیست مانند عطا
مزد مزدوران نمی ماند بکار
کان عرض وین جوہر است و
پایدار

آن ہمہ سختی و زور است عرق
وین ہمہ سیم است زر بر طبق
گر ترا آید زجایی تہمتی
کردہ مظلومت دعا در محنتی
تو ہمی گوی کہ من آزادہ ام
بر کسی من تہمتی ننہادہ ام
تو گناہی کردہ ای شکل دگر
دانہ کشتی دانہ کی ماند بہ بر

ترجمہ:

لوگوں کا کام جزا کی طرح نہیں ہے، کسی بھی خدمت کے برابر صلہ دینا محال ہے مزدوروں کو ان کے کام کی نسبت مزدوری نہیں ملتی کیونکہ وہ عرض ہے اور یہ جوہر اور پائیدار۔ محنت سختی اور عرق ریزی کا کام ہے جبکہ تنخواہ فقط تشت پر رکھے سکوں پر مشتمل ہے اگر کسی جگہ تم پر تہمت لگائی جائے تو درحقیقت اس نے تم پر الزام نہیں لگایا بلکہ تمہارے حق میں دعا کی ہے۔ جب تم کہتے ہو کہ میں آزاد انسان ہوں کیونکہ میں نے آج تک کسی پر تہمت نہیں لگائی تو درحقیقت تم نے (تکبر کر کے) ایک اور انداز سے گناہ کیا ہے تم نے ایک بیج بویا ہے اسے تیار ہونے سے پہلے مت کاٹو۔

وہ لوگ جو یہ توقع رکھتے ہیں کہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے ان کے بارے میں خدا وند عالم فرماتا ہے:

اَیَطۡمَعُ کُلُّ امۡرِیٍٔ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّدۡخَلَ جَنَّۃَ نَعِیۡمٍ کَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّمَّا یَعۡلَمُوۡنَ○[1]

کیا ان میں سے ہر ایک کی طمع یہ ہے کہ اسے جنت النعیم میں داخل کر دیا جائے ہرگز نہیں انہیں تو معلوم ہے کہ ہم نے انہیں کس چیز سے پیدا کیا ہے۔

---

[1] سورہ معارج آیت 38، 39

بہشت متقی لوگوں کی قیام گاہ

بہشت نیک اور متقی لوگوں کی جگہ ہے اور اس تک وہ لوگ پہنچیں گے جنہوں نے دنیا میں کوشش کی ہوگی اپنے نفس کا تزکیہ کیا ہوگا، خود کو اخلاقی جرائم کے ارتکاب اور گناہوں سے پاک رکھا ہوگا اور جنت تک رسائی کے لئے اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہو۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ علیہ السلام اِنَّهٗ قَالَ فِیْ رِسَالَتِهٖ اِلٰی اَصْحَابِهٖ وَ اِیَّاکُمْ وَ مَعَاصِیَ اللهِ اَنْ تَرْکَبُوْهَا فَاِنَّهٗ مَنِ انْتَهَكَ فِیْ مَعَاصِی اللهِ فَرَکِبَهَا فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الْاِسَاءَةِ اِلٰی نَفْسِهٖ وَ لَیْسَ بَیْنَ الْاِحْسَانِ وَ الْاِسَاءَةِ مَنْزِلَةٌ فَلِاَهْلِ الْاِحْسَانِ عِنْدَ رَبِّهِمُ الْجَنَّةُ وَ لِاَهْلِ الْاِسَاءَةِ عِنْدَ رَبِّهِمُ النَّارُ.

امام صادق علیہ السلام نے جو کتاب اپنے اصحاب کے لئے لکھی تھی اس میں آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ ”خدا کی نافرمانی سے پرہیز کرو کیونکہ جو بھی حیا نہیں رکھتا اور گناہ انجام دیتا ہے، وہ اپنے نفس پر بہت ظلم کرتا ہے اور نفس کے ساتھ نیکی اور اس کے ساتھ بدی میں کوئی اور منزل فاصلہ نہیں ہے، جو لوگ اپنے نفس کے ساتھ نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور بہشت ہے اور جو اپنے ساتھ بدی کرتے ہیں ان کے لئے خدا کے پاس آگ ہے“۔[1]

جہنم بدکردار لوگوں کی قیام گاہ

جس طرح اچھے لوگ دنیا میں اپنے نیک اعمال کے ذریعے خود کو بہشتی بناتے ہیں اور آخرت میں رحمت پروردگار سے استفادہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح اہل جہنم بھی اپنی بداخلاقی، ناپسندیدہ اعمال جنہیں وہ انجام دیتے تھے کے ذریعے خود کو جہنمی بنا کر اس میں داخل ہوتے ہیں۔

اہل جہنم کا جہنم کے ساتھ تناسب

قرآن مجید نے جہنم کے ساتھ اہل جہنم کے تناسب اور جنسیت کو ماں کے ساتھ اولاد کے تناسب اور جنسیت کی طرح کہا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ نَارٌ حَامِیَةٌ ○[2]

---

[1] مستدرک الوسائل جلد 2 صفحہ 313

[2] سورۂ قارعہ آیت 8، 9، 10، 11۔

اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا مرکز ہاویہ ہے اور تم کیا جانو کہ ہاویہ کیا مصیبت ہے یہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

ماں اور اولاد کے درمیان مختلف جہات سے ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت اور جنسیت پائی جاتی ہے اولا درحم مادر میں پلتی اور اس سے غذا حاصل کرتی ہے۔ ولادت کے بعد، اس کا جسم ماں سے رشد اور تکامل کرتا ہے اور اس کا اخلاق، ماں کے گفتار و کردار سے بنتا ہے، مختصر یہ کہ اولاد جسمی اور روحانی اعتبار سے ماں کی جنس سے ہوتی ہے اور اس کا سارا وجود اس سے ہے اور اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور طبیعی طور پر وہ اسی جانب کھینچا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل جہنم کی جہنم کے ساتھ مناسبت اور سنخیت کے درجات کو بیان کرنے کے لئے، جہنم کو ماں اور گناہگار کو جہنم کی اولاد کہا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○[1]

اس کا مرکز ہاویہ ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ:

اِذَامَاتَ الْعَبْدُ تَلَقّٰی رُوْحُهٗ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ مَا فَعَلَ فَلَانٌ؟ فَاِذَا قَالَ مَاتَ قَالُوْا ذُهِبَ بِهٖ اِلٰی اُمِّهِ الْهَاوِيَّةِ فَبِئْسَتِ الْاُمُّ وَبِئْسَتِ الْمُرَبِّيَّةُ.

مذکورہ آیت کریمہ کے ذیل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے کہ: ''جب کوئی بندہ مرتا ہے اور اس کا روح دیگر مومنین کے ارواح سے ملاقات کرتا ہے تو وہ اس سے پوچھتے ہیں: فلاح شخص کیا کرتا ہے؟ اگر وہ ان کے جواب میں کہتا ہے کہ وہ مر گیا ہے۔ اور وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا روح مومنین کے ساتھ ملحق نہیں ہوا تو وہ کہتے ہیں: وہ اپنی ماں آگ کے پاس گیا ہے۔ یہ کتنی بری ماں اور کتنی بری تربیت کرنے والی ہے''۔[2]

یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے کلام میں ایک اور طرح سے بیان ہوئی ہے:

فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلَّ وَلَدٍ سَيُلْحَقُ بِاُمِّهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

''پس آخرت کے فرزندوں سے ہونا، دنیا کے بچوں سے نہ ہونا، کیونکہ عنقریب قیامت کا دن آئے گا اور ہر فرزند

---

[1] سورہ قارعہ آیت 9

[2] تفسیر درمنثور جلد 6 صفحہ 385

اپنی ماں کے ساتھ ملحق ہوجائے گا‘‘۔[1]

اہل جہنم کے سامنے جہنم کی وضعیت ایسے بھوکے حیوان کی طرح ہوگی جسے اپنا کوئی پسندیدہ شکار نظر آجائے، وہ اپنے اس شکار کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے، اپنی پوری طاقت استعمال کرتا ہے اور غصہ اور شوق کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے، قرآن مجید فرماتا ہے:

إِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ○[2]

جب آتش جہنم ان لوگوں کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش وخروش کی آوازیں سنیں گے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مِنْ مَسِيْرَةِ سَنَةٍ.

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’جہنم ایک سال کی مسافرت کے فاصلے سے گناہگار کو دیکھتی ہے‘‘۔[3]

اہل جہنم کے ساتھ جہنم کی جنسیت اور تناسب جہنم کو نہ صرف دور سے غصہ دلاتی ہے بلکہ جہنم کے اندر بھی، جہنمیوں کا ہونا جہنم کے شعلوں میں اضافہ کرتا ہے یہ مطلب بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

إِذَآ أُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ○[4]

جب بھی وہ اس میں ڈالے جائیں گے اس کی چیخ سنیں گے اور وہ جوش مار رہا ہوگا بلکہ قریب ہوگا کہ جوش کی شدت سے پھٹ پڑے۔

جہنم کا ایندھن

قرآن مجید میں اہل جہنم کی جہنم کے ساتھ مناسبت اور جنسیت کو بیان کرنے کے لئے اور تعبیریں بھی بیان ہوئی ہیں: قرآن مجید ان افراد کے بارے میں جو حسد کی بنا پر آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے، فرماتا ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○[5]

اور اگر تم ایسا نہ کر سکے اور یقیناً نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جسے کافرین

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ 41 شرح ابن میثم جلد 2 صفحہ 106
[2] سورہ فرقان آیت 12
[3] تفسیر مجمع البیان جلد 7، 8 صفحہ 163
[4] سورہ ملک آیت نمبر 7، 8
[5] سورہ بقرہ آیت 24

کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔

وضاحت:

وہ ہیٹر جنہیں لکڑی، کوئلے یا پیٹرول کے ذریعے جلایا جاتا ہے، ان کے جلنے اور مشتعل ہونے کے لئے آگ اور ایندھن کی ضرورت پڑتی ہے لیکن، وہ ہیٹر جو بجلی کے ذریعے حرارت پیدا کرتے ہیں انہیں نہ تو ماچس کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی ایندھن کے محتاج ہوتے ہیں بلکہ بجلی کے ساتھ مل جانے سے خود بخود وہ جلتے اور حرارت پیدا کرتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کی یہ حرارت تیز ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ بہت جلد حرارت کے آخری درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

مشرکین اپنے خراب افکار، بداخلاقی اور بداعمالی کے ذریعے خود کو دنیا ہی میں جہنمی بنا لیتے ہیں۔ اس لئے قیامت میں ان کے جلنے کے لئے انہیں ایندھن کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود ہی اپنے لئے ایندھن ہوتے ہیں۔ جیسے ہی انہیں جہنم کے پاس لایا جاتا ہے وہ جلنے لگتے ہیں پھر مشتعل ہو کر اپنے ہی شعلوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے کہ انسان اور پتھر جہنم کا ایندھن ہیں علمائے تفسیر نے پتھر کے ایندھن ہونے کے بارے میں کچھ احتمالات بیان کئے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ پتھروں سے وہ بت مراد ہیں جن کی مشرکین عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض مفسروں نے اس احتمال کو قرآن مجید کا مورد تائید قرار دیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَہَا وٰرِدُوۡنَ لَوۡ کَانَ ہٰۤؤُلَآءِ اٰلِـہَۃً مَّا وَرَدُوۡہَا ؕ وَکُلٌّ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ○[1]

یاد رکھو کہ تم لوگ خود اور جن چیزوں کی تم پرستش کر رہے ہو سب کو جہنّم کا ایندھن بنایا جائے گا اور تم سب اسی میں وارد ہونے والے ہو اگر یہ سب واقعاً خدا ہوتے تو کبھی جہنّم میں وارد نہ ہوتے حالانکہ یہ سب اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جہنم میں بتوں کا ہونا، بت پرستوں کی تکلیف اور عذاب کو بڑھانے کا سبب ہے کیونکہ وہ اپنے خود ساختہ معبود کی عبادت کرتے تھے، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ بت پرستی کے ذریعے خدا کے نزدیک ہو کر معنوی کمال تک رسائی حاصل کر لیں۔ لیکن قیامت کے دن ان پر حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور وہ متوجہ ہو جائیں گے کہ وہ بتوں کی عبادت سے نہ صرف خدا کے نزدیک نہیں ہوئے بلکہ عبادت میں شرک کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے دور ہو کر خداوند عالم کی رحمت سے محروم ہوئے ہیں۔

---

[1] سورہ الانبیاء آیت 98، 99

اب جب کہ وہ جہنم میں عذاب میں مبتلا ہیں، اپنے بتوں کو دیکھنے سے ان کا عذاب اور زیادہ دردناک ہو جائے گا اور ان پر آگ کے شعلے اور زیادہ بھڑک اٹھیں گے۔

نتیجہ:

اہل بہشت اور اہل جہنم کی دوسری صفت ان کے اچھے یا برے اعمال ہیں جن کا ان کے نفس پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور وہ اپنے جائز یا ناجائز اعمال کے ذریعہ خود کو بہشتی یا جہنمی بناتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انسانوں کی آخرت کا دار و مدار ان کی دنیاوی تکلیف میں ہے۔ اس دنیا میں جو بھی بیج کاشت کرے گا اسے آخرت میں اس کا ثمر مل جائے گا۔

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ○[۱]

اس دن ایک گروہ جنّت میں ہوگا اور ایک جہنّم میں ہوگا۔

اہل بہشت اور اہل جہنم کے درجات

الف: اہل بہشت کے درجات:

اعمال کی پاکیزگی اور مراتب ایمان کے فرق کے لحاظ سے اہل بہشت کے درجات ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب سے عالی درجہ اس کے لئے ہے جس کے پاس خدا پر ایمان کے مراتب زیادہ ہوں اور جس نے عملی طور پر شریعت مقدس کے معین کردہ تمام وظائف کو پورے خلوص کے ساتھ انجام دیا ہو۔ قرآن مجید میں اس طرح کے عظیم انسان کو صاحب نفس مطمئنہ کا نام دیا گیا ہے اس سلسلے میں ارشاد قدرت ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○[۲]

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف پلٹ آ اس عالم میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور ساری بہشت اسی کے لئے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں کچھ لوگوں کو

---

[۱] سورہ شوریٰ آیت 7

[۲] سورہ فجر آیت 27، 28، 29، 30۔

اپنے ساتھ وابستہ قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں لفظ ''عبادی'' (میرے بندے) فرمایا ہے۔ اور بہشت کے ایک حصہ کو اپنے ساتھ منسوب کر کے اس کے بارے میں ''جنتی'' (میری جنت) کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (جس گروہ کے بارے میں خداوند عالم نے عبادی کہا ہے) وہ گروہ مقام عبودیت میں عظیم مقام پر فائز ہوگا اور (بہشت کے جس حصے کو جنتی کہا ہے) وہ حصہ جنت کا عالی ترین مقام ہوگا۔

اللہ تعالی کے ساتھ نسبت کی اہمیت کے اعتبار سے وہ آیت کریمہ بھی ہے جسے خداوند عالم نے شہداء کے بارے میں نازل فرمایا:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ○[1]

اور خبردار راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور الٰہی نعمتوں سے استفادہ کرنا صرف شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالم برزخ میں تمام متقی اور باایمان افراد زندہ ہوں گے اور خداوند عالم سے رزق حاصل کریں گے۔ البتہ شہداء کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کی وابستگی ذات باری تعالٰی کے ساتھ ہے اور ان کی زندگی اور رزق ذات خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے۔

ب: اہل جہنم کے عذاب میں فرق:

جس طرح قیامت کے دن تمام نیک اور پاک لوگ بہشت میں جائیں گے لیکن ''صاحبان نفس مطمئنہ'' کو اس لئے امتیاز حاصل ہے کہ وہ بہشت میں خدا سے نسبت کے ساتھ داخل ہوں گے اور وہاں انہیں عظیم مقام پر جگہ دی جائے گی۔ اہل جہنم کو بھی کفر والحاد کے مراتب اور اخلاق و اعمال کے فساد کے درجات کے لحاظ سے مختلف عذابوں میں مبتلا ہونا پڑے گا، کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے سب سے سخت عذاب ان لوگوں کے لئے ہوگا جن کے عقائد، اخلاق اور رفتار و کردار برا ہوگا یہ بات روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔ یہاں بطور نمونہ دو احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمۡ قَالَ:

اِنَّ الۡكَافِرَ لَيَسۡحَبُ لِسَانَهُ الۡفَرۡسَخَ وَالۡفَرۡسَخَيۡنِ يَتَوَاطَؤُهُ النَّاسُ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سورہ آل عمران آیت 169

''قیامت میں کافر اپنی زبان کو جو کہ ایک دوفرسخ لمبی ہوگی زمین پر کھینچے گا اور لوگ اسے پامال کریں گے''۔[1]

عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُونَ إِلَى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمِ.

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''قیامت میں متکبرلوگ چیونٹی کی طرح انسانوں کی شکل وصورت میں محشور ہوں گے ذلت اور خواری انہیں ہرطرف سے گھیر لے گی اور وہ اس ذلت آمیز وضعیت کے ساتھ جہنم میں ایک قید خانہ کی طرف لے جائے جائیں گے''۔[2]

تکبر

ان خطرناک اخلاقی بیماریوں میں سے ایک ہے جن کے سنگین اور جبران نہ ہونے والے اثرات مریض کے وجود میں رہ جاتے ہیں۔ اس عادت کی وجہ سے انسان روحانی مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے، حقائق کو درک نہیں کرتا اور زندگی کے مختلف مادی اور معنوی شعبوں میں سرکشی اور نافرمانی کی جانب مائل رہتا ہے۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ۝[3]

درحقیقت یہ لوگ اپنی جگہ پر بہت مغرور ہوگئے ہیں اور انتہائی درجہ کی سرکشی کر رہے ہیں۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝[4]

اور جب اس کے سامنے آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں ہے اور جیسے اس کے کان میں بہرا پن ہے۔ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔

انسان تکبر کی وجہ سے قوی کے سامنے ضعیف کے خضوع وخشوع والی اپنی فطری حالت کو بھلا دیتا ہے اور تکبر کا مرض اس بات کا باعث بنتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے عبادت اور خضوع وخشوع سے منہ پھیر لے۔ اس گروہ کے بارے میں ارشاد

---

[1] جامع الاصول جلد 11 صفحہ 160

[2] تفسیر درالمنثور جلد 5 صفحہ 333

[3] سورہ فرقان آیت 21

[4] سورہ لقمان آیت 7

خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○[1]

اور یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلّت کے ساتھ جہنّم میں داخل ہوں گے۔

نتیجہ:

اہل بہشت اور اہل جہنم کی تیسری خصوصیت، رحمت اور عذاب کے لحاظ سے ان کے مراتب میں فرق ہے اور یہ فرق اس اثر کی وجہ سے ہے جو ان کے عقائد اور اعمال میں پایا جاتا تھا۔ اہل بہشت میں سے بعض بہشت کے عالی ترین مقام پر فائز ہوں گے اور عالی ترین نعمتوں سے استفادہ کریں گے۔

اسی طرح بعض جہنمیوں کو دوزخ کی پستیوں میں ڈالا جائے گا جہاں انہیں سخت ترین عذاب کا سامنا ہوگا۔

اہل بہشت اور اہل جہنم کا ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہونا

آخرت، عالم کشف وشہود اور مخفی اور پوشیدہ چیزوں کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے دنیا میں بہت سی چیزیں دیکھی اور سنی نہیں جاتی ہیں وہ سب عالم آخرت میں ظاہر ہوں گی ورسنائی بھی دیں گی۔ اسی طرح دنیا میں بہت سی چیزوں کا ہونا ممکن نہیں ہوتا لیکن آخرت میں وہ چیزیں واقع ہوں گی ان میں سے ایک اہل بہشت اور اہل جہنم کا ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرنا ہے۔

جنت اور جہنم دونوں اگرچہ بہت وسیع وعریض ہیں لیکن ان کی یہ وسعت اہل بہشت اور اہل جہنم کے ایک دوسرے کے حالات سے بےخبری کا باعث نہیں بنتی۔ بلکہ عالم آخرت کے حالات کچھ اس طرح ہیں کہ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے، ایک دوسرے کی منازل کا مشاہدہ کریں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کریں گے یہ بات صریح طور پر قرآن مجید اور عامہ وخاصہ دونوں کی روایات میں بیان ہوئی ہے۔

وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ○[2]

اور جنّتی لوگ جہنمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے تو پالیا کیا تم

---

[1] سورہ غافر آیت 60

[2] سورہ اعراف آیت 44

نے بھی حسبِ وعدہ حاصل کرلیا ہے وہ کہیں گے بیشک۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْمُجْرِمِينَ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ○[۱]

ہر نفس اپنے اعمال میں گرفتار ہے علاوہ اصحابِ یمین کے وہ جنتوں میں رہ کر آپس میں سوال کررہے ہوں گے مجرمین کے بارے میں آخر تمہیں کس چیز نے جہنّم میں پہنچادیا ہے وہ کہیں گے کہ ہم نماز گزار نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہوجایا کرتے تھے اور روزِ قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ○[۲]

اور جہنّم والے جنّت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ذرا ٹھنڈا پانی یا خدا نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی پہنچاؤ تو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ان چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کردیا ہے۔

قَالَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاوَنَ أَهْلَ الْغُرَفِ فِي الْجَنَّةِ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوَاكِبَ فِي السَّمَاءِ.

أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ.

سہل بن سعد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اہل جنت، بہشت کے کمروں میں رہنے والوں کو اسطرح دیکھیں گے جس طرح تم دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔

یہ بات بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے۔[۳]

وَقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَنْظُرُونَ إِلَى مَنَازِلِ شِيعَتِنَا كَمَا يَنْظُرُ الْإِنْسَانُ إِلَى الْكَوَاكِبِ.

---

[۱] سورہ مدثر آیات از 38 تا 48

[۲] سورہ اعراف آیت 50

[۳] جامع الاصول جلد 11 صفحہ 150

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اہل بہشت ہمارے شیعوں کے منازل کو دیکھیں گے جس طرح دنیا میں انسان ستاروں کو دیکھتے ہیں''۔[1]

خلاصہ:

اہل بہشت اور اہل جہنم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جنت اور جہنم کی وسعت کے باوجود جنتی اور جہنمی دونوں ایک دوسرے کو پہچانیں گے وہ ایک دوسرے کی منازل کا مشاہدہ کریں گے اور ایک دوسرے کے ثواب اور عقاب سے باخبر ہوں گے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک دوسرے سے بات چیت بھی کریں گے۔

بہشت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب

بہشت رحمت، آسائش اور سلامتی کا گھر ہے اسی وجہ سے بہشت کا ایک نام جو قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے ''دارالسلام'' ہے

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ.[2]

ان لوگوں کے لئے پروردگار کے نزدیک دارالسّلام ہے۔

وہاں ناراحتی اور پریشانی، رنج اور بیماری، ضعف و ناتوانائی، غم و اندوہ، خوف اور وحشت نہیں ہوگا۔لیکن جہنم اس کے برعکس ہے کیونکہ جہنم مصیبتوں، بلاؤں، اور عذاب کا گھر ہے۔وہ بھی مسلسل اور ہمیشہ رہنے والا عذاب۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○[3]

تو پھر اس میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ انہیں کسی قسم کی مہلت دی جائے گی۔

جس وقت متقی اور پرہیزگار لوگ بہشت میں داخل ہوں گے تو رحمت کے ملائکہ ان پر سلام کریں گے اور ان کا احترام کریں گے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○[4]

---

[1] لئالی الاخبار صفحہ 415

[2] سورہ انعام آیت 127

[3] سورہ نحل آیت 85

[4] سورہ زمر آیت 73

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا انہیں جنّت کی طرف گروہ درگروہ لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے خزانہ دار کہیں گے کہ تم پر ہمارا اسلام ہو تم پاک و پاکیزہ ہو لہٰذا ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاوٴ۔

کفار کے جہنم میں داخل ہونے کے وقت نگہبان فرشتے ان سے بات کریں گے اور ان سے ان کی ہدایت کے لئے خداوند عالم کی طرف سے بھیجے گئے انبیاء کرام کے بارے میں پوچھیں گے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا۟ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ ٱلْعَذَابِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ○[1]

اور کفر اختیار کرنے والوں کو گروہ در گروہ جہنّم کی طرف ہنکایا جائے گا یہاں تک کہ اس کے سامنے پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے خازن سوال کریں گے کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے جو آیاتِ رب کی تلاوت کرتے اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تو سب کہیں گے کہ بیشک رسول آئے تھے لیکن کافرین کے حق میں کلمۂ عذاب بہرحال ثابت ہو چکا ہے۔

كُلَّمَآ أُلْقِىَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا۟ بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ ٱللَّهُ مِن شَىْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِى ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا۟ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىٓ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ○[2]

بلکہ قریب ہوگا کہ جوش کی شدت سے پھٹ پڑے جب بھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا تو وہ کہیں گے کہ آیا تو تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا اور یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے تم لوگ خود بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو اور پھر کہیں گے کہ اگر ہم بات سن لیتے اور سمجھتے ہوتے تو آج جہنّم والوں میں نہ ہوتے۔

اہل بہشت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہوں گے اور ان کی بات صرف خداوند عالم کی تسبیح اور حمد وثناء ہوگی۔

دَعْوَىٰهُمْ فِيهَا سُبْحَٰنَكَ ٱللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَٰمٌ ۚ وَءَاخِرُ دَعْوَىٰهُمْ أَنِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

---

[1] سورہ زمر آیت 71

[2] سورہ ملک آیت 8 تا 10

الْعٰلَمِيْنَ ○ [1]

وہاں ان کا قول یہ ہوگا کہ خدایا تو پاک اور بے نیاز ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا اور ان کا آخری بیان یہ ہوگا کہ ساری تعریف خدائے رب العالمین کے لئے ہے۔

جہنم کا سخت عذاب

اہل جہنم پر جہنم میں عذاب ہو رہا ہوگا اور وہ بہت سخت بلا اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے بار بار وہ عذاب سے نجات پانے یا کم از کم عذاب میں کمی کے بارے میں سوچیں گے اپنی نجات کے بارے میں باتیں کر رہے ہوں گے، کبھی وہ خود بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کے ساتھ جہنم سے باہر نکلنے کی درخواست کریں گے اور کبھی جہنم پر مامور ملائکہ سے دعا کی تمنا کریں گے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ○ [2]

اور یہ وہاں فریاد کریں گے کہ پروردگار ہمیں نکال لے ہم اب نیک عمل کریں گے اس کے برخلاف جو پہلے کیا کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○ [3]

اس کے بعد جہنم میں رہنے والے جہنم کے خازنوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک ہی دن ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔

بہشت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کا دنیا کے ساتھ مقائسہ

دنیا میں مومنین کرام خداوند عالم کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر نعمت بجالاتے ہیں اور اہل بہشت کی طرح خداوند عالم کی تسبیح وحمد وثنا کرتے ہیں لیکن بہشت کی نعمتیں اتنی عظیم ہیں کہ انہیں دنیاوی نعمتوں کے ساتھ قیاس کرنا ممکن نہیں۔

دنیا میں جو لوگ مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہیں وہ بھی اہل جہنم کی طرح خدا کو پکارتے ہیں اور دوسروں سے بھی اپنے حق میں دعا کی درخواست کرتے ہیں تا کہ مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات پائیں لیکن جہنم کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اسے دنیا کے عذاب کے ساتھ ہرگز مقائسہ نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] سورہ یونس آیت 10

[2] سورہ فاطر آیت 37

[3] سورہ غافر آیت 49

یہ تمام مطالب آیات وروایات کی روشنی میں بیان ہو چکے ہیں یہاں صرف ایک حدیث پر اکتفاء کیا جارہا ہے:

ایک دن حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے خوبصورت لباس، زیب تن کیا، بہترین تلوار ساتھ لی ایک اچھی سواری پر سوار ہوکر اپنے گھر سے نکلے، آپؑ سے وابستہ افراد اور دوسرے لوگ بھی آپؑ کے ساتھ چلنے لگے۔ راستے میں فقراء یہود میں سے ایک بوڑھے شخص نے آپؑ کو روکا اور کہنے لگا: اے فرزند رسولؐ! میرے ساتھ انصاف کریں۔

امامؑ نے فرمایا: کس چیز کے بارے میں انصاف کروں؟

اس نے عرض کیا: آپؑ کے جدامجد کا ارشاد ہے کہ

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ۔

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے بہشت ہے''

آپؑ مومن ہیں اور میں کافر۔ میری نظر میں دنیا آپ کے لئے بہشت ہے کیونکہ یہ تمام نعمتیں آپؑ کے پاس ہیں اور میرے لئے قید خانہ ہے کیونکہ میں فقر وتنگ دستی کی وجہ سے ہلاک ہونے والا ہوں۔

فَلَمَّا سَمِعَ الْحَسَنُ علیہ السلام اَوْضَحَ لِلْیَهُوْدِیِ خَطأً ظَنِّهٖ وَقَالَ یَا شَیْخُ لَوْ نَظَرْتَ مَا اُعِدَّ لِیْ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ دَارِ الْآخِرَةِ مِمَّا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ لَعَلِمْتَ اَنِّیْ قَبْلَ اِنْتِقَالِیْ اِلَیْهِ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا فِیْ سِجْنٍ ضَیِّقٍ مَعَ مَا اَنَا فِیْهِ وَلَوْ نَظَرْتَ اِلٰی مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ وَلِكُلِّ كَافِرٍ فِیْ دَارِ الْاٰخِرَةِ مِنْ سَعِیْرِ نَارِ الْجَحِیْمِ وَ نَكَالِ الْعَذَابِ الْمُقِیْمِ لَرَاَیْتَ اَنْتَ قَبْلَ مَصِیْرِكَ اِلَیْهِ الْآنَ فِیْ نِعْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَ جَنَّةٍ جَامِعَةٍ۔[1]

امام حسن مجتبیؑ نے یہودی کی باتیں سنیں اور اس کے سامنے آنحضرتؐ کی حدیث کی وضاحت بیان فرما کر اس کی غلط فہمی کو واضح کیا آپؑ نے فرمایا:

اے شخص! اگر تم ان نعمتوں کو دیکھتے جو خداوند عالم نے عالم آخرت میں میرے اور دیگر تمام مومنین کے لئے آمادہ کی ہیں جنہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کان نے سنا ہے تو تم جان لیتے کہ اس وقت جو نعمتیں میرے اختیار میں ہیں (ان کے باوجود) عالم آخرت میں جانے سے پہلے میں ایک تنگ قید خانہ میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور اگر تم اس دائمی عذاب کو دیکھتے جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے اور ہر کافر کے لئے عالم آخرت میں تیار کر رکھا ہے، تو تم جان لیتے کہ عالم آخرت میں جانے سے پہلے تم (اس دنیا میں) وسیع نعمتوں اور مکمل بہشت میں زندگی گزار رہے ہو۔

---

[1] لئالی الاخبار صفحہ 437

بہشت کی ایک خاص نعمت اور جہنم کا ایک خاص عذاب

بہشت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت جس سے اہل بہشت استفادہ کریں گے اور وہ بہشت میں ان کی زندگی کو اور زیادہ لذت بخش بنادے گی، (اہل بہشت کا) خلوص اوران کی ایک دوسرے کے ساتھ مہر ومحبت ہے۔اسی طرح جہنمیوں کے عذاب میں سے ایک سخت عذاب جوان کوروحانی طور پر تکلیف دے گا ان کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی اور نفرت ہے۔

قرآن مجید اہل بہشت کے خلوص اور برادری کے بارے میں فرماتا ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○[۱]

اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔

قرآن مجید جہنم اور جہنمیوں کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کے بارے میں فرماتا ہے:

لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًاۢ بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ○[۲]

خدا ان کا بھلا نہ کرے اور یہ سب جہنّم میں پھر مرید اپنے پیروں سے کہیں گے تمہارا بھلا نہ ہو تم نے اس عذاب کو ہمارے لئے مہیّا کیا ہے لہٰذا یہ بدترین ٹھکانا ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ○[۳]

پھر مزید کہیں گے کہ خدایا جس نے ہم کو آگے بڑھایا ہے اس کے عذاب کو جہنّم میں دوگنا کردے۔

اس کے بعد خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ○[۴]

یہ اہل جہنّم کا باہمی جھگڑا ایک امر برحق ہے۔

---

[۱] سورہ حجر 47

[۲] سورہ ص آیت 59، 60

[۳] سورہ ص آیت 61

[۴] سورہ ص آیت 64

وَاُدۡخِلَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ؕ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ○[1]

اور صاحبانِ ایمان وعمل صالح کو ان جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ حکمِ خدا سے وہیں رہیں گے اور ان کی ملاقات کا تحفہ سلام ہوگا۔

كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا ○[2]

حالت یہ ہوگی کہ ہر داخل ہونے والی جماعت دوسری پر لعنت کرے گی۔

اہل بہشت جنت کی ظاہری نعمتوں کے علاوہ رضوان الٰہی کی معنوی نعمتوں سے بھی استفادہ کریں گے اور اس روحانی نعمت کا مرتبہ دیگر تمام نعمتوں سے عظیم ہے۔

وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ○[3]

اور اللہ کی مرضی تو سب سے بڑی چیز ہے اور یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔

اہل جہنم کو مختلف جسمانی عذاب کے علاوہ مختلف روحانی تکالیف اور معنوی عذاب کا بھی سامنا ہوگا۔ ان میں ان کا بارگاہ الٰہی سے ٹھکرایا جانا، اور تجلیات الٰہی کا مشاہدہ نہ کرنا بھی ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ○[4]

یاد رکھو انہیں روزِ قیامت پروردگار کی رحمت سے محجوب کر دیا جائے گا۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ‌ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○[5]

وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور خدا روزِ قیامت ان سے بات بھی نہ کرے گا اور نہ انہیں

---

[1] سورہ ابراہیم آیت 23

[2] سورہ اعراف آیت 38

[3] سورہ توبہ آیت 72

[4] سورہ مطففین آیت 15

[5] سورہ آل عمران آیت 77

پاکیزہ قرار دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خلاصہ:

اہل بہشت ایسی جگہ زندگی گزاریں گے جہاں ہر طرف مہر و محبت ہوگی ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ملنا۔ بہترین کلمات اور پسندیدہ اخلاق کی بنا پر ہوگا وہاں ان کے لئے ظاہری نعمتوں کے علاوہ معنوی نعمتیں بھی ہوں گی اور وہ روحانی لذتوں سے استفادہ کریں گے۔

لیکن اہل جہنم ان کے برعکس ہیں کیونکہ وہ ایسی جگہ ہوں گے جہاں صرف دشمنی اور عداوت ہوگی، جہاں فقط طعن و لعن والی زبان استعمال کی جائے گی، وہ جسمانی عذاب کے علاوہ روحانی عذاب اور معنوی محرومیوں کا بھی شکار ہوں گے معنوی عذاب سے پیدا ہونے والی تکلیف اگر جسمانی عذاب سے زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی نہیں۔

دنیاوی جنت اور دنیاوی جہنم

جالب بات یہ ہے کہ اچھا اخلاق لوگوں کی دنیا کو سعادتمند بہشت بناتا ہے اور بد اخلاقی ان کی دنیاوی زندگی کو جہنم میں تبدیل کر دیتی ہے جس جگہ انسانوں کے پاس اخلاق حمیدہ اور انسانی صفات ہوں، عدل و انصاف کی رعایت کی جائے اور انسان ایک دوسرے کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آئیں، ایسی جگہ اچھی زندگی ہوگی، وہاں تمام انسان اجتماعی لحاظ سے امن و سکون کی زندگی بسر کریں گے ایسا لگے گا کہ گویا وہ رحمتوں بھری بہشت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اگرچہ ان کی زندگی متوسط ہی کیوں نہ ہو۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْعَدْلُ جَنَّةٌ وَاقِیَةٌ جَنّةٌ بَاقِیَةٌ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عدل و انصاف محافظ ڈھال اور پائدار بہشت ہے''۔ [1]

وہ جگہ جہاں اخلاقی فسادات ہوں اور لوگ ایک دوسرے کے لئے برے الفاظ استعمال کرتے ہوں وہاں جو بھی طاقتور ہوگا وہ کمزوروں پر ظلم کر کے ان کے حقوق پامال کرے گا، وہاں بری اور ناگوار زندگی ہوگی اور لوگ ہمیشہ بدامنی اور دوسروں کی جانب سے خطرات کی وجہ سے پریشان ہوں گے ایسا لگے گا کہ گویا وہ جہنم میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اگرچہ ان کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی جگہ مظلوم کی حمایت کر کے اس سے ظالم کے ظلم کو دور کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قیامت میں خداوند عالم کی طرف سے بہت بڑا اجر عطا کیا جائے گا۔

---

[1] بحار الانوار جلد 17 صفحہ 47

عَنْ اَبِیْ دَرْدَاء عَنْ اَبِیْهِ قَالَ:نَالَ رَجُلٌ مِنْ عِرْضِ رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: فَرَدَّ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ عَلَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ کَانَ لَهٗ حِجَاباً مِنَ النَّارِ.

ابی الدرداء نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص نے دوسرے شخص کو برے الفاظ سے یاد کیا اور اسے گالی دی۔ وہاں موجود ایک اور شخص نے جس کی بے حرمتی کی گئی تھی اس کا دفاع کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی اپنے کسی دینی بھائی کے ناموس اور شرافت کا دفاع کرے قیامت میں وہی دفاع اس کے اور جہنم کی آگ کے درمیان حجاب اور مانع ہوگا''۔[1]

[1] امالی الشیخ مفید مجلس چہلم صفحہ 338

دسویں فصل

خدا پرست اور مادہ پرست

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○[1]

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیج دیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

مادہ پرستوں کا نظریہ

کائنات کے بارے میں ماضی اور حال کے تمام انسان مختلف مکاتب فکر کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے مختلف نظریات رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔ مادی مکاتب فکر کے پیروکار پوری کائنات کو مادہ سمجھتے ہیں اور ماورائے طبعیت کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پوری کائنات سو فیصد مادی ہے۔ اسے نہ تو کسی خالق نے اپنی مشیت سے خلق کیا ہے، نہ اس کی خلقت میں کسی حکیمانہ فکر کا دخل ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے ارادے اور علم کا عمل، دخل ہے۔ بلکہ پوری کائنات بعض اسباب اور طبیعی عوامل کی وجہ سے لاشعوری طور پر اتفاقاً وجود میں آئی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس عالم کی تمام زندہ موجودات خواہ نباتات ہوں، حیوانات ہوں یا انسان سب کی زندگی ایک ہی قسم کی ہے، یہ اتفاقی طور پر مخصوص شرائط کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں، ہر مخلوق اپنا مخصوص راستہ طے کر رہی ہے، اور زندگی ختم ہوجانے کے بعد انہیں موت آجاتی ہے اور وہ ختم ہوجاتے ہیں۔

اس نظریہ کے مطابق انسان، حیوان اور نباتات کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی جس طرح بلی اور کتے کی غیر مادی اور بقا رکھنے والی روح نہیں ہوتی اور وہ موت کے بعد ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح انسان بھی مجرد روح اور حیات جاوید نہیں رکھتا اور مرنے کے بعد طبیعی مواد اور معدنی عناصر کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں چھوڑتا۔

مکتب انبیاء کا نظریہ

مکتب انبیاء کے پیروکار اور کائنات کے بہت سے ماضی اور حال کے دانشوروں کا عقیدہ ہے کہ انسان عالم طبعیت

[1] سورہ حشر آیت 18

کی تمام زندہ موجودات سے الگ ہے۔ انسان کے پاس مادی اور حیوانی پہلو کے علاوہ، انسانی پہلو اور ہمیشہ باقی رہنے والا روح بھی ہے، یہ روح بدن کی موت سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایک اور عالم کی جانب منتقل ہو کر اپنی ابدی زندگی کو جاری رکھتا ہے۔ یہ روح معیار انسانیت اور انسانوں کا قیمتی سرمایہ ہے۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور تخلیق آدمؑ کے وقت ملائکہ سے فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ○[1]

پھر جب مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا۔

کائنات کے بارے میں ان دونوں گروہوں کے اختلاف نے دونوں کے نظریات اور اعمال کو ایک دوسرے سے مختلف بنا دیا ہے جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کی فکر، رفتار اور کردار میں گہرا اثر ہوا ہے۔

دنیا اور مادہ پرست

جو مکتب مادی کے پیروکار ہیں وہ دنیا کو اصلی ہدف اور آخری مقصد سمجھتے ہیں اور خود کو حیوان کی طرح تصور کرتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق ان کے لئے دنیاوی زندگی کے علاوہ اور زندگی نہیں ہے اس لئے وہ صرف دنیا اور دنیا سے وابستہ طور طریقوں کے بارے میں سوچتے ہیں وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کی صریح طور پر مخالفت کرتے ہیں۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ○[2]

پھر جب مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا۔

دنیا الٰہی مکتب کی نظر میں

وہ انسان جو انبیاء کرام کے مکتب کے پیروکار ہیں اور مرنے کے بعد کے عالم پر یقین رکھتے ہیں ان کے سوچنے کا طریقہ اور ہے انہوں نے تعلیمات الٰہی اور اولیاء خدا کی تعلیم سے یہ سیکھا ہے کہ انسان ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور اسے ابدی عالم کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ اس کے لئے دنیا وقتی طور پر اس کے گذرنے کی جگہ، امتحان کا مرکز، خودسازی اور ذخائر جمع کرنے کا مقام ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الدُّنْيَا دَارُ مَجَازٍ وَالْآخِرَةُ دَارُ قَرَارٍ فَخُذُوا مِنْ

---

[1] سورہ حجر آیت 29

[2] سورہ مومنون آیت 37

مَمَرِّکُمْ لِمَقَرِّکُمْ وَلَا تَهْتِکُوْا اِسْتَارَکُمْ عِنْدَ مَنْ یَعْلَمُ اَسْرَارَکُمْ وَ اَخْرِجُوْا مِنَ الدُّنْیَا قُلُوْبَکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا اَبْدَانُکُمْ فَفِیْهَا اخْتُبِرْتُمْ وَلِغَیْرِهَا خُلِقْتُمْ.

حضرت علی علیہ السلام نے انسانوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: ”دنیا گزرنے کی جگہ ہے اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والا گھر ہے پس تم اپنی موقت منزل سے ہمیشہ رہنے والی جگہ کے لئے ذخیرہ جمع کرو اور زادراہ اٹھالو۔ خدا کے سامنے اپنا پردہ چاک مت کرو۔ جو تمہارے تمام رازوں کے بارے میں جاننے والا ہے اور اپنے دل کو دنیا سے باہر نکالو اس سے پہلے کہ تمہارے بدن اس دنیا سے خارج ہوجائیں۔ (ہمیشہ) ہوش میں رہو کیونکہ یہ دنیا تمہارے لئے امتحانی مرکز ہے اور تمہیں ایک اور جہان کے لئے خلق کیا گیا ہے“۔ [1]

جو لوگ روح کو باقی رہنے والا سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ موت کے بعد وہ عالم مشہود (جس عالم کو دیکھا گیا ہو) سے عالم غیر مشہود (جس عالم کو دیکھا نہ گیا ہو) کی طرف منتقل ہوکر اس عالم میں زندہ ہوں گے وہ فطری طور پر یہ سوچتے ہیں کہ ہمارا آئندہ کیسا ہوگا؟ ہمیں اور کون سی منزلیں طے کرنی ہیں؟ اس موقت جگہ سے کہاں جائیں گے؟ وہ بڑی تحقیق و جستجو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ موت کے بعد کا عالم مجہول ہے اور اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ صرف انبیاء کرام وحی الٰہی کی مدد سے موت کے بعد کے سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں، تاکہ لوگوں کو موت کے بعد کے بارے میں کچھ بتائیں۔

دنیا اور آخرت کے درمیان رابطہ

انبیاء کرامؑ نے اپنے تربیتی پروگرام میں بتادیا کہ کل کی زندگی آج کی زندگی کے ساتھ مربوط ہے۔ جو بھی موت کے بعد کے مراحل کو آسانی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہاں اسے کوئی تکلیف نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اس دنیا میں اس عالم کی فکر میں رہے، دنیا اور آخرت دونوں پر توجہ رکھے اور دنیاوی زندگی کے ساتھ اُس زندگی کا سامان بھی تیار کرلے، اور دین کے رہنماؤں اور روحانی پیشواؤں کی ہدایت کے ذریعے اپنے کل کی سعادت کا راستہ بھی ہموار کرے۔

امام صادق علیہ السلام نے اپنی ایک حدیث کے ضمن میں کل اور آج کے رابطہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، آپؑ نے ان عوامل کو تین جملوں میں بیان فرمایا ہے جن کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوسکتی ہے امامؑ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ علیہ السلام قَالَ: لَا یَسْتَغْنِیْ اَهْلُ کُلِّ بَلَدٍ عَنْ ثَلَاثَةٍ یَفْزَعُ اِلَیْهِ فِیْ اَمْرِ دُنْیَاهُمْ وَ آخِرَتِهِمْ فَاِنْ عَدِمُوْا ذَالِكَ کَانُوْا هَمَجًا فَقِیْهٌ عَالِمٌ وَرِعٌ وَ اَمِیْرٌ خَیِّرٌ مُطَاعٌ وَ طَبِیْبٌ

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 203

بَصِيْرٌ ثِقَةٌ.

''تمام شہروں کے لوگوں کو تین قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو چاہیئے کہ اپنی دنیا اور آخرت کی زندگی کے امور مہیا کرنے کے لئے ان سے مدد لیں اگر یہ تین گروہ نہ ہوں تو وہ حیوانات کی طرح پست زندگی بسر کریں گے۔

اول:۔ دانا اور باتقویٰ فقیہ

دوم:۔ خیرخواہ اور لائق اطاعت حکمران

سوم:۔ بینا اور مورد اعتماد طبیب۔

1۔ دانا اور باتقویٰ فقیہ:

فقیہ دین خدا کی معلومات رکھتا ہے وہ انسان سازی کا پروگرام پیش کرتا ہے، لوگوں کو واجبات الٰہی اور محرمات الٰہی سے آگاہ کرتا ہے، ان کے کمال تک رسائی کے لئے زمینہ سازی کرتا ہے اور ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

2۔ خیرخواہ حکمران:

خیرخواہ حکمران لوگوں کو امنیت دیتا ہے، اپنے ملک کو داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے، چوروں اور لٹیروں کے ہاتھ کاٹتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں کا جان، مال اور ناموس محفوظ رہتے ہیں اور ہر شخص بغیر کسی پریشانی کے اپنا کام کرتا ہے۔

3۔ بینا اور مورد اعتماد طبیب:

بینا اور مورد اعتماد طبیب بھی لوگوں کی زندگی گزارنے کے لئے ایک تو انہیں لازمی معلومات فراہم کرتا ہے، اور دوسرا لوگوں کی صحت و سلامتی کے لئے لازم اقدام کرتا ہے وہ مریضوں کے علاج، معالجہ کے لئے بہت کوشش کرتا ہے تاکہ معاشرے کو صحت و سلامتی کی نعمت دے سکے۔

مادہ پرست اور مکتب انبیاء کے پیروکاروں میں فرق

جو لوگ روح کی بقا اور عالم ماورائے طبیعت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور دنیا اور آخرت کی سعادت کے طلبگار ہیں وہ خود کو ان تینوں گروہوں کے محتاج سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے خارج میں امنیت اور اپنے اندر سلامتی کی روشنی میں فقیہ کی رہنمائی سے استفادہ کرتے ہیں، انسانی صفات کے ذریعے وہ پرورش پاتے ہیں اور اوامر الٰہی کے مطابق قدم اٹھاتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا

میں پاکیزگی اور نیکی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں اور موت کے بعد کے جہاں میں بھی سعادت مند رہیں۔لیکن مادی لوگ جو کائنات کو مادہ سمجھتے ہیں، وہ خود کو کسی فقیہ اور عالم دین کا محتاج نہیں سمجھتے۔کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق انسان کی زندگی فقط مادی پہلو پر مشتمل ہے، اور وہ ایک حیوان کی زندگی کے برابر ہے اور حیوان کو صرف اپنے اردگرد اور جسم کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے۔بھیڑیں اپنے باہر کو خطرات سے محفوظ رکھنے اور بھیڑیہ اور دیگر جانوروں سے حفاظت کے لئے ایک چرواہے کی محتاج ہوتی ہیں، اسی طرح انسان بھی اپنے وطن کی سلامتی کے لئے تاکہ وہ داخلی اور خارجی دشمنوں سے محتاج رہے ایک خیر خواہ حکومت کا محتاج ہوتا ہے۔بھیڑ اپنے جسم کی سلامتی اور بیماریوں سے بچنے کے لئے جانوروں کے ڈاکٹر کی محتاج ہوتی ہیں۔ انسان بھی اپنے بدن کی سلامتی اور تکلیف اور درد سے بچنے کے لئے دانا اور مورد اعتماد ڈاکٹر کا محتاج ہوتا ہے جس وقت بھیڑ چرواھے کے ذریعے خارجی خطرات سے اور ڈاکٹر کے ذریعے جسمانی مرض سے محفوظ ہوجاتی ہے تو وہ کھانے، پینے، جنسی شہوت اور آرام کے پیچھے جاتی ہے اور اطمینان کے ساتھ اپنی حیوانی زندگی اور مادی لذتوں سے استفادہ کرتی ہے یہاں تک کہ اسے ذبح کیا جائے یا اپنی موت مرجائے۔

مادہ پرست انسان بھی جو کہ خدا اور عالم غیب کا منکر ہوتا ہے جب حکومت کے ذریعے خارجی امنیت اور ڈاکٹر کے ذریعے جسمانی امراض سے خود کو محفوظ سمجھ لیتا ہے تو کام، کاج اور مال و دولت کے حصول کے پیچھے جاتا ہے تاکہ وہ جتنا زیادہ ہوسکے حیوانی خواہشات اور اپنی شہوات کے لئے زمینہ سازی کرسکے۔وہ مرنے تک اپنی پوری زندگی اسی طرح بسر کرتا رہتا ہے۔

مکتب انبیاء کے دنیا پرست پیروکار

یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ بہت سے ایسے انسان ہیں جو خود کو خدا پرست اور انبیاء کرام کے پیروکار سمجھتے ہیں، عالم آخرت اور موت کے بعد زندگی کے بارے میں باتیں کرتے ہیں لیکن پھر بھی مادی افراد کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں نہ تو اپنے پیغمبر کی تعلیمات کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی معنویات کو اہمیت دیتے ہیں۔زندگی میں ان کا مقصد صرف مادی چیزوں سے استفادہ اور دنیا کے ساتھ اپنی محبت کو بڑھانا ہوتا ہے۔حضرت علی علیہ السلام نے اس گروہ کے بارے میں فرمایا ہے:

عَجِبْتُ لِعَامِرِ دَارَ الْفَنَاءِ وَ تَارِكٍ دَارَ الْبَقَاءِ

''مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو اپنی ثابت نہ رہنے والی دنیا کے لئے تو کوشش کرتا ہے لیکن اس نے آخرت کو بھلا دیا ہے جو ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، اور وہ اس کے لئے قدم نہیں بڑھاتا''۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ کلم 126

اس گروہ میں سے بعض جو کہ اگر چہ خود کو برحق سمجھتے ہیں پھر بھی وہ اپنے مادی اہداف تک پہنچنے کے لئے عملی طور پر پاکیزگی کے راستے سے منحرف ہوجاتے ہیں، ناپاکی اور اخلاقی فسادات کی جانب مائل ہوجاتے ہیں اور روزانہ اپنے نامہ اعمال کو سیاہ بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس طرح کے لوگ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں، اس کے اوامر اور نواہی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور دنیا کی عبودیت اور بندگی کا طوق اپنی گردن میں ڈال دیتے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ علیہ السلام قَالَ: مَنْ عَظُمَتِ الدُّنْيَا فِيْ عَيْنِهِ وَ كَبُرَ مَوْقِعُهَا مِنْ قَلْبِهِ اٰثَرَهَا عَلَى اللهِ تَعَالٰى فَانْقَطَعَ اِلَيْهَا وَ صَارَ عَبْداً لَّهَا.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جس کی آنکھوں میں دنیا عظیم ہے اور جس کے دل میں اس کی بڑی اہمیت ہے، وہ اسے کائنات کے خالق پر مقدم رکھتا ہے، اور خود کو دنیا اور دنیاوی امور کے سامنے اتنا گرادیتا ہے کہ بغیر قید و بند کے اس کا غلام بن جاتا ہے''۔[1]

ایک مومن شاعر نے جو کہ خود پاکیزگی اور فضیلت کو اہمیت دیتا تھا، بد بخت انسانوں کی اخلاقی آلودگیوں کو نظم کی صورت دی ہے، انہوں نے ادب واحترام کی وجہ سے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، وہ اپنے اشعار میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

نام حق گرچہ بر زبانم بود
لیک شیطان شریک کارم بود
بر خلاف قیود ایمانی
مستفاد از نصوص قرآنی
نفس امارہ را رہا کردم
زین رہائی بہ خود چہ ہا کردم
مکرہا، حیلہ بہ کار زدم
لاف بی حد و بی شمار زدم
با ریا کسب آبرو کردم

[1] نہج البلاغہ خطبہ 160

وچہ حق ہا کہ زیر و رو کردم
گاہ تا سفرہ ام شود رنگین
داغ در یوزگی زدم بہ جبین
گاہ با باطنی سیہ چوں قیر
قصہ ہا گفتم از صفای ضمیر
وای برمن زانعکاس گناہ
ساعت "یختم علی افواہ"

ترجمہ:

اگر چہ خدا کا نام میری زبان پر تھا لیکن شیطان میرا شریک کار تھا۔ میں نے ایمان کے قید و بند کے خلاف جن کو نص قرآنی سے حاصل کیا تھا میں نے نفس امارہ کو رہا کر دیا، اس رہائی سے میں نے اپنے ساتھ کیا کیا۔ میں نے دوکھے اور فریب پر عمل کیا، لامحدود بے ہودہ باتیں کیں۔ ریا کاری کے ذریعے میں نے عزت تو حاصل کر لی لیکن حقوق کو پامال کر دیا۔ کبھی تو اپنے دستر خوان کو رنگین کرنے کے لئے میں غلامی کا داغ اپنی پیشانی پر لگا دیا کبھی تارکول کی طرح کالے بدن کے ساتھ میں نے پاکیزہ کردار کے قصے بیان کئے، گناہوں کی تصویر کشی کے لئے مجھ پر افسوس، اس وقت سے جب (روزِ قیامت) منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ کے ضمن میں مادی اور دنیا پرست انسانوں کو جنہوں نے اپنی معنویات اور انسانیت پر ظلم کر کے خود کو اس مختصر دنیا میں قید کر رکھا ہے، ان خدا پرست، حقائق اور آخرت پر یقین رکھنے والے افراد کے ساتھ مقائسہ کیا ہے جو مادی دنیا اور ماورائے طبعیت دونوں پر یقین رکھتے ہیں اور دونوں پہلوؤں پر ان کی توجہ ہوتی ہے۔ امامؑ نے اس خطبہ میں ان کے بعض اوصاف اور خصوصیات کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے:

وَاِنَّمَا الدُّنْيَا مُنْتَهٰى بَصَرِ الْاَعْمٰى لَا يُبْصِرُ مِمَّا وَرَاءَهَا شَيْأً وَ الْبَصِيْرُ يَنْفُذُهَا بَصَرُهٗ وَيَعْلَمُ اَنَّ الدَّارَ وَرَاءَهَا فَالْبَصِيْرُ مِنْهَا شَاخِصٌ وَالْاَعْمٰى اِلَيْهَا شَاخِصٌ وَالْبَصِيْرُ مِنْهَا مُتَزَوِّدٌ وَالْاَعْمٰى اِلَيْهَا مُتَزَوِّدٌ.

''دینا اندھے دل انسان کے لئے آخری مقام ہے، اسے دنیا کے علاوہ کوئی اور چیز نظر نہیں آتی لیکن آگاہ اور بینا انسان اپنے نور بصیرت کے ذریعے دنیا کے حجابات کو ہٹا دیتا ہے اور وہ کائنات جو ماورائے طبیعت میں ہے وہ اسے نظر آتی ہے۔اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے رہنے کی حقیقی منزل دنیا کی موقت زندگی ختم ہوجانے کے بعد شروع ہوگی، بصارت رکھنے والا آگاہ انسان اپنے آپ کو مسافر سمجھتا ہے اس کی نظر میں دنیا صرف ایک گذرگاہ ہے۔لیکن اندھے دل انسان کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے اور اس کا تمام ہم وغم یہ دنیا ہوتی ہے۔ بصارت دکھنے والا انسان دنیا میں بھی آخرت کی فکر میں ہوتا ہے اور وہ آئندہ کے لئے اس سے زادراہ اکٹھا کر لیتا ہے۔لیکن اندھا دل رکھنے والے انسان کا مقصد صرف دنیا ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کے منافع اور لذتوں سے بہرہ مند ہو''۔[۱]

آخرت کے سفر کا زادراہ

عربی زبان میں ''زاد'' سفر کے سامان کو کہا جاتا ہے، جو کہیں سفر پہ جانا چاہتا ہے اور اسے لمبا سفر درپیش ہوتا ہے وہ جانے سے پہلے اپنے لئے سامان مہیا کرتا ہے اور جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی ہے بڑی مقدار میں وہ چیز اپنے ساتھ اٹھا لیتا ہے تاکہ سامان کے فقدان کی وجہ سے راستے میں اسے پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے جس کی وجہ سے وہ بیماری اور موت کا شکار نہ ہوجائے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس پر کائنات کے تمام عقلمند افراد عمل کرتے آئے ہیں اور اب بھی اس پر عمل کر رہے ہیں۔

اولیاء کرام لوگوں کو ان کے وظائف کی جانب متوجہ کرنے اور انہیں آخرت کی یاد دلانے کے لئے اپنے کلمات میں بار بار ''زادراہ'' کے بارے میں بیان کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو سمجھائیں کہ اس کائنات میں تمام انسان مسافروں کی طرح ہیں، انہیں چاہئے کہ اس دنیا کی موقت قیامگاہ میں گم نہ ہوجائیں بلکہ ہمیشہ آخرت کی ابدی زندگی کی جانب متوجہ رہیں۔انہیں چاہئے کہ اس طویل سفر کی پریشانیوں اور مشکلات سے بچنے کے لئے جتنا زیادہ ہوسکے اپنی دنیاوی زندگی کی فرصت سے فائدہ اٹھائیں اور خطرناک اور طولانی راستہ کے لئے اپنے لئے زادراہ اکٹھا کرلیں۔

عَنْ عَلِيٍّ عليه السلام قَالَ: فَتَزَوَّدُوا فِي الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَحْرُزُونَ بِهِ أَنْفُسَكُمْ غَداً.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''دنیا میں دنیا سے اپنے لئے زادراہ اٹھالو تاکہ آئندہ اس سے بہرہ مند ہوکر خود کو خطرات سے نجات دلاسکو''۔[۲]

---

[۱] نہج البلاغہ خطبہ 133

[۲] نہج البلاغہ خطبہ 64

دنیاوی سفر اور اُخروی سفر میں فرق

دنیاوی سفر عموماً اختیاری ہوتے ہیں اور لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے سفر پر جاتے ہیں، لیکن آخرت کا سفر الزامی ہے اور جو بھی خواہ وہ کسی بھی مقام و منزلت پر فائز ہوا سے اس سفر پر ضرور جانا ہوگا، اس کے لئے اس دنیا سے کوچ کر کے آخرت کے راستے پر چلنا ضروری ہے۔ مہم بات یہ ہے کہ نہ صرف ہم آخرت کے سفر کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ مسافرت کے دن اور ٹائم کے منتخب کرنے کا اختیار بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم کا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے مرنے کا وقت اور موت کی جگہ ہم سے مخفی رہے، اور جب ہمارا آخری وقت آتا ہے تو فوراً موت کا فرشتہ آکر ہماری روح قبض کر لیتا ہے اور ہمارا عالم آخرت کا خوف ناک اور خطرناک سفر شروع ہو جاتا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: فَتَزَوَّدُوْا فِیْ اَیَّامِ الْبَقَاءِ قَدْ ذُلِّلْتُمْ عَلَی الزَّادِ وَ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَ حُثِثْتُمْ عَلَی الْمَسِیْرِ فَاِنَّمَا اَنْتُمْ کَرَکْبٍ وُقُوْفٍ لَا یَدْرُوْنَ مَتٰی یُؤْمَرُوْنَ بِالسَّیْرِ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''دنیا کے فانی اور جلد گزر جانے والے دنوں میں آخرت کے باقی اور جاودان ایام کے لئے زادِ راہ اٹھا لو۔

تمہیں اس سامان کی ہدایت دی گئی ہے جنہیں تمہیں ذخیرہ کرنا ہے، تم نے راہ سعادت طے کرنے کے فرمان کو حاصل کر لیا ہے اور تمہیں اعمال صالحہ کے راستے پر چلنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ تم ان ٹھہرے ہوئے سواروں کی طرح ہو جن کو چلنے کے وقت کا علم نہ ہو۔[1]

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ اَبُوْذَرٍ الْغِفَارِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ الْکَعْبَةِ فَنَادٰی اَنَا جُنْدُبُ بْنُ السَّکَنِ فَاکْتَنَفَهُ النَّاسُ فَقَالَ مَعَاشِرَ النَّاسِ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَرَادَ السَّفَرَ لَاَعَدَّ مَا یُصْلِحُهٗ اَفَمَا تُرِیْدُوْنَ لِسَفَرِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَا یُصْلِحُکُمْ.

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: (ایک دن) ابوذر غفاریؓ کعبہ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور آواز دینے لگے میں جندب ابن سکن ہوں۔ اس آواز اور اپنا تعارف کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے اطراف میں جمع ہو گئے تو انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی جب کسی سفر کے لئے جانا چاہتا ہے تو وہ اپنے ساتھ سفر کے لئے مناسب سامان ضرورت اٹھاتا ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے قیامت کے سفر کے لئے اپنے ساتھ ایسی چیز اٹھا لو جس میں تمہارے

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 157

لئے اچھائی اور بہتری ہو؟۔[1]

قیامت کے لئے زادہ راہ تیار کرنے کے بارے میں عامہ وخاصہ نے بہت سی روایات نقل کی ہیں، یہاں صرف مذکورہ احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ اب اس بات کی وضاحت بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں آخرت کے زادراہ سے کیا مراد ہے اور اولیاء کرام نے کونسی چیزوں کو قیامت کے ذخیرہ کے طور پر معرفی فرمایا ہے۔

اسلام کی نظر میں آخرت کا زادراہ

عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللهُ عَلَیۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمۡ قَالَ: وَخَیۡرُ الزَّادِ التَّقۡوٰی.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا: ''تقویٰ بہترین زادراہ ہے''۔[2]

حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جنگ صفین سے واپس لوٹ رہے تھے جب آپ کوفہ کے قبرستان کے پاس پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے اور قبور میں موجود مردوں سے مخاطب ہو کر گفتگو کرنے لگے، آپ نے دوران گفتگو یہ بھی فرمایا: ''تمہارے گھروں میں دوسرے آ کر بیٹھ گئے، تمہاری بیویاں دوسروں کے ساتھ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گئیں تمہارے اموال تقسیم ہو چکے ہیں یہ ہمارے ہاں کی خبریں ہیں۔ تمہارے پاس کیا خبر ہے؟۔

ثُمَّ الۡتَفَتَ اِلٰی اَصۡحَابِهٖ فَقَالَ: اَمَا لَوۡ اُذِنَ لَهُمۡ فِی الۡكَلَامِ لَا خۡبَرُوۡكُمۡ اِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی.

پھر آپؑ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اگر انہیں بات کرنے کی اجازت دی جائے تو تمہیں خبر دیتے کہ آخرت کے سفر میں بہترین زادراہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے''۔[3]

باایمان انسان فرائض دینی کی ادائیگی اور تمام محرمات الٰہی سے اجتناب کے ذریعہ تقویٰ کے عظیم درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اس عمل سے آخرت میں اپنے لئے بہترین اور عالی ترین زادراہ تیار کر لیتا ہے۔ وہ قیامت میں نورانی چہرہ کے ساتھ محشور ہوگا۔ اور سربلندی اور افتخار سے متقی اور نیک لوگوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا اور بالآخر وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ابدی سعادت پر فائز ہو کر ہمیشہ کے لئے بہشت بریں میں رہے گا۔

---

[1] امالی شیخ مفید صفحہ 215

[2] سفینۃ جلد 1 صفحہ 391

[3] نہج البلاغہ کلمہ 130

تقویٰ کے علاوہ اور زادراہ

اس نکتہ کا تذکرہ بھی لازمی ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ حدیث میں تقویٰ کو بہترین زادراہ کہا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قیامت میں زادرراہ صرف تقویٰ میں منحصر ہو۔ کیونکہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے دوری کے ساتھ روایات میں کچھ ایسے اعمال بھی بیان ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ انسانوں کے لئے خیر اور سعادت مندی کا ذخیرہ ہوسکتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مال اور مقام، جاہ ومحبوبیت، قلم وزبان اور دوسری وہ طاقتیں جوان کے اختیار میں ہیں ان کے ذریعے لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کو کسی بھی طرح سے فائدہ پہنچاتے ہیں وہ بھی اپنے اس عمل سے قیامت کے لئے ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔

جریر کہتے ہیں: ایک دن ہم رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے اتنے میں قبیلہ مضر میں سے ایک گروہ آیا جن کے پاس تلواریں تو تھیں لیکن پشم کے کپڑے کے ایک ایسے ٹکڑے کے علاوہ جسے سیاہ اور سفید دھاگوں سے بنایا گیا تھا ان کے پاس کوئی اور لباس نہ تھا۔ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے برہنہ جسم اور ان کے چہروں کا مشاہدہ کیا جن سے ان کی بھوک کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ آپؐ بہت غمگین ہوئے۔ آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا، آپ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے، اس کے بعد آپؐ مسجد کی جانب روانہ ہوئے فریضہ ظہر کی ادائیگی کے بعد منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

تَصَدَّقُوا قَبۡلَ اَنۡ لَا تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا قَبۡلَ اَنۡ یُّحَالَ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَ الصَّدَقِ تَصَدَّقَ امۡرَءٌ مِنۡ دِیۡنَارِہٖ تَصَدَّقَ اِمۡرَءٌ مِنۡ دِرۡھَمِہٖ تَصَدَّقَ اِمۡرَءٌ مِنۡ بُرِّہٖ مِنۡ شَعِیۡرِہٖ مِنۡ تَمۡرِہٖ لَا یُحَقِّرَنَّ شَیۡءٌ مِنَ الصَّدَقَۃِ وَلَوۡ بِشِقِّ التَّمۡرَۃِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الۡاَنۡصَارِ بِصُرَّۃٍ فِیۡ کَفِّہٖ فَنَاوَلَھَا رَسُوۡلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَھُوَ عَلٰی مِنۡبَرِہٖ فَعُرِفَ السُّرُوۡرُ فِیۡ وَجۡھِہٖ فَقَامَ النَّاسُ فَتَفَرَّقُوۡا فَمِنۡ ذِیۡ دِیۡنَارٍ وَ مِنۡ ذِیۡ دِرۡھَمٍ وَ مِنۡ ذِیۡ طَعَامٍ وَ مِنۡ ذِیۡ وَمَنۡ ذِیۡ فَقَسَمَہٗ بَیۡنَھُمۡ۔

”صدقہ دو قبل ازیں کہ صدقہ نہ دے سکو، صدقہ دو اس سے پہلے کہ تمہارے اور صدقہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہوجائے، ایک اپنے دینار میں سے، ایک اپنے درہم میں سے، ایک اپنے گندم میں سے، ایک اپنی جو میں سے، ایک اپنے خرما میں سے (صدقہ دے) اور کوئی بھی اپنے صدقہ کو ناچیز نہ سمجھے، اگر چہ وہ نصف خرما ہی کیوں نہ ہو۔ اچانک انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور پیسوں سے بھری تھیلی رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے۔ اس شخص کے اس عمل سے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے بعد دیگر تمام افراد بھی کھڑے

ہوئے اور پراگندہ ہونے لگے تا کہ کوئی چیز ساتھ لائیں اور اس خیر کے کام میں مدد کریں۔ ان میں سے بعض دینار لائے۔ بعض درہم لائے، بعض کھانا لائے اور بعض دوسری چیزیں اپنے ساتھ لائے آنحضرتؐ نے لوگوں کے صدقات کو ان (قبیلہ مضر) کے درمیان تقسیم کر دیا۔[۱]

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِنَّ الْمَرْءَ إِذَا هَلَكَ قَالَ النَّاسُ مَا تَرَكَ وَ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ مَا قَدَّمَ لِلّٰهِ آبَاؤُكُمْ فَقَدِّمُوا بَعْضًا يَكُنْ لَكُمْ وَلَا تُخَلِّفُوا كُلًّا فَيَكُونَ عَلَيْكُمْ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں اموال دنیا میں سے اس نے کیا چھوڑا اور ملائکہ کہتے ہیں اس نے آگے کیا بھیجا ہے؟ تم اور تمہارے والدین فیض حق میں شامل رہو، اپنے اموال کا کچھ حصہ اپنی موت سے پہلے (آگے) بھیج دو یہ تمہارے فائدہ میں ہوگا اور تمام اموال کو یہاں مت چھوڑو کیونکہ یہ تمہارے نقصان میں اور تمہارے کاندھوں پر وزن ہوگا''۔[۲]

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ "كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ" أَنَّهُ قَالَ: هُوَ الرَّجُلُ يَكْسِبُ الْمَالَ وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ خَيْرًا فَيَرِثُهُ مَنْ يَعْمَلُ فِيهِ عَمَلًا صَالِحًا فَيَرَى الْأَوَّلُ مَا كَسَبَهُ حَسْرَةً فِي مِيزَانِ غَيْرِهِ.

امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کریمہ: ''خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کر پیش کرے گا''۔[۳] کی وضاحت میں فرمایا: ''ایک انسان مال کسب کرتا ہے لیکن وہ اس کے ذریعہ کوئی نیک عمل انجام نہیں دیتا، اس کی موت کے بعد اس کا مال و دولت ایسے شخص کو بطور میراث ملتا ہے جو نیک اعمال انجام دیتا ہے وہ اس مال کو نیک اور صالح اعمال پر خرچ کرتا ہے۔ قیامت میں مال کا مالک اپنی ملکیت کو اپنے وارث کے میزان عمل میں دیکھے گا اور وہ حسرت اور افسوس سے اسے دیکھے گا''۔[۴]

جو لوگ اجتماعی جاہ و منزلت رکھتے ہیں وہ بھی مالدار افراد کی طرح لوگوں کے لئے خیر کا باعث بن سکتے ہیں وہ اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کام کر سکتے ہیں، ان کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں یا انہیں نقصان سے بچا سکتے ہیں۔

---

[۱] تفسیر در المنثور جلد 6 صفحہ 201
[۲] شرح ابن میثم جلد 4 خطبہ 194 صفحہ 5
[۳] سورہ بقرہ آیت 167
[۴] تفسیر برہان جلد 1 صفحہ 173

روایات کے مطابق یہ خدمت بھی مقام ومنزلت رکھنے والوں کے لئے معاد کا ذخیرہ بنے گی۔لیکن اگر وہ اس سے استفادہ نہ کریں اور اپنے مقام ومنزلت سے کام نہ لیں تو قیامت کے دن انہیں افسوس اور حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤمِنِيْنَ علیہ السلام قَالَ : اِنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ زَكَاةَ جَاهِكُمْ كَمَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ زَكَاةَ مَا مَلَكَتْ اَيْدِيْكُمْ.

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''خداوند عالم نے تم پر مقرر کیا ہے کہ تم اپنی قدر ومنزلت کی زکات ادا کرو، جیسا کہ اس نے تم پر تمہارے اموال کی زکواۃ کو فرض قرار دیا ہے''۔[۱]

تَفْسِيْرُ الْاِمَامِ علیہ السلام وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ مَالٍ تُنْفِقُوْنَهُ فِيْ طَاعَةِ اللهِ فَاِنْ لَمْ مَالٌ فَمِنْ جَاهِكُمْ تَبْذُلُوْنَهُ لِاِخْوَانِكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ تَجُرُّوْنَ بِهِ اِلَيْهِمُ الْمَنَافِعَ وَ تَدْفَعُوْنَ بِهِ عَنْهُمُ الْمَضَارَّ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ يَنْفَعُكُمُ اللهُ.

امام علیہ السلام کے فرمان کی تفسیر یہ ہے کہ ''اپنے مال میں سے جو کچھ تم خدا کی راہ میں خرچ کر رہے ہو اور آگے بھیج رہے ہو اور اگر مال نہ ہوتا تو تم اپنے مومن بھائیوں پر اپنے مقام ومنزلت کو خرچ کرتے تاکہ ان کے لئے فائدہ حاصل کرسکو یا نقصان کو ان سے دور ہٹا سکو قیامت کے دن تم ان سب کو خداوند عالم کے پاس پاؤ گے تمہیں تمہارے اعمال کا انعام دیا جائے گا''۔[۲]

عَنِ الصَّادِقِ علیہ السلام قَالَ: مَا مِنْ مُؤمِنٍ بَذَّلَ جَاهَهُ لِاَخِيْهِ الْمُؤمِنِ اِلَّا حَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ عَلَى النَّارِ وَلَمْ يَمَسَّهُ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''کوئی بھی مومن اپنے مقام ومنزلت کو اپنے دینی بھائی کے لئے استعمال نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ خداوند عالم اس کے چہرہ کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیتا ہے اور قیامت میں اسے ذلت وخواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا''۔[۳]

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ صَدَقَةٍ اَفْضَلُ مِنْ صَدَقَةِ اللِّسَانِ. قِيْلَ وَ كَيْفَ ذَالِكَ؟

---

[۱] وسائل جلد 11 صفحہ 594

[۲] مستدرک الوسائل جلد 2 صفحہ 411

[۳] سفینۃ (اخا) صفحہ 14

قَالَ الشَّفَاعَةُ يُحْقَنُ بِهَا الدَّمُ وَ يُجَرُّ بِهَا الْمَنْفَعَةُ.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی صدقہ زبان کے صدقہ سے افضل نہیں ہے۔

آپؐ سے پوچھا گیا: یہ کس طرح ہے؟

آپؐ نے فرمایا: شفاعت کے ذریعہ بے گناہوں کا خون محفوظ رہتا ہے اور اس کے ذریعہ فائدہ حاصل ہوتا ہے''۔

[۱]

خلاصہ:

ہر نیکی کا کام جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، نیک عمل انجام دینے والے کے لئے قیامت کا سامان ہے اگر چہ وہ عمل چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ يُبْتَدَأُ بِهِ فِي الْآخِرَةِ صَدَقَةُ الْمَاءِ.

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''قیامت میں لوگوں کے نیک اعمال کی بررسی کی ابتدا پانی کے صدقہ سے ہوگی''۔ [۲]

ائمہ معصومین علیہم السلام نے بہت سی روایات کے ضمن میں مخلوقات کی خدمت کی معنوی فضیلت اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے بارے میں بیان فرمایا ہے، انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ خدمت کرنے والے لوگ خدا کے مخصوص بندوں کا گروہ ہے۔ اور وہ جو خدمات انجام دیتے ہیں وہ ان کے لئے آخرت کا سامان بنے گا۔

عَنْ مُعَمَّرِ بْنِ خَلَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ: اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادَةً فِي الْاَرْضِ يَسْعَوْنَ فِي حَوَائِجِ النَّاسِ هُمُ الْآمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ اَدْخَلَ عَلٰى مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اَفْرَحَ اللّٰهُ قَلْبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

محمد بن خلاد کہتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ: ''زمین پر اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں ان لوگوں کو اس خدمت کی جزاء کے طور پر قیامت میں امن کی نعمت اور روح کا سکون حاصل ہوگا جو بھی کسی مومن کے دل کو خوش کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے دل کو خوش کرے گا۔

مومنین کو چاہئے کہ قیامت کے دن کے لئے اپنی زندگی کے ایام میں ہی ذخیرہ جمع کر لیں، اپنی آخرت کی بھلائی

---

[۱] محجۃ البیضاء جلد 3 صفحہ 378

[۲] روضۃ الیقین جلد 3 صفحہ 166

کے لئے دنیا سے سامان اٹھالیں، اس لئے وہ واجبات الٰہی کی ادائیگی کے لئے کوشش کرتے ہیں، گناہوں اور غیر شرعی لذتوں سے دور رہتے ہیں اور اپنی طاقت کا کچھ حصہ مفت میں لوگوں کی پریشانیوں اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ یہ تمام کام اور ساری فعالیت موت کے بعد والے عالم پر ایمان اور قیامت کے ثواب اور عقاب پر اعتقاد کی وجہ سے انجام دیتے ہیں۔

مادہ پرستوں کے اعتراض اور ان کا جواب

مادہ پرست جو خدا اور عالم ماورائے طبعیت کا انکار کرتے ہیں، وہ مکتب انبیاء کے پیروکاروں کے دینی کاموں کا انکار کرتے اور انہیں پریشان کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات ان کے اندر کی بات ان کی زبان پر بھی جاری ہو جاتی ہے اور وہ اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ ابن ابی العوجا جس کی فکر مادہ پرستوں والی تھی اور امام صادق علیہ السلام کا معاصر تھا۔ وہ ایک دن صبح، کعبہ اور حجر اسود کے بارے میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا:

اِلٰی کَمْ تَدُوْسُوْنَ هٰذَا الْبَيْدَرَ وَ تَلُوْذُوْنَ بِهٰذَا الْحَجَرِ وَ تَعْبُدُوْنَ هٰذَا الْبَيْتَ الْمَرْفُوْعَ بِالطُّوْبِ وَالْمَدَرِ.........؟

''تم کس وجہ سے اس زمین پر اپنے پاؤں مارتے ہو، کیوں اس پتھر کے نزدیک ہو کر اس سے متمسک ہوتے ہو اور اس خاک اور پتھر سے بنے گھر کی عبادت کرتے ہو''؟

امام علیہ السلام نے اس کے طعن آمیز سوال کا جواب دیا اور فرمایا:

هٰذَا بَيْتٌ اِسْتَعْبَدَ اللّٰهُ عِبَادَهٗ لِيَخْتَبِرَ طَاعَتَهُمْ فِيْ اِتْيَانِهٖ فَحَثَّهُمْ عَلٰى تَعْظِيْمِهٖ وَ زِيَارَتِهٖ جَعَلَهٗ مَحَلَّ اَنْبِيَائِهٖ وَقِبْلَةً لِلْمُصَلِّيْنَ لَهٗ فَهُوَ شُعْبَةٌ مِنْ رِضْوَانِهٖ وَ طَرِيْقٌ يُؤَدِّيْ اِلٰى غُفْرَانِهٖ.......

یہ وہ گھر ہے جس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بندگی کا تقاضا کیا ہے، تاکہ اس گھر میں آنے سے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کے مراتب کی آزمائش کر سکے اسی وجہ سے اس نے انہیں اس گھر کی زیارت کی ترغیب دی ہے۔ اس گھر کو اپنے پیغمبروں کی جگہ اور نمازیوں کے لئے قبلہ قرار دیا ہے، پس یہ گھر اس کی رضا اور خوشنودی کے شعبوں میں سے ایک ہے اور وہ راستہ ہے جس کی انتہاء ذات باری تعالیٰ کی عفو و مغفرت پر ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 75

کیا ابن ابی العوجا امام صادق علیہ السلام کے جواب کی تہہ تک پہنچ گئے اور امام علیہ السلام کی باتوں کا مطلب سمجھ گئے جو باتیں آپؑ نے عبادت الٰہی، اطاعت کی آزمائش، خدا کی رضا اور مغفرت الٰہی تک رسائی کے راستوں کے بارے میں بیان فرمائیں؟ کیا وہ لوگ جو ابن ابی العوجا کی طرح اپنی عمر کا بڑا حصہ مادیات کے زندان میں قید رہے ہوں وہ خدا پرستوں اور اہل معنی کی زبان سمجھ سکتے ہیں؟ کیا مادی مکتب کی پیروکار جانتے ہیں کہ اولیاء کرام اور خدا کے سچے بندے کس طرح فکر کرتے ہیں اور عبادت اور مناجات کی حالت میں ان کا احساس کیا ہوتا ہے؟

ابن ابی العوجا کا منطق الٰہی سے واقف نہ ہونا باعث بنا کہ امامؑ نے اپنی ایک اور بحث کے دوران اپنی بات کے طریقے کو تبدیل کیا اور ایک اور طریقہ سے اسے جواب دیا۔

رُوِیَ اَنَّ الصَّادِقَ علیہ السلام قَالَ لِاِبْنِ اَبِی الْعَوْجَا اِنْ یَّکُنِ الْاَمْرُ کَمَا تَقُوْلُ وَلَیْسَ کَمَا تَقُوْلُ نَجَوْنَا وَنَجَوْتَ وَاِنْ یَّکُنِ الْاَمْرُ کَمَا تَقُوْلُ وَھُوَ کَمَا تَقُوْلُ نَجَوْنَا وَھَلَکْتَ.

ایک اور روایت میں ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے ابن ابی عوجا سے فرمایا: اگر جو کچھ تم کائنات کے بارے میں کہہ رہے ہو وہ سب صحیح نکلے حالانکہ صحیح نہیں ہے یعنی موت کے آنے سے انسان ختم ہو جائے۔ اس کائنات کے بعد کوئی اور عالم نہ ہو اور لوگوں کو ثواب اور عقاب کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اس صورت میں ہم اور آپ دونوں ہی نجات یافتہ ہوں گے۔ لیکن اگر کائنات کے بارے میں ہماری بات صحیح نکلے جو کہ حقیقت میں بھی صحیح ہے تو اس صورت میں ہم اس کائنات کے خالق پر ایمان اور بندگی اور عبودیت کے وظائف کی انجام دہی کے سبب نجات پائیں گے اور تم خالق کائنات کے انکار اور اس کے احکامات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤ گے۔[1]

مذکورہ شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق قیامت میں تقویٰ اور پرہیزگاری سب سے بہتر سامان ہے۔ تقویٰ کے ساتھ ساتھ اور چیزیں بھی قیامت میں مؤثر ہوں گی جن میں سے بعض کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات کے مطابق بیان کیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سب سے برا سامان لوگوں پر ظلم کرنا ہے اس کے علاوہ اور بھی بری چیزیں ہیں جو قیامت میں نقصان کا باعث بنیں گی۔ بعض لوگ اپنی زندگی میں بہت ظلم و ستم کرتے ہیں اور کسی بھی گناہ، پلیدی اور ناجائز کام سے دوری نہیں کرتے، قیامت میں ایسے افراد کا سامان دوسروں پر ظلم و ستم ہوگا اور یہ سب سے برا سامان ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: بِئْسَ الزَّادُ اِلَی الْمَعَادِ الْعُدْوَانُ اِلَی الْعِبَادِ.

---

[1] احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 77

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''قیامت کے دن کے لئے سب سے زیادہ برا ذخیرہ، خدا کی مخلوقات پر ظلم کرنا ہے''۔[1]

باہزاران ہزار خود خواہی
تاکنم کسب لذتی واہی
از زر وزیور و جلال و مقام
وز زن و مال و شہوت و می و جام
چہ ستم ہا بہ جسم و جان کردم
بہ خود و خلق تو امان کردم
شب عمرم بہ سوز و ساز گذشت
وچہ بد این شب و راز گذشت
روز عمرم ز شوق خالی بود
لذتش لذت خیالی بود
آن خیالی کہ بود ہمچو سراب
وان سرابی کہ مست بیند خواب
خم شدہ پشتم از معاصی خویش
خجلم از وجود عاصی خویش
جز گناہم نماندہ توشۂ راہ
می روم باگناہ سوی الہ

ترجمہ:

ہزاروں لاکھوں خواہشات کے باعث فضول لذتوں کے پیچھے دوڑتا رہا۔ زر وزیور، جلال و منزلت اور عورت، مال، شہوت پرستی اور مئے و جام کی خواہش میں میں نے اپنے جسم اور جان پر کتنے ستم

[1] نہج البلاغہ کلمہ 221

ڈھائے، اپنی ذات اور مخلوق پر وہ ظلم ڈھائے کہ الامان، میری راتیں روتے پیٹتے گزر گئیں، یہ لمبی رات کس بدحالی میں گزر گئی۔ میری زندگی کے دن شعور وشوق سے خالی رہے اور جولذتیں تھیں وہ خام خیالی ثابت ہوئیں وہ خیال جو سراب کی مانند تھا، ایسا سراب جو مست انسان خواب میں دیکھتا ہے۔ گناہوں کے باعث میری کمر جھک گئی اپنے وجود پر شرمندہ ہوں چونکہ یہ سراپا گناہ بن چکا ہے۔ گناہوں کے سوا میرے پاس زادسفر کچھ بھی نہیں گناہوں کا بوجھ سر پہ لئے خدائے عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہونے جارہا ہوں۔

موجودہ منزل میں آئندہ پیش آنے والی منازل کے لئے زادراہ

موجودہ منزل میں آئندہ منازل کے لئے سامان اٹھانا دنیاوی سفروں میں عقل مندی ہے آخرت کے سفر کے لئے سامان اکٹھا کرنا صرف شریعت کے پابند افراد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ حکیمانہ طریقہ حکم خدا سے اس عالم کی ہر زندہ موجودات میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ جبری خلقت کی وجہ سے اپنے تکوینی سفر میں اسی نظم اور محاسبہ کی پیروی کرتے ہیں۔اور انہیں آئندہ منازل میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں موجودہ منزل میں وہ چیز عطا کی جاتی ہے۔

مثال:

شکم مادر میں بچے کی زندگی محدود اور مختصر ہوتی ہے وہ مسافر کی طرح ہوتا ہے جسے مقررہ وقت میں رحم مادر کو ترک کرنا ہوتا ہے اس کے بعد اسے ایسے سفر پر جانا ہوتا ہے جس کی بہت سی منزلیں ہوتی ہیں اور انہیں کچھ سال وہیں رہنا پڑتا ہے، حکیم پروردگار نے نظام خلقت کو تعادل کے ساتھ بنایا ہے کہ تکوینی قوانین کے مطابق جن چیزوں اور ذخائر کی اسے دنیاوی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے وہ سب بالفعل یا بالقوۃ اسے رحم مادر میں ہی دی جاتی ہیں تاکہ وہ ہر ایک سے وقت آنے پر فائدہ اٹھا سکے۔

آنے والے وقت میں اسے دیکھنے اور سننے کی ضرورت ہوتی ہے، اسے رحم مادر میں آنکھیں اور کان دیئے جاتے ہیں۔آنے والے وقت میں انہیں بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسے رحم مادر میں زبان عطا کی جاتی ہے آنے والے وقت میں وہ حرکت اور فعالیت کا محتاج ہوتا ہے، اسے شکم مادر میں ہاتھ اور پاؤں دیئے جاتے ہیں بچہ جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو وہ ماں کے دودھ کے ذریعہ غذا حاصل کرتا ہے، اسے رحم مادر میں معدہ اور آنتیں دی جاتی ہیں، آنے والے وقت میں چونکہ اسے غذا چبانے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس کے منہ میں دانت نکلنے کی صلاحیت بھی اسے رحم مادر میں ہی عطا ہوتی ہے۔

با اختیار انسان

شکم مادر میں موجود بچہ، رحم مادر کی منزل کو اس وقت ترک کرتا ہے جب بالفعل یا بالقوۃ اس کے پاس دنیاوی زندگی کا تمام سامان تیار ہو جاتا ہے، بالکل مسافر کی طرح زادراہ تیار ہونے کے بعد سفر پر جاتا ہے۔

مکتب انبیاء کے پیروکاروں اور موت کے بعد بقائے روح اور دیگر عوامل کا عقیدہ رکھنے والوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں کے لئے دنیاوی زندگی شکم مادر میں بچے کی زندگی کی طرح ہے اور موت بمنزلہ دوسری ولادت ہے۔ پہلی ولادت بچے کو شکم مادر سے کائنات میں منتقل کرتی ہے اور موت یعنی دوسری ولادت انسان کو شکم مادر سے غیب کے وسیع وعریض عالم کی جانب منتقل کر دیتی ہے۔

سب سے زیادہ مہم اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ شکم مادر میں موجود بچہ کا اپنا ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا شکم مادر میں بچہ کو تخلیق کرنے والا خداوند عالم ہے۔ وہ ان طریقوں اور قوانین کے وسیلے جنہیں اس نے اپنی حکمت بھری مشیت سے نظام خلقت میں برقرار کیا ہے اور وہ مسلسل جاری رہتی ہے، رحم مادر کی ظلمتوں میں بچے کو بناتا ہے ضروری تعادل کو اس کے جسم میں برقرار رکھتا ہے اور بچے کے کہنے کے بغیر ہی وہ اسے تمام اعضاء وجوارح عطا کرتا ہے جن کی بچے کو اپنی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد اسے اس دنیا میں منتقل کیا جاتا ہے۔

البتہ انسان اس دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اپنے عمل کے لئے آزاد ہیں، وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے خود کو شائستہ بھی بنا سکتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے لئے آخرت کی فکر کریں آئندہ درپیش سفر کے لئے اپنے لئے کافی مقدار میں زادراہ مہیا کریں اور آج کی فرصت میں اپنی کل کی خوشبختی اور سعادت کے لئے اسباب مہیا کریں نیز انہیں یہ اختیار بھی ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کی لذتوں کو اپنا سب کچھ سمجھیں، آخرت سے منہ پھیرلیں، انسانیت اور انسانی مسؤلیت کو فراموش کر دیں اور اس کائنات میں بعد والی دنیا کے لئے زادراہ مہیا نہ کریں اور خالی ہاتھ بدبختی سے اس دنیا کو ترک کر دیں۔

جس بچے کو رحم مادر میں کسی مانع کا سامنا ہوا ہو یا اس پر کسی عامل کا اثر ہوا ہو جس کی وجہ سے وہ طبیعی راستے اور کمال کی راہ سے منحرف ہو کر نتیجہ میں نابینا ہو جائے تو وہ بچہ مجبورا نابینا پیدا ہوگا۔ ایسا بچہ اپنی پوری دنیاوی زندگی اس کمی کی وجہ سے تکلیف اٹھائے گا جو اسے شکم مادر میں نصیب ہوئی تھی۔ وہ اس نابینائی کی وجہ سے ہمیشہ تکلیف اور عذاب میں مبتلا رہے گا بالکل اسی طرح جو انسان اس دنیا میں اپنے انسانی وظائف کی رعایت نہیں کرتا، اپنی چشم بصیرت نہیں کھولتا، آیات الٰہی میں غور وفکر نہیں کرتا جس نے اپنے دل کو اندھا بنا دیا ہے وہ اس ماں یعنی دنیا کے شکم سے بھی نابینا ہی متولد ہوگا۔ وہ بھی عالم آخرت میں نقص یا نقائص کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ بات قرآن مجید میں کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○[1]

اور جو اسی دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت میں بھی اندھا اور بھٹکا ہوا رہے گا۔

ہر کہ در دنیا از بینش بے دور
ہم بود در آخرت ناچار کور
دیدہ نگشودہ است او بر نیک و بد
ہم رسد او را کہ بر کوران سزد

ترجمہ:

دنیا میں جو بھی بصیرت سے دور رہا، وہ مجبورا آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اس نے اچھے اور برے پر اپنی آنکھیں نہیں کھولی تھیں، اس کے ساتھ بھی وہی چیز ہونی چاہیئے جس کے اندھے حقدار ہیں۔

خداوند عالم ایک اور آیت کریمہ میں آخرت کی نابینائی کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى [2]

اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے زندگی کی تنگی بھی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا بھی محشور کریں گے وہ کہے گا کہ پروردگار یہ تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا ہے جب کہ میں دارِ دنیا میں صاحب بصارت تھا ارشاد ہوگا کہ اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں اور تو نے انہیں بھلا دیا تو آج تو بھی نظرانداز کر دیا جائے گا۔

کوری این جہان ز نابینی است
کوری آن جہان ز بی دینی است
کور ظاہر ز دید مہجور است
کور باطن ز یاد حق دور است

---

[1] سورہ اسراء آیت 72

[2] سورہ طہٰ آیت 124، 125، 126۔

ہر کہ روی از خدا بر تابد

در قیامت بہ عرصہ کور آید

ترجمہ:

اس جہان کا اندھا پن نہ دیکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔لیکن اس جہان (عالم آخرت) کا اندھا پن بے دینی کی وجہ سے ہوگا۔ظاہری اندھا نظرنہیں رکھتا باطنی اندھا حق سے دور ہوتا ہے۔جو بھی خدا سے منہ پھیر لے وہ قیامت میں اندھا محشور ہوگا۔

خلاصہ

اس کائنات کی عالم آخرت کے ساتھ وہی نسبت ہے جونسبت شکم مادر میں موجود بچے کی اس دنیا کے ساتھ ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ بعض اوقات بعض معلوم یا نامعلوم اسباب کا شکم مادر میں موجود بچے کو سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بچہ جبری طور پر طبعی رشد نہیں کر پاتا،اس کے اعضاء وجوارح میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے جس کے نتیجہ میں غیر عادی اور ظاہری عیب کے ساتھ بچہ متولد ہوتا ہے اور اپنے والدین کو پریشان کر دیتا ہے۔

انسان کا حشر

اس دنیا میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ اپنی نفسانی خواہشات اور بغیر قیدو بند کے شہوات کی پیروی کرتے نظرآتے ہیں،حق وفضیلت کو فراموش کر کے توحیدی فطرت کے راستے اور اخلاقیات سے منحرف ہوجاتے ہیں۔اور اپنے اندر غلط اوصاف اور رذائل اخلاقی کو پروان چڑھاتے ہیں۔

ایسے لوگ جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے غلط اوصاف کے ذریعے اس کائنات میں عیب دار بنا دیتے ہیں،وہ دنیا سے آخرت کے سفر کے لئے ناپسندیدہ اور ناپاک سامان اٹھاتے ہیں اور موت کے دن یعنی اپنی دوسری ولادت کے دن غیر انسانی چہرہ کے ساتھ متولد ہوتے ہیں۔قیامت میں ایسے لوگوں کوان کے ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال کی مناسبت سے محشور ہونا پڑے گا۔

داند آن کس کہ اہل معرفت است

حشر انسان بصورت صفت است

خوی ہر جانور کہ انسان یافت

صورت آخرت ہم آنسان یافت
ظلم قاتل کہ ہست جرم بزرگ
روز محشر بود بہ صورت گرگ

ترجمہ:

جو اہل معرفت ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر انسان اپنے اندر موجود صفت کے مطابق محشور ہوگا۔ انسان کے اندر جس جانور کی بھی صفت ہوگی۔ اس کی صورت آخرت میں اسی طرح ہوگی۔ قاتل کا ظلم جو کہ عظیم جرم ہے۔ قاتل قیامت میں اس جرم کی وجہ سے بھیڑیہ کی صورت میں آئے گا۔

دنیا آخرت کی کھیتی

وہ لوگ جو موت کے بعد والے عالم کے بارے میں سوچتے ہیں اور اپنے کل کی سعادت اور سلامتی کے ساتھ محبت رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ ہمیشہ اپنے آج کے اعمال کی طرف متوجہ رہیں اور دیکھیں گے کہ دنیا میں کیا کر رہے ہیں، خود کو کس طرح تیار کر رہے ہیں، اور اس دنیا سے آخرت کے لئے کونسا سامان اکٹھا کر رہے ہیں اس مطلب کو قرآن مجید نے ایک آیت کے ضمن میں بیان کر کے مومنوں کو اس کی اہمیت کی طرف تاکید کے ساتھ متوجہ فرمایا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے،

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○[1]

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیج دیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ علیہ السلام يَقُوْلُ : اَنَّ الْعَمَلَ الصَّالِحَ لَيَذْهَبُ اِلَى الْجَنَّةِ فَيُمَهِّدُ لِصَاحِبِهِ كَمَا يَبْعَثُ الرَّجُلُ غُلَامَهُ فَيَفْرُشُ لَهُ.

راوی کہتا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے: ''صالح عمل بہشت میں جا کر صاحب عمل کے آرام کا بندوبست کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص اپنے کسی غلام کو کسی مورد نظر جگہ پر بھیجتا ہے تا کہ وہ اس کے

[1] سورہ حشر آیت 18

آرام وسکوں کے اسباب مہیا کرے‘‘۔[1]

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ مومنوں سے تقاضا کیا ہے کہ یکھوانہوں نے اپنے کل کے لئے کون سی چیز بھیجی ہے اور اپنی قیامت کے لئے کونسی چیز کوذخیرہ کررکھا ہے۔ یہ بات توصاف ظاہر ہے کہ اس دیکھنے سے مراد، ایک عام دیکھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عمیق اور آگاہی پر مشتمل بررسی ہے کیونکہ کسی چیز کی گہرائی تک رسائی کے بغیر نگاہ مفید اورثمر بخش نہیں ہوتی۔

عَنْ عَلِیٍّ علیہ السلام قَالَ: نَظَرُ الْبَصَرِ لَا یُجْدِیْ اِذَا عَمِیَتِ الْبَصِیْرَۃُ.

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: ’’جہاں چشم بصیرت اندھی ہو وہاں سر والی آنکھ کا دیکھنا مفید نہیں ہوتا‘‘۔[2]

یہ جاننے کے لئے کہ انسان نے ماضی میں کون سے کام انجام دیئے اور اپنے آنے والے کل کے لئے کونسی چیز پہلے سے بھیج دی ہے، اسے چاہئے کہ اپنے اعمال نامہ پر دقیق غور وفکر کرے اور اس کی مندرجات سے باخبر ہوجائے۔ اپنے گناہوں سے استغفار کرے، اور بارگاہ الٰہی میں مغفرت طلب کرے، اور اپنے نیک کاموں جو کہ اس کی آخرت کا سب سے زیادہ فائدہ مند سامان ہیں، کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے اور گذشتہ کے نواقص کو پورا کرنے کے لئے بہت کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے لئے لفظ ’’غد‘‘ استعمال کیا ہے جس کا معنی آنے والا کل ہے۔ گویا خداوند عالم لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ ہوش میں رہو، دنیا اور آخرت ایک دوسرے سے اتنے قریب ہیں جتنا آنے والا کل آج کے قریب ہے۔

حق بہ تنبیہ گفت فلینظر
نفس ماقدمت لِغَدٍ در خور
آخرت ہمجوار با دنیا است
گفت حق، آخرت ہمین فردا است

ترجمہ:

حق تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان دیکھے وہ اپنے کل (آخرت) کے لئے کیا عمل بھیج رہا ہے، آخرت دنیا کی ہمسایہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ کل قیامت کا دن ہوگا۔

قیامت کے قریب ہونے کے بارے میں ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] امالی شیخ مفید صفحہ 195

[2] فہرست غرر، صفحہ 35

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَّنَرٰهُ قَرِيبًا ۝ [1]

"یہ لوگ اسے دور سمجھ رہے ہیں، اور ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں"

اس آیت میں ایک قابل غور وفکر نکتہ موجود ہے جس کے بارے میں بحث کی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ آخر کیوں اس (مذکورہ بالا آیت سے پہلے والی آیت سورہ حشر 18) آیت میں تقویٰ کا حکم دو مرتبہ بیان ہوا ہے؟

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آیت کی ابتدا میں مومنین کو مخاطب کر کے انہیں تقویٰ اور پرہیز گاری کا حکم دے رہا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک مختصر جملہ میں تقویٰ کا حکم دیا اور آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ وہ تمام کاموں سے آگاہ ہے جو تم انجام دیتے ہو۔

شاید شروع میں تقویٰ کا حکم اس وجہ سے ہے کہ مومنوں کو ان چیزوں کے جمع کرنے کے بارے میں بتایا جائے جو کل زادراہ ہوں گی اور انہیں اس راستے کے بارے میں آگاہ کیا جائے جنہیں انہوں نے طے کرنا ہے۔ اور دوسری مرتبہ اس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ انہیں جمع شدہ زادراہ کی حفاظت کے بارے میں بتایا جائے۔ اور ان کے اعمال کو حبط اور نابودی کے خطرات سے محفوظ رکھا جائے۔

مطلب کی وضاحت

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ مومنوں سے یہ تقاضا کیا ہے کہ وہ چشم بصیرت سے دیکھیں، اپنا محاسبہ کریں، اور اپنے اعمال پر عمیق نگاہ سے یہ جان لیں کہ انہوں نے اپنے آنے والے کل کے لئے کونسی چیز جمع کی ہے اور کونسا سامان انہوں نے آگے بھیجا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مومن بندوں کو چاہئے کہ وہ آج کے دن کل کی فکر میں رہیں اور جب تک زندہ ہیں آخرت کو کبھی بھی فراموش نہ کریں۔

چونکہ تقویٰ اور پرہیز گاری قیامت کے لئے بہترین زادراہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ شریعت کے فرائض کو اچھی طرح سے انجام دیں اور محرمات سے اجتناب کریں۔ سعادت پر مشتمل اس طریقہ کو اپنانے سے ایک تو اہل ایمان کی دنیاوی زندگی پاک ہوجائے گی اور معاشرے سے گناہ کی پلیدی اور جرائم کا خاتمہ ہوجائے گا اور دوسرا تقویٰ کی رعایت سے وہ اپنے کل کے لئے بہترین زادراہ بھیجنے پر کامیاب ہوجائیں گے اور اپنے لئے بہشت کے راستے ہموار کریں گے۔

عَنْ عَلِيٍّ عليه السلام قَالَ: فَإِنَّ التَّقْوىٰ فِي الْيَوْمِ الْحِرْزُ وَالْجُنَّةُ وَفِي غَدٍ الطَّرِيقُ إِلَى الْجَنَّةِ.

---

[1] سورہ معارج آیت 6، 7

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''مومنوں کے لئے تقویٰ اور پرہیز گاری آج نگہبان اور بچانے والی زرہ ہے اور آنے والے کل میں بہشت جاودان تک رسائی کا راستہ ہوگی۔[1]

صالح اعمال کی حفاظت

مہم بات یہ ہے کہ مومنین اپنے نیک کاموں کو جو کہ تقویٰ کا نتیجہ ہیں اپنی عمر کے اختتام تک محفوظ رکھیں آفات اور خطرات سے ان کی حفاظت کریں، اور سلامتی سے انہیں دنیا کی حدود سے لے جائیں تا کہ قیامت میں ان سے استفادہ کر سکیں اور یہ کام تقویٰ میں حفاظت کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور تقویٰ کے بغیر لوگوں کے اچھے اعمال حبط اور نابود ہو سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ عمل خیر انجام دینا اور آخرت کا سامان ذخیرہ کرنا، ایک بات ہے اور انہیں آفتوں اور خطرات سے محفوظ رکھنا دوسری بات ہے۔

مثال:

(فرض کریں) سردی کا موسم قریب ہو اور کسی مومن کو پتہ چلے کہ کسی عورت کا شوہر مر گیا ہے اور اس کے یتیم بچے فقر و تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں خاتون اپنے اور اپنے بچوں کے پیٹ پالنے سے عاجز ہے۔ وہ شخص فوراً پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچے ان کی افسوس ناک حالت کا نزدیک سے مشاہدہ کرے جس کا اس پر بہت گہرا اثر ہو، وہ خدا اور تقویٰ کی خاطر مضبوط ارادہ کرلے کہ پوری سردی اس لاوارث خاندان کی حفاظت کرے گا اور ان کی زندگی کی تمام ضروریات کو پورا کرے گا۔ اس نے جلد ہی ان کے کمرے کے لئے قالین اور پردوں کا انتظام کرلیا۔ بچوں اور ان کی والدہ کے لئے گرم لباس، بستر اور زندگی کی دوسری چیزوں کا بھی انتظام کرلیا۔ ان کے کھانے کے لئے کچھ راشن ان کی والدہ کو دیا، اور روزانہ کے اخراجات کے لئے کچھ رقم بھی اس خاتون کے حوالے کی۔

مختصر یہ کہ اس نے اس لاوارث خاندان کے لئے کھانے، پہننے اور موسم کے لحاظ سے گرم کرنے کا سامان وغیرہ سب کچھ مہیا کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ ہفتہ میں ایک، دو مرتبہ ان کو دیکھنے کے لئے بھی جاتا رہا وہ والد کی شفقت سے محروم بچوں کو اپنے آغوش میں لیتا اور ان سے پیار کرتا اگر انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو اس کا انتظام بھی کر لیتا۔

مخیر شخص نے جس کام کا ذمہ لیا تھا اسے خلوص نیت اور خدا کی خاطر انجام دیتا رہا اس کا مقصد صرف حکم الٰہی کے مطابق عمل کرنا تھا تا کہ اپنی آخرت کے لے ایک قدم بڑھانے اور پہلے ہی اپنے آنے والے وقت کے لئے زاد راہ مہیا

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 191

کرے وہ یہ کام اچھی طرح سے انجام دیتا رہا۔ اب مشکل یہ ہے کہ وہ شخص اپنے اس ذخیرہ کو اپنی عمر کے آخر تک آفتوں سے بچالے تاکہ قیامت میں اس سے فائدہ حاصل کر سکے جب سردی ختم ہوئی اور لاوارث ماں اور اس کے یتیم بچوں نے سلامتی اور خوشی کے ساتھ سردی کے ایام بسر کر لئے اور بہار کا موسم آ گیا تو ایک دن مخیر شخص عورت اور اس کے بچوں سے ملاقات کے لئے گیا، اس دن ہمسایہ کی کچھ اور خواتین بھی یتیموں سے ملنے کے لئے ان کے گھر میں موجود تھیں مخیر شخص شروع میں محبت اور شفقت کے ساتھ ان سے ملاقات کی، خاتون اور اس کے بچوں کی سلامتی کا سن کر بہت خوش ہوا لیکن اچانک اپنے بات کے انداز کو تبدیل کر کے خاتون سے کہنے لگا اگر اس سال میں تیرے اور تیرے بچوں کی مدد نہ کرتا تو تم لوگ اس سردی میں زندہ نہ رہ پاتے۔

اس جملے نے اس عورت کو اپنی ہمسایہ خواتین کے سامنے بہت شرمندہ کیا لیکن اس نے کچھ بھی نہ کہا۔

دینی اسناد کے مطابق اس شخص کے اس برے عمل اور ناجائز بات نے اس کی تمام خدمات کو ایک ہی جگہ ختم کر کے اس کے جمع کردہ ذخیرہ کو برباد کر دیا۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے، ارشاد رب العزت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ○[1]

”ایمان والو اپنے صدقات کو منت گزاری اور اذیت سے برباد نہ کرو۔۔۔۔“

اس باایمان شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر آیت کریمہ کے پہلے اور دوسرے جملے کو عملی جامہ پہنایا اور لاوارث خاتون اور اس کے بچوں کی بہت مدد کی۔ اس نے یہ تمام کام اس امید پر کئے تھے کہ اس دنیا سے کوئی سامان اٹھالے اور اپنی طرف سے کوئی چیز آنے والے کل کے لئے بھیج دے۔ اگر وہ آیت کریمہ کے تیسرے اور چوتھے جملہ کو بھی عملی جامہ پہناتا تو یقیناً اس نے تقویٰ کی رعایت کی ہوتی اور کبھی بھی خداوند عالم کی منع کردہ چیز پر عمل نہ کرتا اور لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (اپنے صدقات کو منت گزاری اور اذیت سے برباد نہ کرو) کو فراموش نہ کرتا۔ منت گزاری اور اذیت رسائی کی وجہ سے اس بیوہ خاتون کے ساتھ کی گئی اپنی کچھ مہینوں کی خدمت کو بے اثر نہ کر دیتا۔ اور اپنے آپ پر یہ ظلم نہ کرتا۔ ایک اور ناجائز کام بھی ہے جو منت گزاری اور اذیت رسائی کی طرح نیک لوگوں کے نیک اعمال کو باطل کر دیتا ہے اور ان کے اجر کو برباد کر دیتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ جَعْفَرٍ عليه السلام قَالَ: اَلْاِبْقَاءُ الْعَمَلِ اَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ

قَالَ وَمَا الْاِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ؟

---

[1] سورہ بقرہ آیت 264

قَالَ الرَّجُلُ بِصِلَةٍ وَ يُنْفِقُ نَفَقَةً لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ فَكُتِبَ لَهُ سِرًّا ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى فَتُكْتَبُ لَهُ عَلَانِيَةً ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى وَ تُكْتَبُ لَهُ رِيَاءً.

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اچھے عمل کی حفاظت کرنا خود عمل کی انجام دہی سے زیادہ سخت ہوتا ہے،

سائل پوچھتا ہے: عمل کی حفاظت کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کوئی باایمان شخص کوئی نیکی کا کام انجام دیتا ہے یا راہ خدا میں مال انفاق کرتا ہے اور اس کی نیت صرف خدائے یکتا ہوتا ہے۔ اس کا یہ کام اس کے نامہ اعمال میں صلہ یا پوشیدہ صدقہ کے طور پر لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اس عمل کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی پوشیدہ ہونے کی جہت مٹ جاتی ہے اور وہ آشکار عمل کے عنوان سے لکھا جاتا ہے۔ جب وہ دوسری مرتبہ اسی عمل کو اپنی زبان پر لاتا ہے تو اس مرتبہ اس کا خلوص مٹ جاتا ہے اور عمل ریاکاری کے عنوان سے لکھا جاتا ہے''۔ [1]

مذکورہ بحث و گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس دنیا میں انسان اس مسافر کی طرح ہے جسے عالم آخرت کی طرف جانا ہوگا اسے طویل راستہ اور سخت منازل کو یکے بعد دیگرے طے کرنا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس دنیا سے جو کہ دار تکلیف ہے، اپنے ساتھ درپیش سفر کے لئے زاد راہ اٹھالے، اپنے آپ کو لازمی ذخائر سے آراستہ کرلے اور اپنے ساتھ درپیش منازل میں آرام وسکون کے لئے اسباب مہیا کرلے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق، عالم آخرت کے لئے بہترین ذخیرہ اور سامان تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، اس سے مراد تمام وظائف کو انجام دینا اور تمام گناہوں سے دور رہنا ہے۔ جو بھی تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور تمام احکامات الٰہی پر عمل کرتا ہے، وہ روزانہ اپنے کاموں کے ذریعے اپنے آنے والے کل کے ذخیرہ میں اضافہ کرتا ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ عمر کے آخر تک ان کی حفاظت کرے اور اپنے برے اعمال سے ان کے حبط اور بطلان کا سامان تیار نہ کرے۔ یہ بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کی نظر میں مہم مسئلہ ہے۔

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَلدُّنْيَا كُلُّهَا جَهْلٌ اِلَّا مَوَاضِعَ الْعِلْمِ وَالْعِلْمُ كُلُّهُ حُجَّةٌ اِلَّا مَا عُمِلَ بِهِ وَالْعَمَلُ كُلُّهُ رِيَاءٌ اِلَّا مَا كَانَ مُخْلَصاً وَ الْاِخْلَاصُ عَلٰى خَطَرٍ حَتّٰى يَنْظُرَ الْعَبْدُ بِمَا يُخْتَمُ لَهُ.

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''پوری دنیا پر جہل و نادانی چھائی ہوئی ہے، سوائے ان جگہوں کے جو علم کی روشنی سے منور

---

[1] کافی جلد 2 صفحہ 297

ہیں۔اور سارے علوم خدا کی طرف سے حجت ہیں (جن کے ذریعے جاننے والوں کا حساب ہوتا ہے) سوائے ان علوم کے جن پر عمل کیا گیا ہو۔تمام اعمال ریاکاری ہیں سوائے اس عمل کے جسے خلوص کے ساتھ انجام دیا گیا ہو اور اخلاص کو خطرہ لاحق ہوتا ہے جب تک کہ صاحب عمل دیکھ لے کہ اس کے عمل کا خاتمہ کیسے ہوا''۔[1]

11 اپریل 2012ء بمطابق 19 جمادی الاول 1433ھ ہجری بوقت شام ساڑھے چھ بجے
بروز بدھ۔جامعۃ المہدی ڈھاڈر ضلع بولان بلوچستان میں اختتام کو پہنچا۔

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الْاَطْهَارِ.

ذوالفقار علی سعیدی قمی

[1] سفینۃ جلد اول (خطر) صفحہ 401